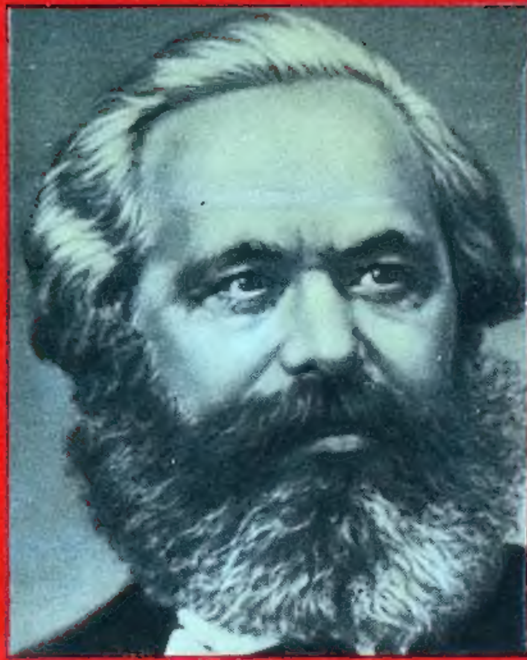
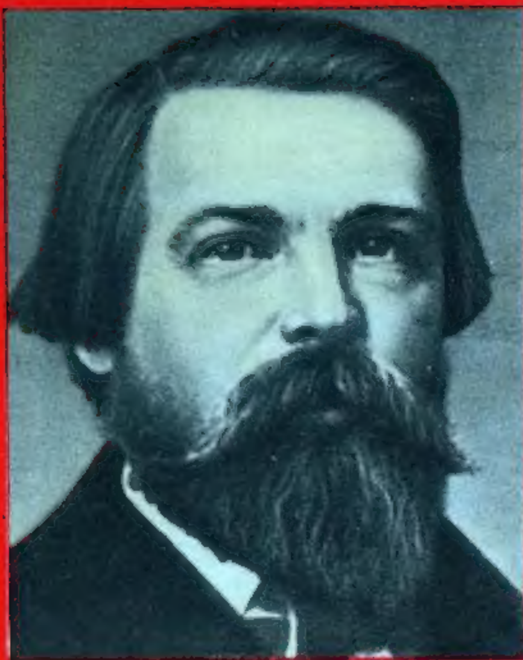




کارل مارکس

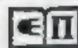
فریڈرک اینگلس

منتخب تصانیف

کارل مارکس
فریڈریک اینگلس

منتخب تصانیف

حصّہ چہارم



دارالاشاعت ترقی ، ماسکو

ترجمہ : حبیب الرحمن

К. МАРКС, Ф. ЭНГЕЛЬС

ИЗБРАННЫЕ ПРОИЗВЕДЕНИЯ

(часть IV)

На языке урду



فہرست

صفحہ

فریڈرک اینگلس۔ لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے کا خاتمہ ۷

۱۸۸۸ ء کے ایڈیشن کا پیش لفظ ۷
لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے کا خاتمہ . . ۱۰

۱ . . . . ۱۰
۲ . . . . ۲۱
۳ . . . . ۳۳
۴ . . . . ۴۳

فریڈرک اینگلس۔ فرانس اور جرمنی میں کسانوں کا سوال . . ۶۵
فریڈرک اینگلس۔ کارل مارکس کی کتاب " فرانس میں طبقاتی جدوجہد ۱۸۴۸ء — ۱۸۵۰ء " کا تعارف ۹۴

کارل مارکس، فریڈرک اینگلس۔ خطوط ۱۲۱

آنینکوف کے نام مارکس کا خط، ۲۸ دسمبر ۱۸۴۶ء ۱۲۱
ویئڈیمیئر کے نام مارکس کا خط، ۵ مارچ ۱۸۵۲ء ۱۳۶
کوگیلمان کے نام مارکس کا خط، ۱۲ اپریل ۱۸۷۱ء ۱۳۷
کوگیلمان کے نام مارکس کا خط، ۱۷ اپریل ۱۸۷۱ء ۱۳۹

بولٹے کے نام مارکس کا خط، ۲۳ نومبر ۱۸۷۱ء . . . ۱۳۰
بیبل کے نام اینگلس کا خط، ۲۰ جون ۱۸۷۳ء . . . ۱۳۳
بلوس کے نام مارکس کا خط، ۱۰ نومبر ۱۸۷۷ء . . . ۱۳۹
کاؤتسکی کے نام اینگلس کا خط، ۱۲ ستمبر ۱۸۸۲ء . . ۱۵۰
شمیدت کے نام اینگلس کا خط، ۵ اگست ۱۸۹۰ء . . ۱۵۱
بیونگک کے نام اینگلس کا خط، ۲۱ اگست ۱۸۹۰ء . . ۱۵۴
بلوخ کے نام اینگلس کا خط، ۲۱ ستمبر ۱۸۹۰ء . . . ۱۵۷
شمیدت کے نام اینگلس کا خط، ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۰ء . . ۱۶۰
میرنگ کے نام اینگلس کا خط، ۱۴ جولائی ۱۸۹۳ء ۱۶۹
بورگئیس کے نام اینگلس کا خط، ۲۵ جنوری ۱۸۹۴ء ۱۷۵
تشریحی نوٹ ۱۸۰
ناموں کا اشاریہ ۲۰۹

فریڈرک اینگلس

لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے[1] کا خاتمہ

۱۸۸۸ء کے ایڈیشن کا پیش لفظ

۱۸۵۹ ء میں برلن سے شایع‌شدہ کتاب ''سیاسی معاشیات کی تنقید پر ،، کے دیباچے میں کارل مارکس نے یہ بتایا کہ ۱۸۴۵ ء میں بروسلز میں کس طرح ''ہم نے فیصلہ کیا کہ مل کر جرمن فلسفے کے نظریاتی خیالات کے توڑ پر اپنے خیالات کا ،، (یعنی تاریخ کا مادی نظریہ جس کو زیادہ تر مارکس نے مرتب کیا تھا) ''پورا نقشہ تیار کریں ، یا اصلیت میں ، اپنے تب تک کے فلسفیانہ ضمیر کا حساب صاف کر دیں ۔ اس فیصلے نے عملی جامہ یوں پہنا کہ ہیگل کے بعد کے فلسفے کی تنقید لکھی گئی ۔ اس کتاب کا مسودہ ، جو آٹھ ورق فی‌جز کے حساب سے دو موٹی موٹی جلدوں میں تھا ، ویسٹ‌فالیا میں اشاعت کے انتظار میں بہت دن پڑا رہا یہاں تک کہ ہمیں اطلاع دی گئی کہ حالات بدل جانے سے اب اس مسودے کی چھپائی نہیں ہو سکتی ۔ ہم نے بڑی خوشی سے وہ مسودہ چوہوں کی کٹیلی تنقید کے سپرد کر دیا کیوں کہ ہمارا جو اصل مقصد تھا کہ مسئلہ اپنی نظر میں صاف ہو جائے ، وہ مقصد حاصل ہو چکا تھا ۔ ،، *

اس کو چالیس سال گذر گئے اور مارکس کا انتقال ہو گیا ۔ ہم دونوں کو اس موضوع کی طرف واپس آنے کا موقع نہیں ملا ۔ ہم نے

---

* دیکھئے اس سلسلے کا حصۂ دوم ، صفحہ ۱۱ - (ایڈیٹر)

مختلف موقعوں پر ہیگل کے بارے میں اپنے رویے کا اظہار کیا لیکن جامع اور مربوط طریقے سے نہیں۔ جہاں تک فائرباخ کے فلسفے کا تعلق ہے جو بہت سے پہلوؤں سے ہیگلیائی فلسفے اور ہمارے نظرئے کے درمیان کڑی ہے ہم نے اس پر لوٹ کر نظر نہیں ڈالی۔

اس دوران میں مارکس کے نظریات جرمنی اور یورپ کی سرحدوں کے پار نکل کر دور دور پھیل گئے اور دنیا کی تمام ادبی زبانوں میں ان کو جگہ مل گئی۔ دوسری طرف، کلاسیکی جرمن فلسفہ بیرون ملک ایک نیا جنم لے رہا ہے، خصوصاً انگلستان اور اسکینڈی‌نیویا میں۔ اور خود جرمنی میں لوگ eclecticism کے بدمزہ ملغوبے سے غالباً تنگ آچکے ہیں جو یونیورسٹیوں میں فلسفے کے نام سے بانٹا جاتا ہے۔

ان حالات میں ہمیں ہیگلیائی فلسفے کی طرف اپنے رویے کی مختصر اور مربوط شکل میں وضاحت کرنا کہ ہم اس کو لیکر کیسے آگے بڑھے اور کیسے اس سے الگ ہوئے، زیادہ ضروری معلوم ہوئی۔ اور اس اثر کا پورا اعتراف بھی ہمیں قرض‌حسنہ کی ادائیگی کی طرح کرنا تھا جو فائرباخ نے، بعد از ہیگل کے کسی بھی فلسفی کے مقابلے میں ہمارے طوفانی اور مشکل دور میں ہم پر ڈالا ہے۔ اسی لئے جب (۲) «Neue Zeit» کے ایڈیٹروں نے مجھسے فائرباخ کے بارے میں اشٹارکے کی کتاب پر نظرثانی کرنے کی فرمائش کی، تو میں نے بخوشی یہ موقع استعمال کیا۔ میرا مراسلہ اس رسالے کے ۱۸۸٦ء کے چوتھے اور پانچویں شماروں میں شایع ہوا اور اب یہاں اس پر نظرثانی کرکے علحدہ اشاعت کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس تحریر کو پریس میں بھیجنے سے پہلے میں نے ۱۸۴۵ — ۴٦ء کا مسودہ* ڈھونڈھ کر نکالا اور اسکو پڑھا۔ اسمیں جو حصہ فائرباخ کے بارے میں ہے وہ مکمل نہیں ہے۔ مکمل کئے ہوئے حصے میں تاریخ کے مادی نظریے کی وضاحت ہے جو یہ دکھاتی ہے کہ اس وقت معاشی تاریخ کے بارے میں ہماری معلومات کتنی تشنہ تھیں۔ اسمیں فائرباخ کی تعلیمات پر کوئی تنقید نہیں ہے۔ اس لئے موجودہ مقصد کے

---

* مارکس اور اینگلس ”جرمن آئڈیالوجی“۔ (ایڈیٹر)

لئے یہ ناقابل‌استعمال تھا۔ دوسری طرف مجھے مارکس کی ایک پرانی نوٹ‌بک میں فائرباخ پر گیارہ مقالے * ملے جو یہاں ضمیمے کے طور پر شایع کئے جا رہے ہیں۔ یہ نوٹ جلدی جلدی لکھے گئے تھے جن کی وضاحت بعد میں کرنی تھی اور اشاعت کے لئے نہیں تھے لیکن یہ ایسی پہلی دستاویز کی حیثیت سے بیش‌بہا ہیں جس میں نئے نظریہ‌عالم کا لاجواب تخم موجود ہے۔

لندن، ۲۱ فروری ۱۸۸۸ ء

فریڈرک اینگلس

پہلی بار ف۔ اینگلس کی کتاب ''لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے کا خاتمہ''، (اشٹوٹ‌گارٹ، ۱۸۸۸ ء) میں شائع ہوا۔

کتاب کے مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

* ک۔ مارکس ''فائرباخ پر تھی‌سیس''۔ دیکھئے اس سلسلے کا حصۂ‌اول، صفحات ۳۲ — ۳۹۔ (ایڈیٹر)

لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے کا خاتمہ

۱

یہ کتاب * جو ہمارے سامنے ہے ہمیں ایک ایسے زمانے کی طرف واپس لے جاتی ہے جو ہم سے صرف ایک نسل قبل کا ہے لیکن وہ جرمنی کی موجودہ نسل کے لئے ایسا اجنبی ہو چکا ہے جیسے اس کو پوری صدی گذر گئی ہو۔ پھر بھی یہ زمانہ جرمنی میں ۱۸۴۸ ء کے انقلاب کی تیاری کا تھا اور اس کے بعد جو کچھ ابھی تک ہمارے ملک میں ہوا ہے وہ محض ۱۸۴۸ ء کا سلسلہ ہے، محض انقلاب کی آخری وصیت اور منشور پر عمل ہے۔

جس طرح فرانس میں اٹھارویں صدی میں ہوا تھا اسی طرح جرمنی میں انیسویں صدی میں سیاسی الٹ پلٹ سے پہلے فلسفیانہ انقلاب ہوا۔ لیکن یہ دونوں فلسفیانہ انقلاب ایک دوسرے سے کتنے مختلف تھے! فرانسیسیوں نے ساری سرکاری سائنس کے خلاف، کلیسا اور اکثر ریاست کے خلاف بھی کھلم کھلا سورچہ لیا، ان کی تحریریں سرحد پار ہالینڈ اور انگلینڈ میں چھپتی تھیں اور ان کو باستیل کے زندان‌خانے میں ڈال دئے جانے کا خطرہ ہمیشہ رہتا تھا۔ ان کے برخلاف جرمن وہ پروفیسر تھے جن کو ریاست نے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مقرر کیا تھا۔ ان کی تحریریں

---

* ک۔ اشٹارکے ”لوڈویگ فائرباخ“، اشٹوٹگارٹ، ۱۸۸۵ ء۔

منظورشدہ نصابی کتابیں تھیں اور پورے فلسفیانہ ارتقا کا مختتم نظام یعنی ہیگلیائی نظام شاہی پروشیائی ریاستی فلسفے تک بلند کر دیا گیا تھا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ ان پروفیسروں کے پیچھے، ان کے فرسودہ اور بلند بانگ فقروں، ان کے بوجھل اور اکتا دینے والے جملوں کے پیچھے کوئی انقلاب چھپا ہو؟ کیا وہی لوگ جو اس وقت انقلاب کے نمائندے سمجھے جاتے تھے یعنی اعتدال پسند لوگ دماغوں کو چکرا دینے والے اس فلسفے کے شدید مخالف نہ تھے؟ لیکن جس بات کو نہ تو حکومت اور نہ اعتدال پسند دیکھ سکے اسکو ایک شخص نے ۱۸۳۳ء میں ہی دیکھ لیا تھا۔ یہ شخص ہینرخ هائنے (۳) تھا۔

آئیے، ایک مثال لے لیں۔ کسی بھی فلسفیانہ دعوے نے تنگ نظر حکومتوں سے اتنی زیادہ شکر گذاری اور تنگ نظر اعتدال پسند لوگوں سے ناراضگی نہیں کمائی جتنی ہیگل کے اس مشہور بیان نے:

”جو کچھ حقیقی ہے وہ معقول ہے اور جو کچھ معقول ہے وہ حقیقی ہے۔“ (۴)

ظاہر ہے کہ یہ تمام موجودہ چیزوں کو بجا ٹھہراتا تھا، مطلق العنانی، پولیس کی حکومت، شاہی قانون کی کارروائی اور سنسرشپ پر فلسفیانہ رحمت نازل کرتا تھا۔ فریڈرک ولہلم سوم اور اس کی رعایا نے اسکو اسی طرح سمجھا۔ لیکن ہیگل کے خیال کے مطابق ایسا نہیں ہے کہ ہر چیز جس کا وجود ہے، وہ قطعی طور پر حقیقی بھی ہے۔ ہیگل کے خیال میں حقیقت کی مالک صرف وہ چیز ہوتی ہے جو ساتھ ساتھ ضروری بھی ہوتی ہے۔

”اپنے ارتقا کے دوران حقیقت اپنے کو ضرورت کی صورت میں بھی ثابت کرتی ہے۔“

اسی لئے کسی بھی سرکاری اقدام کو (خود ہیگل نے ایک ”خاص محصول کے قانون“ کی مثال پیش کی ہے) ہیگل قطعی طور پر حقیقی چیز نہیں مانتا ہے۔ جو کچھ ضروری ہے وہی، بہرحال آخر میں اپنے کو معقول بھی ثابت کرتی ہے۔ اور اگر ہیگلیائی دعوے کو اس زمانے

کی پروشیائی ریاست پر چسپاں کیا جائے تو اس کا مطلب صرف یہی ہوتا ہے کہ یہ ریاست اسی حد تک معقول ہے، عقل سے اسی حدتک مطابقت رکھتی ہے جتنی وہ خود ضروری ہے ۔ اور اگر یہ بہر نوع ہمیں بری معلوم ہوتی ہے ، لیکن اپنی بری نوعیت کے باوجود اس کا وجود رہتا ہے تو حکومت کی اس بری نوعیت کا جواز اس کی رعایا کے اسی سے مطابقت رکھنے والے بد کردار سے پیش کیا جاتا ہے اور اس کی وضاحت کی جاتی ہے ۔ اس زمانے کے پروشیائی لوگوں کی حکومت ویسی ہی تھی جسکے وہ مستحق تھے ۔

ہیگل کے خیال میں حقیقت بہرحال کوئی ایسی خاصیت نہیں ہے جو کسی معینہ نظام پر خواہ وہ سماجی ہو یا سیاسی ، تمام حالتوں میں اور ہر وقت محمول کی جا سکے ۔ اس کے برعکس ۔ رومن ریپلک حقیقی تھی لیکن یہی صورت رومن سلطنت کی بھی تھی جس نے ریپلک کو ہڑپ کر لیا ۔ ۱۷۸۹ ء میں فرانسیسی شاہی اتنی غیرحقیقی ہو گئی تھی ، یعنی یہ کہنا چاہئے کہ ضرورت سے اتنی عاری اور اتنی غیرمعقول ہو چکی تھی کہ اس عظیم انقلاب کے ذریعے اس کو تباہ کرنا پڑا جس کا ذکر ہیگل بڑے ولولے اور جوش کے ساتھ کرتا ہے ۔ اسی لئے ، اس معاملے میں ، شاہی غیرحقیقی اور انقلاب حقیقی تھا ۔ اس طرح وہ سب جو پہلے حقیقی ہوتا ہے ، ارتقا کے دوران غیرحقیقی بن جاتا ہے ، اس کی ضرورت ، اس کے وجود کا حق اور اس کی معقولیت ختم ہو جاتی ہے ۔ اور مرتی ہوئی حقیقت کی جگہ ایک نئی اور جیتی جاگتی حقیقت لے لیتی ہے— پرامن طور پر ، اگر پرانی حقیقت میں اتنی سمجھ ہوتی ہے کہ وہ اپنی موت کو جدوجہد کے بغیر مان لے اور تشدد کے ساتھ اگر وہ اس ضرورت کی مزاحمت کرے ۔ اس طرح یہ ہیگلیائی دعوی خود ہیگلیائی جدلیات کے ذریعے ہی اپنا مخالف بن جاتا ہے یعنی انسانی تاریخ کے شعبے میں جو کچھ حقیقی ہے وقت کے ساتھ غیرمعقول ہو جاتاہے اور اسی لئے وہ اپنی فطرت کے لحاظ سے ہی غیرمعقول ہے اور پہلے ہی سے غیرمعقولیت سے داغدار ہے ۔ اور ہر چیز جو لوگوں کے دماغوں میں معقول ہے ضرور حقیقی ہو جاتی ہے ، چاہے وہ موجود اور ظاہری حقیقت کی ضد ہی کیوں نہ ہو ۔ ہیگلیائی طریقۂ خیال کے تمام قواعد کے مطابق ہر حقیقی

چیز کی معقولیت کا دعوی ایک اور دعوے میں بدل جاتا ہے یعنی ہر چیز جس کا وجود ہے وہ فانی ہے۔

لیکن ٹھیک یہی ہیگلیائی فلسفے (یہاں ہم اس‌فلسفے تک اپنے کو محدود رکھیں‌گے جو کانٹ کے زمانے سے لیکر ساری فلسفیانہ تحریک کے حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے) کی سچی اہمیت اور انقلابی کردار ہے کہ اس نے انسانی فکر اور عمل کی پیدا کی ہوئی ساری چیزوں کے قطعی ہونے کے تصور کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سچائی، جس کا ادراک ہی فلسفہ کا کام ہے، ہیگل کے ہاتھوں میں ایسے مرتب‌شدہ اذعانی بیانات کا مجموعہ نہیں رہی جسے ایک بار دریافت ہونے کے بعد صرف حفظ کر لینا ہی رہ جاتا ہے۔ اب سچائی خود ادراک کے عمل میں، سائنس کے طویل تاریخی ارتقا میں موجود تھی جو علم کی نچلی سطحوں سے برابر اونچی سطحوں تک پہنچتی رہتی ہے لیکن ایسے نقطے تک کبھی نہیں پہنچتی جہاں سے وہ کسی نام نہاد مطلق سچائی کو دریافت کرکے آگے نہ جا سکتی ہو اور محض ہاتھ باندھ کر اس مطلق سچائی کو حیرت سے تک سکتی ہو جو اس نے حاصل کرلی ہے۔ اور جو کچھ فلسفیانہ علم کے شعبے میں ٹھیک ہے وہ دوسرے قسم کے علم کے لئے اور عملی عمل کے لئے بھی ٹھیک ہے۔ جس طرح علم انسانیت کی کسی کامل معیاری حالت میں مکمل نتیجے تک نہیں پہنچ سکتا اسی طرح تاریخ بھی نہیں کر سکتی۔ کامل سوسائٹی، کامل ” ریاست “، ایسی چیزیں ہیں جنکا وجود محض خیالی ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس تاریخی لحاظ سے یکے بعد دیگرے آنےوالے سارے سماجی نظام انسانی سماج کے ارتقا کے لامحدود دھارے میں، نیچے سے لیکر اوپر تک محض عبوری منزلیں ہوتے ہیں۔ ہر منزل ضروری ہے اور اسی‌لئے اس وقت اور حالات کے لئے مناسب ہوتی ہے جنکی وہ پیداوار ہوتی ہے۔ لیکن نئے اور زیادہ بلند حالات کے سامنے جو خود اس کے بطن میں پرورش پاتے ہیں یہ منزل اپنا جواز اور معقولیت کھو بیٹھتی ہے۔ اس کو زیادہ بلند منزل کے لئے اپنی جگہ چھوڑنی پڑتی ہے اور یہ بھی اپنی باری آنے پر فرسودہ ہو کر فنا ہو جاتی‌ہے۔ جس طرح بورژوازی بڑے پیمانے کی صنعت، مقابلے اور عالمی منڈی کے ذریعے تمام قائم اور صدیوں سے رائج اداروں کو عملاً ختم کر دیتی ہے اسی طرح جدلیاتی فلسفہ مختتم

اور سطلق سچائی کے تمام نظریات اور اس سے مطابقت رکھنے والی انسانیت کی ساری سطلق حالتوں کے تصورات کو ختم کر دیتا ہے۔ جدلیاتی فلسفے کے لئے کچھ بھی سختتم ، قطعی اور مقدس نہیں ہے۔ وہ ہر چیز میں اور ہر چیز پر لازمی زوال کی چھاپ دیکھتا ہے۔ ہستی اور نیستی کے متواتر عمل ، نیچے سے اوپر کی طرف بلند ہونے کے لامحدود عمل کے سوا اور کوئی چیز اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ اور خود جدلیاتی فلسفہ سوچنے والے دماغ میں اس عمل کے عکس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ بہرحال اس کا ایک قداست پسند پہلو بھی ہے۔ یہ تسلیم کرتا ہے کہ ادراک اور سماجی تعلقات کی ہر معینہ منزل اپنے وقت اور اپنے حالات میں مناسب ہوتی ہے، اور صرف اسی حد تک۔ اس تصور کی قداست پسندی نسبتی ہے ، اس کی انقلابی نوعیت مطلق ہے — یہ ہے وہ واحد مطلق نوعیت جس کو جدلیاتی فلسفہ تسلیم کرتا ہے۔

یہاں اس سوال سے بحث کرنا ضروری نہیں ہے کہ آیا یہ تصور طبیعی سائنس کی موجودہ حالت کے مطابق ہے جو کرۂارض کے امکانی خاتمے تک کی اور اس کی آبادی کے لئے تو کافی یقین کے ساتھ خاتمے کی پیش گوئی کرتی ہے اور اس طرح یہ تسلیم کر لیتی ہے کہ انسانیت کی تاریخ کے لئے بھی صرف اوپر جانے والی شاخ ھی نہیں بلکہ نیچے جانے والی شاخ بھی ہوگی۔ بہرحال ہم ابھی ایسے موڑ سے کافی دور ہیں جس پر سماج اتار کا راستہ اختیار کرے گا اور ہم ہیگلیائی فلسفے سے اس کی توقع نہیں کرتے کہ وہ ایسے موضوع سے نبٹے گا جو اس زمانے کی طبیعی سائنس نے ابھی اپنے ایجنڈے پر نہیں رکھا تھا۔

لیکن یہاں یہ ضرور کہہ دینا چاہئے کہ جن خیالات کا اوپر اظہار کیا گیا ہے ان کو ہیگل نے ایسی واضح شکل میں نہیں پیش کیا ہے۔ یہ ایسا نتیجہ ہے جس کی طرف اس کا طریقہ لازمی طور پر لے جاتا ہے لیکن اس کو ہیگل نے خود ایسی وضاحت کے ساتھ کبھی نہیں اخذ کیا۔ اور اس کی سیدھی سادی وجہ یہ تھی کہ وہ کوئی نہ کوئی نظام بنانے پر مجبور تھا اور روایتی تقاضوں کے مطابق فلسفے کے ہر نظام کو کسی نہ کسی قسم کی سطلق سچائی پر ھی ختم ہونا چاہئے۔ اسی لئے ہیگل نے چاہے جتنا اس بات پر زور کیوں نہ دیا ہو ، خصوصاً اپنی ''منطق،،

میں ، کہ یہ ابدی سچائی منطقی یا تاریخی عمل کے سوا اور کچھ نہیں ھے ، پھر بھی وہ اس عمل کو کوئی انجام سہیا کرنے پر مجبور تھا کیونکہ اسے اپنے نظام کو کسی نہ کسی نقطے پر تو ختم کرنا ھی تھا ۔ اپنی '' منطق ،، میں وہ اس انجام کو پھر ابتدا بنا سکتا ھے کیونکہ یہاں انجام کا نقطہ ، مطلق خیال (جو محض اس لئے مطلق ھے کہ ھیگل کو اس کے بارے میں مطلقاً کچھ کہنا نہیں ھے) اپنے کو '' جدا کر لیتا ،، ھے یعنی اپنے کو فطرت میں بدل لیتا ھے اور بعد کو ذھن میں یعنی فکر اور تاریخ میں پھر اپنی صورت میں نمودار ھوتا ھے ۔ لیکن پورے فلسفے کے آخر میں ابتدا کی طرف اسی‌طرح کی واپسی صرف ایک ھی طریقے سے ممکن ھے یعنی تاریخ کے انجام کو اس طرح تصور کرنے سے کہ انسانیت ٹھیک اس مطلق خیال کے ادراک تک پہنچتی ھے اور یہ اعلان کرتی ھے کہ مطلق‌خیال کے اس ادراک کی حد ھیگل کا فلسفہ ھے ۔ لیکن اس کا مطلب ھیگلیائی نظام کے سارے اذعانی مافیہ کو مطلق سچائی مان لینا اور اس کے جدلیاتی طریقے کے متضاد ھونا تھا جو تمام اذعانیت کو مسترد کرتا ھے ۔ اس طرح قدامت‌پرست پہلو کے جھاڑ جھنکاڑ میں انقلابی پہلو ڈھک جاتا ھے اور نہ صرف فلسفیانہ ادراک کے شعبے میں بلکہ تاریخی عمل میں بھی ۔ انسانیت ، جو ھیگل کے ذریعہ مطلق خیال کو مرتب کرنے کے نقطے تک پہنچی ھے ، عمل میں بھی ضرور اس حد تک پہنچی ھوگی کہ وہ اس مطلق خیال کو حقیقت کا جامہ پہنا سکے ۔ اس‌لئے مطلق خیال کو اپنے ھم‌عصروں سے بہت زیادہ عملی سیاسی تقاضے نہیں کرنا چاھئے تھا ۔ چنانچہ ھم '' فلسفۂ حقوق ،، نامی کتاب کے آخر میں یہ دیکھتے ھیں کہ مطلق خیال کو حکمراں پرتوں پر مبنی ایسی شاھی میں بروئےکار لانا ھے جس کے بیکار وعدے فریڈرک ولہلم‌سوم نے اپنی رعایا سے بار بار کئے یعنی مالک طبقات کی محدود ، معتدل اور بالواسطہ حکومت میں جو اس زمانے کے پیٹی‌بورژوا جرمن حالات کے لئے مناسب تھی ۔ مزیدبرآں اشرافیہ کی ضرورت کا ثبوت خیالی انداز میں پیش کیا گیا ھے ۔

اسی لئے اس نظام کی اندرونی ضروریات اس بات کی وضاحت کےلئے کافی ھیں کہ ایک بھر پور انقلابی طریقۂ فکر سے کس‌طرح انتہائی

بےجان سیاسی نتیجه برآمد هوا۔ درحقیقت اس نتیجے کی یه مخصوص شکل اس سے پیدا هوتی هے که هیگل جرمن تها اور اپنے همعصر گوئیٹے کی طرح اس کے پیچھے بهی تنگ‌نظری کی چھوٹی سی دم لٹک رهی تهی۔ ان میں سے هر ایک اپنے شعبے میں زبردست عالم تها، پهر بهی ان میں سے کوئی بهی جرمن تنگ‌نظری سے اپنا پیچها نهیں چھڑا سکا تها۔

بهرحال ان سب باتوں نے اسمیں رکاوٹ نهیں ڈالی که هیگلیائی نظام ایسے وسیع حلقے پر پهیل جائے جو اس سے پهلے کوئی نظام نهیں کرسکا تها اور اس حلقے میں هیگل کے نظام نے فکر کی دولت کو جتنا فروغ دیا وه آج تک حیرت‌انگیز هے۔ ذهن کی مظهریات (جس کو ذهن کی جنینیات اور معدومیات کے متوازی کہا جاسکتا هے، یا اس انفرادی شعور کی عکاسی کہا جاسکتا هے جو اپنے ارتقا کے دوران مختلف منزلوں سے گذرچکا هے اور جن کو ان منزلوں کے مختصر نمونوں کی حیثیت دی جاتی هے جن سے انسان کا شعور تاریخ کے دوران گذرا هے)، منطق، فلسفۂ فطرت، ذهن کا فلسفه (موخرالذکر کی توضیح اسکے علحده تاریخی تحتی شعبوں میں یعنی تاریخ، حقوق اور مذهب کے فلسفے، فلسفے کی تاریخ اور جمالیات وغیره میں کی گئی هے) — ان سب مختلف تاریخی شعبوں میں سے هیگل نے هر ایک کے اندر ارتقا کے رائج رشتے کو دریافت کرنے اور دکھانے کی کوشش کی۔ اور چونکه وه نه صرف تخلیقی جوهروں کا مالک تها بلکه زبردست انسائیکلوپیڈیائی معلومات رکھنےوالا بهی اس لئے اس نے هر میدان میں عصرساز رول ادا کیا۔ یه بات بجائے خود ظاهر هے که "نظام" کی ضروریات کی بنا پر اس کو اکثر زبردستی ایسی توجیهیں کرنی پڑیں جن کے بارے میں اس کے بالشتئے مخالف آجتک چاؤں چاؤں کرتے هیں۔ لیکن یه توجیهیں تو اسکے کام کے ڈھانچے اور پاڑ هیں۔ اگر کوئی یهاں ناحق وقت نه ضایع کرکے عالیشان عمارت کے اندر چلا جائے تو اس کو ایسے بےشمار خزانے ملیں‌گے جنکی قدر و قیمت آج بهی کم نهیں هوئی هے۔ تمام فلسفیوں کے لئے "نظام" هی فانی چیز هے اور محض اس لئے که وه ذهن انسانی کی لافانی خواهش سے پیدا هوتا هے یعنی تمام تضادات پر قابو پانے کی خواهش سے۔ لیکن اگر تمام تضادات سے همیشه کےلئے نبٹ لیا جائے تو هم نام‌نهاد مطلق سچائی

تک پہنچ جائیں گے یعنی دنیا کی تاریخ اپنی آخری حد تک پہنچ جائے گی لیکن اس کو جاری رہنا ہے اگرچہ اسکےلئے کرنے کو کچھ نہیں رہ جاتا ہے۔ اس طرح ایک نیا اور ناقابل حل تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم یہ سمجھ لیتے ہیں (اور اس کو سمجھنے میں خود ہیگل سے زیادہ کسی اور نے نہیں مدد دی ہے) کہ اس طرح بیان کئے ہوئے فلسفے کے فریضے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ واحد فلسفی وہ کارنامہ کرے جو پوری نسل انسانی اپنے ترقی یافتہ ارتقا کے دوران کر سکتی ہے — اگر ہم یہ سمجھ لیتے ہیں تو پھر لفظ کے پرانے معانی میں سارے ' فلسفے ، کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اب آدمی " مطلق سچائی ،، کا پیچھا چھوڑ دیتا ہے جو اس راستے سے یا کسی واحد شخص کے ذریعے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس کے بجائے وہ اثباتی سائنسوں کے راستے پر چل کر اور ان سائنسوں کے نتائج کی جدلیاتی فکر کی مدد سے تعمیم کرکے قابل حصول نسبتی سچائی کی تلاش کرتا ہے۔ بہرنوع ، ہیگل کے ساتھ فلسفے کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایک طرف تو اس وجہ سے کہ اس کا نظام فلسفے کے پورے ارتقا کا شاندار نچوڑ ہے اور دوسری طرف اس وجہ سے کہ اس نے اگرچہ غیرشعوری طور پر مگر پھر بھی ہمیں نظاموں کی بھول بھلیوں سے نکالکر دنیا کے حقیقی اور اثباتی ادراک کا راستہ دکھایا۔

یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ جرمنی کی فضا پر جہاں پہلے ہی فلسفے کا ھلکا سا رنگ تھا ہیگلیائی نظام نے کتنا زبردست اثر ڈالا ہوگا۔ یہ ایک فاتحانہ جلوس تھا جو دسیوں سال تک متواتر جاری رہا اور جو ہیگل کی موت (۱۸۳۱ ء) کے بعد بھی نہیں رکا۔ اس کے برعکس ٹھیک ۱۸۳۰ ء سے ۱۸۴۰ ء تک ہیگل ازم کا قطعی راج رہا اور وہ کم و بیش مخالفین تک سب بھی پھیل گیا۔ ٹھیک اسی زمانے میں ہیگلیائی خیالات، شعوری یا غیر شعوری طور پر ، انتہائی نوع بنوع سائنسوں میں در آئے حتی کہ مقبول عام ادب اور روزانہ اخبار بھی متاثر ہوئے جن سے اوسط درجے کے " علمی شعور ،، والے اپنی ذہنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ لیکن سارے محاذ پر یہ فتح محض اندرونی جدوجہد کا پیش خیمہ تھی۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ہیگل کی تعلیم نے ، مجموعی طور پر ،

اپنے اندر انتہائی مختلف نوعیت کی پارٹیوں کے عملی نظریات کو پناہ دینے کے لئے کافی گنجائش چھوڑی۔ اس زمانے کے نظریاتی جرمنی کی دو چیزیں سب سے زیادہ عملی اہمیت رکھتی تھیں — مذہب اور سیاست۔ جو بھی ہیگلیائی نظام پر خاص زور دیتا تھا وہ ان دونوں شعبوں میں کافی قدامت‌پرست ہوتا تھا اور جو بھی جدلیاتی طریقے کو بنیادی چیز سمجھتا تھا وہ سیاست اور مذہب دونوں میں انتہائی حزب‌مخالف کا آدمی ہو سکتا تھا۔ خود ہیگل بھی، اپنی تصانیف میں اکثر انقلابی غصے سے پھوٹ پڑنے کے باوجود مجموعی طور سے قدامت‌پرستی کی طرف زیادہ جھکا ہوا تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ اس کو اپنے طریقے کے مقابلے میں اپنے نظام کے لئے کہیں ”زیادہ سر مغزنی،، کرنی پڑی تھی۔ چوتھی دھائی کا خاتمہ ہونے تک اس کے مکتب خیال میں پھوٹ زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوتی گئی۔ بائیں بازو کے نام نہاد نوجوان ہیگلیائی پیٹثازم کے حامیوں (٥) اور جاگیردار رجعت‌پرستوں کے خلاف اپنی جدوجہد کے دوران رفتہ رفتہ اس زمانے کے فوری مسائل کے بارے میں اپنی فلسفیانہ بےاعتنائی کا رویہ ترک کرتے گئے جس کی بدولت ان کی تعلیم ابھی تک ریاست کےلئے قابل برداشت تھی، حتی کہ حکومت کی طرف سے تحفظ بھی تھا۔ اور جب ۱۸۴۰ ء میں فریڈرک ولہلم چہارم کے ساتھ کٹر مذہب‌پرستی اور مطلق جاگیردارانہ رجعت‌پرستی بھی تخت‌نشین ہوئیں تو کھلی طرف‌داری ناگزیر ہو گئی۔ لڑائی اب بھی فلسفیانہ اسلحہ سے ہی لڑی جا رہی تھی لیکن مجرد فلسفیانہ مقاصد کے لئے نہیں۔ وہ براہ‌راست روایتی مذہب اور موجودہ ریاست کی تباھی کے لئے تھی۔ اور جبکہ (٦) «Deutsche Jahrbücher» میں فلسفے کے بھیس میں عملی مقاصد زیادہ نمایاں طور پر پیش کئے جا رہے تھے تو ۱۸۴۲ ء میں (٧) «Rheinische Zeitung» میں نوجوان ہیگلیائیوں کے اسکول نے براہ‌راست اس کا اظہار کیا کہ وہ ابھرتی ہوئی ترقی‌پسند بورژوازی کے فلسفے کا حامل ہے اور فلسفے کی ھلکی نقاب صرف سنسرشپ کو دھوکا دینے کے لئے استعمال کر رہا ہے۔

بہرحال، اس زمانے میں سیاست کا میدان بہت پرخار تھا اور اس لئے خاص لڑائی کا رخ مذہب کے خلاف تھا۔ یہ لڑائی، خصوصاً ۱۸۴۰ ء سے، بالواسطہ سیاسی بھی تھی۔ اشٹراؤس کی کتاب ”مسیح کی زندگی،،

نے جو ۱۸۳۵ء میں شایع هوئی ، اس کے لئے پہلی ترغیب فراهم کی۔ اسمیں انجیلی اساطیر کی تشکیل کا جو نظریه مرتب لیا گیا تھا بعد کو اس کی مخالفت برونو باؤیر نے کی اور اسکا ثبوت دیا که انجیلی قصوں کا پورا سلسله خود ان کے مصنفوں نے گڑھا ھے۔ اشٹراؤس اور باؤیر کے درمیان یه بحث فلسفے کے بھیس میں '' خود آگاھی ،، اور '' ماده ،، کے درمیان لڑائی کی حیثیت سے چلتی رھی۔ اس سوال کو که آیا انجیل میں معجزوں کی کہانیاں برادری کے سینے کے اندر غیرشعوری روایتی اساطیری تخلیق کے ذریعه پیدا هوئیں یا ان کو خود اهل‌انجیل نے گڑھ لیا تھا ، بڑھا کر یه سوال بنا لیا گیا که آیا دنیا کی تاریخ میں فیصله کن کارگر طاقت '' ماده ،، ھے یا '' خود آگاھی ،،۔ آخر میں اس زمانے کے نراج کا پیغمبر اشٹرنر میدان میں آیا (باکونین نے اس سے بہت کچھ لیا ھے) اور اعلی '' خود آگاھی ،، پر اپنی اعلی '' انا ،، کو فوقیت دی (۸)۔

هیگلیائی اسکول کے ٹوٹنےوالے عمل کے اس پہلو پر هم اور غور نہیں کریں‌گے۔ همارے لئے یه بات زیاده اهم ھے که سب سے زیاده باعزم نوجوان هیگلیائیوں کا بڑا حصه ، اثباتی مذهب کے خلاف اپنی لڑائی کی عملی ضروریات کی وجه سے، اینگلوفرانسیسی مادیت کی طرف واپس جانے پر مجبور هوا۔ یہاں انکا ٹکراؤ اپنے اسکول کے نظام سے هو گیا۔ مادیت فطرت کو واحد حقیقت گردانتی ھے جبکه هیگلیائی نظام میں فطرت محض مطلق خیال کی '' علحدگی ،، کی نمائندگی کرتی ھے یعنی یه کہنا چاهئے خیال کی گراوٹ کی۔ بہر نوع ، غور و فکر اور اس کا پھل یعنی خیال یہاں اولیں حیثیت رکھتا ھے اور فطرت ماخوذ ھے جس کا وجود محض خیال کی کرم فرمائی کیوجه سے ھے۔ اور اس تضاد کے بھنور میں پھنس کر نوجوان هیگلیائی ڈوبتے اور ابھرتے رھے۔

پھر فائرباخ کی کتاب '' مسیحیت کی اصلیت ،، شایع هوئی۔ ایک کاری ضرب کے ساتھ اس نے تضاد کی جان نکال دی اور چنیں چناں کے بغیر پھر مادیت کو تخت‌نشین کردیا۔ فطرت کا وجود هر فلسفے سے آزاد ھے۔ یه وہ بنیاد ھے جس پر هم ، سارے انسان جو خود فطرت کی پیداوار هیں پلے بڑھے هیں۔ فطرت اور انسان کے باهر کسی چیز کا وجود نہیں ھے اور همارے مذهبی توهمات نے جو اعلی هستیاں تخلیق کی هیں وہ صرف

ہمارے اپنے جوہر کا خیالی عکس ہیں ۔ جادو توڑ دیا گیا ۔ ”نظام“ کا بھانڈا پھوڑ کر اسکو الگ پھینک دیا گیا اور یہ دکھا کر کہ تضاد کا وجود صرف ہمارے تصور میں ہے اسکو ختم کر دیا گیا ۔ اس کتاب کا کیسا نجات دلانےوالا اثر ہوا اسکو وہی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے ، جو خود اس تجربے سے گذر چکا ہو ۔ ایک عام جوش و ولولہ پھیل گیا اور ہم سب یکدم فائرباخ کے چیلے بن گئے ۔ کس جوش کے ساتھ مارکس نے نئے نظرئے کا خیر مقدم کیا اور (تمام تنقیدی تحفظات کے باوجود) وہ اس سے کتنے متاثر ہوئے اس کو ”مقدس خاندان“ پڑھکر جانا جاسکتا ہے ۔

فائرباخ کی کتاب کی خامیوں تک نے اس کے فوری تاثر میں اضافہ کیا ۔ اس کے ادبی اور کبھی کبھی بلندبانگ اسلوب نے اس کو پبلک میں بڑے پیمانے پر مقبول بنایا اور بہرحال یہ کتاب سالہا سال کے مجرد اور دقیق ہیگلیائی انداز کے بعد خوشکن تھی ۔ یہی اس کتاب میں محبت کی مبالغہآمیز پرستش کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے جس کو ”خالص فکر“ کی ناقابلبرداشت فرماںروائی کے بعد معاف تو کیا جا سکتا ہے لیکنجائز نہیں قرار دیاجا سکتا ۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ فائرباخ کی ٹھیک ان ہی دو کمزوریوں کو اپنے نقطۂآغاز کی حیثیت سے ”سچے سوشلزم“ (۹) نے لے لیا تھا جو ۱۸۴۴ ء سے ”تعلیمیافتہ“ جرمنی میں وبا کی طرح پھیل رہا تھا ، اور جس نے سائنسی معلومات کے بجائے ادبیجملے ، پیداوار کی معاشی تبدیلی کے ذریعہ پرولتاریہ کی نجات کے بجائے ”محبت“ کے ذریعہ انسانیت کی آزادی پیش کی ۔ مختصر یہ کہ اس نے اپنے کو ان سر چکرا دینےوالی حسین تحریروں اور محبت کے سیلاب میں ڈبو دیا جنکی ٹھیٹھ مثال ہیر کارل گرون کی تحریروں سے ملتی ہے ۔

ایک اور بات جو ہمیں نہ بھولنا چاہئے یہ ہے کہ ہیگلیائی اسکول تو منتشر ہو گیا لیکن ہیگلیائی فلسفہ تنقید سے زیر نہیں کیا جاسکا ۔ اشٹراؤس اور باؤیر دونوں نے اس کا ایک ایک سرا تھام کر ان کو ایک دوسرے کے خلاف بطور مناظرہ رکھا ۔ فائرباخ نے نظام کو توڑ کر اسے مسترد کر دیا ۔ لیکن کسی فلسفے کو محض یہ کہہ کر نہیں ختم کیا جا سکتا کہ وہ غلط ہے ۔ ہیگلیائی فلسفہ جیسی زبردست

تخلیق ، جس نے قوم کی ذہنی ترقی پر اتنا زبردست اثر ڈالا تھا ، محض نظرانداز کر کے ختم نہیں کی جاسکتی تھی - اسے تو اسی کے مخصوص معنی میں '' نیچے اتار دینا ،، تھا یعنی اس کی ھئیت کو تنقید کے ذریعے نکال پھینکنا اور اس نے جو نیا مواد حاصل کیا تھا اس کو محفوظ رکھنا - یہ کیسے کیا گیا ھم ذیل میں دیکھیں گے -

لیکن اس دوران میں ۱۸۴۸ ء کے انقلاب نے سارے فلسفے کو اسی درشتی سے پرے دھکیل دیا جس طرح فائرباخ نے ھیگل کو دھکیلا تھا اور اس عمل میں خود فائرباخ بھی پس منظر میں دھکیل دیا گیا -

۲

تمام فلسفے کا ، خصوصاً زیادہ حالیہ فلسفے کا عظیم اور بنیادی سوال فکر اور وجود کے تعلق کا ھے - بہت ابتدائی زمانے سے جب لوگ ، اپنی جسمانی ساخت سے قطعی نابلد تھے ، خواب میں شبیہوں * کو دیکھ کر یہ یقین کرنے لگے کہ ان کے خیالات اور احساسات ان کے جسموں کی نہیں بلکہ ایک خاص روح کی سرگرمیاں ھیں جو جسم کے اندر رھتی ھے اور موت ھونے پر اس کو چھوڑ دیتی ھے - اسی وقت سے لوگ روح اور خارجی دنیا کے درمیان تعلق کے بارے میں سوچنے پر مجبور ھوئے - اگر موت ھونے پر روح جسم کو چھوڑکر زندہ رھتی ھے تو پھر اس کے لئے ایک اور خاص موت ایجاد کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی - اس طرح روح کے لافانی ھونے کا خیال پیدا ھوا جو ارتقا کی اس منزل پر کوئی

---

* وحشیوں اور نیم‌وحشیوں میں یہ خیال ابھی تک عام ھے کہ جو انسانی شبیہیں خواب میں دکھائی دیتی ھیں وہ ایسی روحیں ھیں جنھوں نے عارضی طور پر اپنے جسموں کو چھوڑ دیا ھے - اور وہ آدمی جو خواب دیکھتا ھے خواب میں آنےوالی شبیہوں کے اقدامات کا ذمہ‌دار ھے - مثلاً ایم تھرن نے یہ عقیدہ ۱۸۸۴ ء میں گوی‌آنا کے انڈین لوگوں میں رائج پایا - (اینگلس کا نوٹ)

تسکین بخش بات نہیں خیال کی جاتی تھی بلکہ ایسی تقدیر جس کے خلاف لڑنا بےسود تھا ، اور اکثر ، جیسا کہ یونانیوں میں رائج تھا ، وہ اس کو ایک قطعی بدقسمتی خیال کرتے تھے ۔ تسیکن حاصل کرنے کی مذہبی خواهش وه سبب نہیں تھی جس کی وجہ سے شخصی لافانیت کا اکتا دینےوالا تصور پیدا ہوا بلکہ اس کا سبب یہ سادہ سی حقیقت تھی کہ عام طور پر روح کی موجودگی تسلیم کرکے لوگ اپنی عام اور ہمہ گیر جہالت کی وجہ سے اس بات کا حل نہیں کر سکتے تھے کہ جسم کی موت کے بعد روح کا کیا ہوگا ۔ ٹھیک اسی طرح قدرتی طاقتوں کو انسانی جامہ پہنا کر پہلے دیوتا ظہور میں لائے گئے ۔ اور مذاہب کے مزید ارتقا میں یہ دیوتا زیادہ سے زیادہ ماورائےدنیاوی شکل اختیار کرتے گئے یہاں تک کہ آخرکار ایک تجریدی (میں اس کو تقریباً تقطیر کہہ سکتا ہوں) عمل کے ذریعہ جو قدرتی طور پر انسان کے ذہنی ارتقا کے دوران ہوا بہت سے کم‌وبیش محدود دیوتاؤں اور مساوی طور پر ایک دوسرے کو محدود کرنےوالے دیوتاؤں کے درمیان سے لوگوں کے ذہنوں میں وحدانی مذاہب کے واحد اور غیرمعمولی خدا کا خیال ابھرا ۔

اس طرح فکر سے وجود کے تعلق کا اور روح کے فطرت سے تعلق کے سوال (جو پورے فلسفے کا اہم‌ترین سوال ہے) کی جڑیں مذہب کے مقابلے میں وحشیانہ تنگ‌نظری اور جہالت کے تصورات میں زیادہ گہری ہیں ۔ لیکن اس سوال کو پہلی بار انتہائی شدت کے ساتھ صرف اس وقت پیش کیا جاسکا اور وہ اپنی پوری اہمیت حاصل کر سکا جب یورپ کی آبادی مسیحی قرون وسطی کے طویل خواب گراں سے بیدار ہوئی ۔ وجود کے تعلق سے فکر کی حالت کا سوال — جس نے برسبیل تذکرہ قرون‌وسطی کے علم الٰہیات (۱۰) (scholasticism) میں بڑا اہم رول ادا کیا — اس سوال نے کہ کون چیز اولین ہے روح یا فطرت ، کلیسا کے برخلاف زیادہ تیز صورت اختیار کر لی کہ آیا خدا نے دنیا کی تخلیق کی یا وہ ابد سے ہی موجود تھی ؟

فلسفہ‌دانوں نے اس سوال کے جو جواب دئے ان کی وجہ سے وہ دو بڑے گروہوں میں تقسیم ہو گئے ۔ وہ فلسفی جو روح کو فطرت کے مقابلے میں اولیں سمجھتے تھے اور اس طرح آخرکار دنیا کی تخلیق کو کسی نہ

کسی صورت میں مانتے تھے عینیت (idealism *) کے گروہ میں تھے اور ان کی تحریروں میں ، مثلاً هیگل کے یہاں ، یہ تخلیق اکثر عیسائیت سے بھی زیادہ پیچیدہ اور لغو بن گئی ۔ دوسرے فلسفی جو فطرت کو اولین سمجھتے تھے مادیت (materialism) کے مختلف مکاتیب سے تعلق رکھنےوالے تھے ۔

عینیت اور مادیت کے یہ دو لفظ دراصل اس کے سوا اور کچھ نہیں ظاهر کرتے اور یہاں بھی یہ کسی دوسرے مفہوم میں نہیں استعمال کئے گئے هیں ۔ ان کو کوئی دوسرے معنی دینے سے کیا گڑبڑ هوتی هے یہ هم ذیل میں دیکھیں گے۔

لیکن فکر اور وجود کے تعلق کے سوال کا ایک اور پہلو بھی هے ۔ جو دنیا همارے چاروں طرف هے اس سے همارے خیالات کا کیا تعلق هے ؟ کیا هماری فکر حقیقی دنیا کے ادراک کی صلاحیت رکھتی هے ؟ کیا هم حقیقی دنیا کے متعلق اپنے خیالات اور تصورات میں حقیقت کی صحیح عکاسی کرنے کی صلاحیت رکھتے هیں ؟ فلسفیانہ زبان میں اس سوال کو فکر اور وجود کی مماثلت کا سوال کہتے هیں اور فلسفیوں کی غالب اکثریت اس سوال کا جواب اثبات میں دیتی هے ۔ مثلاً هیگل کے یہاں اس کی تصدیق بجائے خود صاف هے ، کیونکہ بقول هیگل هم حقیقی دنیا میں جس چیز کا ادراک کرتے هیں وہ اس کا فکری مواد هی هے ، جس کی بدولت دنیا بتدریج مطلق خیال کی حقیقی شکل اختیار کرتی هے ۔ اس مطلق خیال کا وجود کہیں ابد سے ، دنیا سے آزاد اور دنیا سے پہلے تھا ۔ یہ بات کسی مزید ثبوت کے بغیر ظاهر هے کہ فکر ایسے مواد کا ادراک کر سکتی هے جو ابتدا سے هی فکری مواد هو ۔ یہ بھی ظاهر هے کہ یہاں جو کچھ ثابت کرنا هے وہ پہلے هی سے خاموشی کے ساتھ مقدموں کے اندر پنہاں هے ۔ لیکن اس بات نے هیگل کو فکر اور وجود کی مماثلت کے بارے میں ثبوت کے ذریعہ یہ مزید نتیجہ اخذ کرنے سے نہیں روکا کہ اس کا فلسفہ ، چونکہ وہ اس کے خیال میں صحیح هے ، اس لئے صرف وهی صحیح هے اور فکر اور وجود کی مماثلت کو اپنے جواز کا

* یہ اصطلاح لفظ idea سے بنی هوئی هے ۔ (ایڈیٹر)

ثبوت اس طرح دینا چاہئے کہ انسانیت اس کے فلسفے کو فوراً نظرئے سے عمل میں تبدیل کر دے اور ساری دنیا کو ہیگلیائی اصولوں کی بنا پر بدل دیا جائے ۔ یہ ایک ایسا واہمہ ہے جسمیں ہیگل کے ساتھ تقریباً سبھی فلسفی مبتلا ہیں ۔

ان کے علاوہ فلسفیوں کا ایک اور گروہ بھی ہے جو دنیا کے کسی ادراک یا کم‌ازکم جامع ادراک کے امکان پر شک کرتے ہیں ۔ ان جدید فلسفیوں میں سے ہیوم اور کانٹ ہیں جنھوں نے فلسفیانہ ارتقا میں اہم‌رول ادا کیا ہے ۔ جہاں تک عینی (idealist) نقطۂ نظر سے ممکن تھا اس خیال کی تردید میں اہم‌ترین بات ہیگل کہہ چکا ہے ۔ اسمیں فائرباخ نے جو مادی اضافے کئے ہیں ان میں گہرائی کم اور اپج زیادہ ہے ۔ اس کی اور تمام دوسرے فلسفیانہ خبطوں کی انتہائی مؤثر تردید عمل سے یعنی تجربے اور صنعت سے ہوتی ہے ۔ اگر ہم قدرتی عمل کے بارے میں اپنی سوجھبوجھ کی صحت کو اسے خود کرکے ثابت کرسکیں ، اس کو اپنے حالات سے علحدہ کرکے اور پھر اس کو اپنے مقاصد کےلئے استعمال کر سکیں تو اس سے کانٹ کی ناقابل گرفت ” شے بالذات “ ختم ہو جاتی ہے ۔ پودوں اور جانوروں کے اجسام میں پیدا ہونےوالے کیمیائی مادے اس وقت تک ” اشیائے بالذات “ رہے جب تک نامیاتی کیمیا نے ان کو یکے بعد دیگرے بنانا شروع نہیں کیا جس کے بعد ” شے بالذات “ ہمارے لئے شے بن گئی ۔ مثلاً مجیٹھ کا رنگنےوالا مادہ آلیزارین جو اب ہم کھیتوں میں مجیٹھ اگا کر اس کی جڑوں سے نہیں حاصل کرتے بلکہ اس کو زیادہ سستا اور آسانی سے کوئلے سے بنا لیتے ہیں ۔ تین صدیوں تک کوپرنیکس کا نظام‌شمسی ایک مفروضہ رہا اگرچہ وہ یقین کی اونچی منزل میں تھا لیکن تھا مفروضہ ہی ۔ جب لےورئے نے اس نظام کی مہیا کی ہوئی معلومات کے ذریعے نہ صرف ایک انجانے سیارے کی موجودگی کا نتیجہ اخذ کیا بلکہ اس جگہ کا بھی حساب لگا لیا جو اس سیارے کی لازمی طور سے آسمان پر ہونی چاہئے اور گالے نے جب واقعی اس سیارے (۱۱) کو پالیا تو کوپرنیکس کا نظام پایۂثبوت کو پہنچ گیا ۔ پھر بھی اگر کانٹ کے جدید پیرو جرمنی میں کانٹ کے نظرئے کو اور لاادریت کے پیرو (۱۲) (agnostics) انگلستان میں ہیوم کے نظرئے کو (جو وہاں دراصل کبھی

ختم نہیں ہوا تھا) دو بارہ زندہ کرنے کے لئے اس کے باوجود کوشاں ھیں کہ ان دونوں کی نظریاتی اور عملی تردید مدتوں ہوئے کی جا چکی ھے تو یہ سائنسی لحاظ سے رجعت اور عملی لحاظ سے دنیا کے سامنے مادیت سے منکر رہ کر لیکن اس کو شرماحضوری چپکے سے تسلیم کرنا ھے۔

لیکن اس زمانے کے دوران ڈیکارٹ سے لیکر ھیگل تک اور ھوبس سے لیکر فائرباخ تک فلسفیوں نے محض خالص فکر کی طاقت سے ھی ولولہ نہیں حاصل کیا، جیسا کہ وہ سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس، جس چیز نے ان کو سب سے زیادہ آگے کی طرف دھکیلا وہ قدرتی سائنس اور صنعت کی ترقی کی طاقتور اور برابر زیادہ تیز ہونےوالی رو تھی۔ مادیت‌پسندوں کے لئے یہ بات سطح پر ھی دیکھی جا سکتی تھی لیکن عینی نظاموں نے بھی اپنے کو زیادہ سے زیادہ مادی مواد سے بھر لیا اور روح اور مادے کے درمیان تضاد کو ھمہ‌اصنام‌پرستی سے (pantheistically) ھم آھنگ کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس طرح بالآخر ھیگلیائی نظام صرف ایسی مادیت کی نمائندگی کرتا ھے جس کو عینیی لحاظ سے طریقے اور مواد میں الٹا کر دیا گیا ھے۔

اس لئے یہ بات قابل‌فہم ھے کہ اشٹارکے نے فائرباخ کی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہوئے سب سے پہلے فکر اور وجود کے تعلق کے بنیادی سوال پر فائرباخ کے رویے کی چھان‌بین کی ھے۔ مختصر تمہید کے بعد، جسمیں قبل کے فلسفیوں کے (خصوصاً کانٹ کے زمانے سے) خیالات غیرضروری بوجھل فلسفیانہ زبان میں پیش کئے گئے ھیں اور ھیگل کو، اس کی تصانیف کے بعض حصوں تک بہت رسمی طور سے محدود رہ کر، اس سے کہیں کم جگہ دی گئی جتنی اس کے لئے مناسب تھی، فائرباخ کی ”مابعدالطبیعیات“ کے ارتقا کے دھارے کا ایک تفصیلی بیان دیا گیا ھے جیسے کہ اس دھارے کی عکاسی اس فلسفی کی ان تحریروں سے متواتر ھوتی ھے جنکا تعلق موجودہ سوال سے ھے۔ اس بیان کو بڑی محنت اور وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ھے۔ صرف یہ کہ پوری کتاب کی طرح یہ حصہ بھی ایسی بوجھل فلسفیانہ لفاظی سے بھرا ھوا ھے جو ھر جگہ ناگزیر نہ تھی۔ اور اس کا مصنف ایک ھی مکتب فکر کے یا خود فائرباخ کی اصطلاحوں تک جتنا ھی کم اپنے کو محدود رکھتا ھے اور جتنا ھی

زیادہ وہ بہت سے مختلف رجحانات کی اصطلاحوں کو اسمیں ٹھونستا ہے خصوصاً ایسے رجحانات کو جو اب زوروں میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنے کو فلسفیانہ کہتے ہیں ، اتنا ہی اس کی محنت کا نتیجہ الٹا پلٹا ہوتا ہے۔

فائرباخ کے ارتقا کا راستہ ایک ہیگلیائی سے (یہ سچ ہے کہ وہ کٹر ہیگلیائی کبھی نہیں تھا) مادیت‌پسند کی طرف ہے ، ایک ایسا ارتقا جس نے ایک واضح منزل پر پہنچکر اپنے متقدم کے عینی نظام سے اس کی مکمل علحدگی کو ضروری بنا دیا ۔ آخر کار فائرباخ نے ناقابل مزاحمت قوت کے ساتھ یہ سمجھ لیا کہ ہیگل نے دنیا سے قبل '' مطلق خیال ،، کے وجود ، دنیا کے وجود سے پہلے '' منطقی مدارج کے ماقبل وجود ،، کے بارےمیں جو کہا ہے وہ ماورائے دنیاوی خالق کے وجود کے عقیدے کی واہمانہ باقیات کے سوا اور کچھ نہیں ہے ، کہ یہی مادی ، احساس کے ذریعے شعور میں آنےوالی دنیا جسمیں ہم رہتے ہیں واحد حقیقی دنیا ہے اور یہ کہ ہمارا شعور اور فکر چاہے جتنے ماورائے احساس کیوں نہ معلوم ہوتے ہوں لیکن وہ مادی اور جسمانی عضو یعنی دماغ کی پیداوار ہیں ۔ مادہ ذہن کی پیداوار نہیں ہے بلکہ ذہن خود مادے کی اعلیٰ ترین پیداوار ہے ۔ یہ واقعی خالص مادیت ہے ۔ لیکن یہاں تک پہنچ کر فائرباخ رک جاتا ہے ۔ وہ رائج فلسفیانہ تعصب پر قابو نہیں پا سکتا، اس تعصب پر جو مادیت کے نفس کے خلاف نہیں بلکہ اس کے نام کے خلاف ہے۔ وہ کہتا ہے :

> '' میرے لئے مادیت انسانی جوہر اور علم کی عمارت کی بنیاد ہے ۔ لیکن میرے لئے وہ ایسی چیز یعنی بذات‌خود عمارت نہیں ہے جو وہ عضویات اور قدرتی سائنس کے ماہروں کےلئے محدود معنی میں ہے مثلاً مولیشوٹ کے لئے اور جو ان کے نقطۂ نظر اور مہارت کے لحاظ سے قطعی ہے ۔ میں پیچھے جاتے ہوئے مادہ‌پرستوں سے بالکل متفق ہوں لیکن آگے جاتے ہوئے میں ان کے ساتھ نہیں ہوں ۔ ،،

یہاں فائرباخ مادے اور روح کے درمیان تعلق رکھنےوالے واضح نظرئے پر مبنی ایک عام عالمی نقطۂ نظر کی حیثیت سے مادیت کو اور

اس مخصوص شکل کو گڈمڈ کر دیتا ہے جس میں اس عالمی نقطۂنظر کا اظہار ایک واضح تاریخی منزل پر یعنی اٹھارویں صدی میں ہوا۔ مزید برآں وہ اس کو اس سطحی اور بگاڑی ہوئی شکل سے بھی گڈمڈ کرتا ہے جس میں ۱۸ ویں صدی کی مادیت فطرتپرستوں اور ڈاکٹروں کے دماغوں میں آج تک چلیآ رہی ہے ، وہ شکل جس کی تبلیغ چھٹی دہائی میں سفری مبلغین بوخنر ، فوگٹ اور مولیشوٹ نے کی۔ لیکن ٹھیک عینیت کی طرح مادیت بھی ارتقا کی سلسلےوار منزلوں سے گزری - ہر عصرساز دریافت کے ساتھ ، حتی کہ قدرتی سائنس کے شعبے میں بھی ، مادیت کو اپنی شکل بدلنی پڑی ہے۔ اور تاریخ کی مادی نقطۂنظر سے وضاحت ہونے کے بعد یہاں بھی مادیتکی ترقی کی ایک نئی شاہراہ کھل گئی۔

پچھلی صدی کی مادیت (۱۳) زیادہ تر میکانیکی تھی کیونکہ اس وقت تمام قدرتی سائنسوں میں صرف میکانکس اور درحقیقت وہ بھی صرف ٹھوس اجسام (فلکی اور ارضی اجسام) کی میکانکس — مختصر یہ کہ کشش ثقل کی میکانکس کے واضح انجام تک پہنچی تھی۔ کیمیا اس وقت تک صرف ابتدائی شکل میں فلوگستون (۱۴) کی نظریے پر مبنی تھی۔ حیاتیات کی سائنس ابھی بچوں کے پیرھن میں تھی ، نباتات اور حیوانات کے اجسام کا سرسری جائزہ لیکر یہ وضاحت کی گئی تھی کہ وہ خالص میکانیکی سبب کا نتیجہ ھیں۔ ڈیکارٹ کےلئے جو کچھ جانور تھا وھی اٹھارویں صدی کے مادیتپرستوں کےلئے آدمی تھا یعنی مشین۔ کیمیائی اور نامیاتی نوعیت کے عوامل پر (جن میں میکانکس کے قوانین بھی کارفرما رہتے ھیں لیکن دوسرے زیادہ اعلی قوانین ان کو پسپشت ڈال دیتے ھیں) صرف میکانکس کے معیاروں کا یہ اطلاق اس زمانے میں کلاسیکی فرانسیسی مادیت کی پہلی انوکھی لیکن ناگزیر کوتاھی تھی۔

اس مادیت کی دوسری انوکھی کوتاھی یہ تھی کہ وہ دنیا کو ایک عمل اور ایسا مادہ سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی جس میں متواتر تاریخی ارتقا ھو رھا ھو۔ یہ اس وقت کی قدرتی سائنس کی سطح اور اس سے منسلک فلسفیانہ فکر کے مابعد الطبیعیاتی یعنی غیر جدلیاتی طریقے کے مطابق تھا۔ اتنا معلوم تھا کہ فطرت متواتر متحرک ھے۔ لیکن اس وقت کے خیال کے مطابق یہ حرکت بھی متواتر ایک ھی چکر میں ھو

رهی تهی اور اس لئے اپنی جگه سے نہیں ٹلتی تهی اور باربار ایک هی طرح کے نتائج پیدا کرتی تهی ۔ یه تصور اس زمانے میں ناگزیر تها ۔ شمسی‌نظام کے آغاز کے بارے میں کانٹ کا نظریه ابهی پیش هی کیا گیا تها اور لوگ اس کو صرف ایک عجوبه خیال کرتے تهے ۔ زمین کے ارتقا کی تاریخ — علم ارضیات — لوگ بالکل نہیں جانتے تهے اور یه نظریه که آج کی جاندار قدرتی هستیاں ارتقا کے ایک ایسے طویل سلسلے کا نتیجه هیں جو ساده سے پیچیده هوتا گیا ، اس وقت سائنسی طور پر نہیں پیش کیا جا سکا تها ۔ اس لئے فطرت کے بارے میں غیرتاریخی نظریه ناگزیر تها ۔ هم اس بنا پر اٹهارویں صدی کے فلسفیوں کو زیاده قابل‌ملامت نہیں ٹهرا سکتے کیونکه یہی بات هیگل کے یہاں بهی پائی جاتی هے ۔ اس کی رائے میں فطرت ، خیال سے محض ”علحدگی“ هے اور اس وجه سے زمانی ترقی کی صلاحیت نہیں رکهتی ۔ فطرت اپنے تنوع کی صرف مکانی توسیع کی اس طرح اهل هے که وه ارتقا کی ان تمام منازل کو بیک وقت اور ایک دوسرے کے ساتھ دکهاتی هے جن پر وه مشتمل هے اور ایک طرح کے عوامل کو متواتر دهرانے پر مجبور هے ۔ وقت (جو تمام ارتقا کی بنیادی شرط هے) سے ماورا مکانی ارتقا کی لغویت هیگل فطرت پر ٹهیک اس وقت مسلط کر دیتا هے جب ارضیات ، جنینیات ، پودوں اور جانوروں کی عضویات اور نامیاتی کیمیا کی سائنسوں کو کافی ترقی دی جا رهی تهی اور جب هر جگه ان نئی سائنسوں کی بنیاد پر ارتقا کے اس نظریے کے بارے میں جو بعد کو آیا، دانش‌مندانه پیش‌بینیاں هو رهی تهیں (مثلاً گوئٹے اور لامارک) ۔ لیکن هیگل کے نظام کا تقاضه یہی تها ۔ اسی لئے طریقے کو نظام کی خاطر اپنے آپ سے غداری کرنی پڑی ۔

یہی غیرتاریخی نظریه تاریخ کے شعبے میں بهی پهیلا هوا تها ۔ یہاں قرون‌وسطی کی باقیات کے خلاف جدوجهد نے نظر کو دهندلا کر دیا تها ۔ قرون وسطی کو تاریخ میں محض ایک ایسا وقفه سمجها گیا جو ایک هزار سال کی همه گیر بربریت کی پیداوار تها ۔ قرون‌وسطی میں جو زبردست ترقی هوئی تهی یعنی یورپی تہذیب کی زیاده توسیع ، ایک دوسرے کے پڑوس میں جاندار اور بڑی ریاستوں کی تشکیل اور پهر ۱۴ ویں اور ۱۵ ویں صدیوں میں زبردست ٹیکنیکی ترقی — یه سب باتیں نہیں دیکهی گئیں ۔

اس طرح عظیم تاریخی رابطے پر معقولیت کے ساتھ غور کرنا ناسمکن ہو گیا اور فلسفیوں کے لئے تاریخ زیادہ سے زیادہ مثالوں اور نمونوں کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔

وہ اوچھے لوگ جو چھٹی دھائی کے دوران جرمنی میں مادیت میں اپنی ٹانگ اڑا رہے تھے کسی طرح اپنے استادوں کی اس خامی سے چھٹکارا نہ پا سکے ۔ اس دوران میں قدرتی سائنسوں میں جو ترقیاں ہوئیں انھوں نے ان لوگوں کے لئے دنیا کے کسی خالق کے وجود کے خلاف محض نئے ثبوتوں کا کام دیا ۔ چنانچہ انھوں نے اس نظریے کو اور فروغ دینے سے کوئی سروکار نہ رکھا ۔ حالانکہ عینیت کے آخری دن تھے اور ۱۸۴۸ ء کا انقلاب اس پر سہلک ضرب لگا چکا تھا لیکن اس کو یہ دیکھ کر اطمینان ہو رہا تھا کہ مادیت فی‌الحال اور نیچے گر گئی ہے۔ فائرباخ اس مادیت کی ذمےداری سے دستبردار ہونے میں بالکل بجا تھا ، صرف اس کو یہ نہ چاھئے تھا کہ وہ ان سفری مبلغین کے اصولوں کو عام طور پر مادیت کے ساتھ گڈمڈ کرے۔

بہرحال یہاں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا ہے۔ اول تو یہ کہ فائرباخ کی زندگی کے دوران طبعی سائنس میں ابھی طوفانی ابال آ رہا تھا جس نے محض پچھلے پندرہ سال کے دوران صاف اور نسبتاً مختتم صورت اختیار کی ہے۔ اتنی نئی سائنسی معلومات حاصل کی گئیں جسکی ابھی تک کوئی نظیر نہ تھی ، لیکن ان دریافتوں کے ہنگامے میں جن کی بوچھار یکے بعد دیگرے ہو رہی تھی ، ربط کا تعین اور اس طرح نظم پیدا کرنا صرف حال ھی میں ممکن ہوا ۔ یہ سچ ہے کہ فائرباخ کی زندگی میں ھی تین اہم‌ترین دریافتیں ہوئیں یعنی خلئے ، توانائی میں تغیر اور ڈارون سے منسوب ارتقا کا نظریہ ۔ لیکن کیا دیہات کی تنہائی میں رہنےوالا اکیلا فلسفی ان سائنسی ترقیوں کی اس حد تک واقفیت حاصل کر سکتا تھا کہ ان کی پوری قدر و قیمت کو سمجھ سکے جو خود طبعی سائنس کے ماہروں کے درمیان ابھی تک متنازعہ تھیں اور وہ ان کو مناسب طریقے سے استعمال کرنا نہیں جانتے تھے ؟ اس کی ذمےداری سراسر جرمنی کے بدبخت حالات پر عائد ہوتی ہے جن کے نتیجے میں مکڑی کے جالے بننےوالے اور بال کی کھال نکالنےوالے تنگ‌نظر مذھبی حضرات فلسفے کی کرسیوں پر

براجمان تھے جبکہ فائرباخ جو ان سے کہیں زیادہ بلند تھا ایک چھوٹے سے گؤں میں پڑا سڑ رہا تھا۔ اس لئے یہ فائرباخ کا قصور نہیں ہے کہ فطرت کا وہ تاریخی نظریہ جس کو اب مرتب کرنا ممکن ہوا ہے اور جس نے فرانسیسی مادیت کا سارا یکطرفہ‌پن دور کر دیا ہے اس کی دسترس سے دور رہا۔

دوسرے، فائرباخ یہ دعوی کرنے میں بالکل حق بجانب تھا کہ صرف طبعی سائنسی مادیت ''انسانی علم کی عمارت کی بنیاد ہے لیکن بذات‌خود عمارت نہیں ہے''۔ کیونکہ ہم صرف فطرت میں ہی نہیں بلکہ انسانی سماج میں رہتے ہیں اور یہ سماج فطرت کی طرح ارتقا کی اپنی تاریخ اور اپنی سائنس رکھتا ہے۔ اس لئے سماج کے بارے میں سائنس یعنی تاریخی اور فلسفیانہ کہلائی جانےوالی سائنسوں کے نچوڑ کو مادی بنیاد سے ہم‌آہنگ کرنے اور پھر اس بنیاد پر اس کی تعمیر نو کرنے کا سوال تھا۔ لیکن فائرباخ کی قسمت میں یہ کرنا نہیں لکھا تھا۔ اس ''بنیاد'' کے باوجود وہ یہاں عینیت کی زنجیروں میں جکڑا رہا۔ اس واقعے کا اعتراف اس نے ان الفاظ میں کیا ہے: ''میں پیچھے جاتے ہوئے مادہ‌پرستوں سے بالکل متفق ہوں لیکن آگے جاتے ہوئے میں ان کے ساتھ نہیں ہوں!'' لیکن یہاں، سماجی دنیا میں خود فائرباخ اپنے ۱۸۴۰ء یا ۱۸۴۴ء کے مؤقف سے ''آگے'' نہیں بڑھا۔ یہ خاص طور سے اس علحدگی کی وجہ سے ہوا جس نے اس کو مجبور کیا کہ وہ (جس کے لئے تمام فلسفیوں میں سب سے زیادہ اپنی رغبت کی وجہ سے سماج کی ضرورت تھی) اپنے تنہا دماغ سے خیالات پیدا کرے، بجائے اسکے کہ وہ اپنے پائے کے دوسرے لوگوں سے دوستانہ اور مخاصمانہ مقابلے کرکے ایسا کرے۔ بعد کو ہم تفصیلی طور پر اس کا جائزہ لیں‌گے کہ وہ اس شعبے میں کس حد تک عینیت‌پرست تھا۔

یہاں اس بات کا اور اضافہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اشٹارکے فائرباخ کی عینیت کو غلط جگہ تلاش کرتا ہے۔ اس نے لکھا:

''فائرباخ عینیت‌پرست ہے۔ وہ انسانیت کی ترقی پر یقین کرتا ہے'' (صفحہ ۱۹)۔ ''بہر حال بنیاد، سارا ذیلی ڈھانچہ

عینیت‌پرستی ھی ھے - جب ھم اپنے اخلاقی محرکات کی پیروی کرتے ھیں تو حقیقت‌پسندی ھمارے لئے گمراھی سے تحفظ کے سوا اور کچھ نہیں ھوتی - کیا ھمدردی ، محبت اور حق و انصاف کا ولولہ مثالی طاقتیں نہیں ھیں ؟ ،، (صفحہ ۸)

اول تو یہاں عینیت‌پرستی (idealism) کا مطلب مثالی مقاصد (ideal aims) کی پیروی کے سوا اور کچھ نہیں ھے - لیکن ان مقاصد کا تعلق لازمی طور پر زیادہ سے زیادہ کانٹ کی عینیت‌پرستی اور اس کے ''قطعی حکم ،، (categorical imperative) سے ھے - بہر حال کانٹ نے خود اپنے فلسفے کو ''فوق تجربی عینیت‌پرستی ،، (transcendental idealism) کہا ھے ، اس لئے نہیں کہ اس میں کانٹ نے اخلاقی آدرشوں کا ذکر کیا ھے بلکہ بالکل دوسرے اسباب سے جیسا کہ اشٹارکے کو یاد ھوگا - اس وھم نے کہ فلسفیانہ عینیت اخلاقی یعنی سماجی آدرشوں کے عقیدے کے گرد گھومتی ھے ، فلسفے سے باھر ان جرمن کوتاہ‌بینوں کے درمیان جنم لیا جنھوں نے شیلر کی نظموں سے فلسفیانہ تعلیم کے ایسے چند ٹکڑے رٹ لئے جن کی انھیں ضرورت تھی - کانٹ کے مجہول ''قطعی حکم ،، پر (مجہول کیونکہ وہ ناممکن کا مطالبہ کرتا ھے اور اسی لئے کبھی حقیقت تک نہیں پہنچتا) کسی نے بھی اتنی کڑوی تنقید نہیں کی ھے ، کسی نے بھی شیلر کے پھیلائے ھوئے ناقابل‌حصول آدرشوں کے لئے کوتاہ‌بین جذباتی جوش کا اتنا مذاق نہیں اڑایا ھے جتنا کہ خود مکمل عینیت‌پرست ھیگل نے (مثلاً دیکھئے ھیگل کی کتاب ''مظھریات ،، — «Phenomenology») -

دوسرے یہ کہ ھم اس واقعہ کو نظرانداز نہیں کر سکتے کہ ھر اس چیز کو جو لوگوں کو عمل پر آمادہ کرتی ھے ان کے دماغوں سے ھو کر آنا چاھئے ، حتی کہ کھانا اور پینا بھی جو دماغ سے گزرکر بھوک یا پیاس کے آنےوالے احساس سے شروع ھوتا ھے اور اس کا خاتمہ بھی اس طرح دماغ سے گزر کر آنےوالے اسی احساس کی تکمیل پر ھوتا ھے- آدمی پر بیرونی دنیا کے اثرات اپنے آپ کو اس کے دماغ میں ظاھر کرتے ھیں اور وھاں جذبات ، خیالات، ھیجانات اور قوت‌ارادی ، مختصر یہ کہ '' اخلاقی

محرکات ،، میں معکوس ہوتے ہیں اور اس شکل میں '' مثالی طاقتیں ،، بن جاتے ہیں ۔ اگر کسی آدمی کو اس لئے عینیت‌پرست سمجھا جاتا ہے کہ وہ '' اخلاقی محرکات ،، کی پیروی کرتا ہے اور اس کا اعتراف کرتا ہے کہ '' مثالی طاقتیں ،، اس پر اثرانداز ہوتی ہیں تو ہر شخص جس کی نشو و نما حسب معمول ہوئی ہے ، پیدائشی عینیت‌پرست ہے اور پھر اس صورت میں کیسے کوئی مادیت‌پرست ہو سکتا ہے ۔

تیسرے ، اس یقین کا کہ انسانیت، کم از کم فی الحال مجموعی طور پر ترقی کی طرف جا رہی ہے اس تضاد سے قطعی تعلق نہیں ہے جو مادیت اور عینیت کے درمیان ہے ۔ فرانسیسی مادیت‌پرست اس عقیدے کو ماننے میں مذہب‌فطرت (۱۰) کے پیرو والتیئر اور روسو سے کچھ کم کٹر نہیں تھے اور اکثر اس کےلئے زبردست ذاتی قربانیاں کرتے تھے ۔ اگر کسی نے بھی اپنی زندگی '' حق اور انصاف کے ولولے ،، کےلئے وقف کر دی (اس جملے کو اچھے معنی میں استعمال کرتے ہوئے) تو وہ تھا مثال کے لئے دیدرو ۔ اس لئے اگر اشٹارکے ان سب باتوں کو عینیت قرار دیتا ہے تو یہ محض اتنا ثابت کرتا ہے کہ لفظ مادیت اور دونوں رجحانوں کے درمیان سارا تضاد یہاں اس کےلئے بے معنی ہو گیا ہے ۔

واقعہ یہ ہے کہ یہاں اشٹارکے ، خواہ غیرشعوری طور پر کیوں نہ ہو ، کوتاہ‌بینوں کے اس تعصب کو ناقابل‌معافی چھوٹ دیتا ہے جو لفظ مادیت کے خلاف پادریوں کی متواتر بدنام کن باتوں کا نتیجہ تھا ۔ کوتاہ‌بین، مادیت کے لفظ سے شکم‌پروری ، شراب‌خوری ، بدنگاہی ، شہوت پرستی ، غرور ، حرص و طمع ، نفع خوری اور اسٹاک ایکسچینج کی دھوکےبازی — مختصر یہ کہ وہ سارے گندے عیوب سمجھتا ہے جن کو خود ڈھکے چھپے کرتا ہے، اور عینیت کے لفظ سے نیکی، ہمہ‌گیر فیاضی اور عام طور سے وہ '' بہتر دنیا ،، سمجھتا ہے جس کی تعریفوں کے پل وہ دوسروں کے سامنے باندھتا ہے لیکن جس پر وہ خود زیادہ سے زیادہ اس وقت یقین کرتا ہے جب وہ جبر و تشدد کا شکار ہوتا ہے یا اپنے مروجہ '' مادی ،، شدائد کیوجہ سے دیوالیہ‌پن میں مبتلا ہوجاتا ہے ۔ اسی وقت وہ اپنا محبوب راگ الاپتا ہے ۔ آدمی کیا ہے ؟ ۔ آدھا جانور ، آدھا فرشتہ ۔

بقیہ کے متعلق اشٹارکے فائرباخ کو ان غوغائی نائب پروفیسروں کے

حملوں اور اصولوں سے بچانے کی غرض سے بڑی تکلیف گوارا کرتا ہے جو آجکل جرمنی میں فلسفیوں کے نام سے چالو ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جن کو کلاسیکی جرمن فلسفے کی اس بگڑی ہوئی نسل سے دلچسپی ہے، ان کے لئے یہ واقعی اہم ہے۔ ممکن ہے کہ خود اشٹارکے کو یہ بات ضروری معلوم ہوئی ہو۔ لیکن ہم اپنے قاری کو اس سے محفوظ رکھینگے۔

۳

فائرباخ کی اصلی عینیت اس وقت واضح ہو جاتی ہے جب ہم اس کے مذہب اور اخلاقیات کے فلسفے کی طرف آتے ہیں۔ وہ کسی طرح بھی مذہب کو ختم کرنا نہیں چاہتا بلکہ اس کو بہتر بنانا چاہتا ہے۔ بقول فائرباخ خود فلسفے کو مذہب میں ضم ہو جانا چاہئے۔ وہ لکھتا ہے:

> ”انسانیت کے ادوار کا امتیاز صرف مذہبی تبدیلیوں سے ہوتا ہے۔ کوئی تاریخی تحریک صرف اس وقت بنیادی بنتی ہے جب اس کی جڑیں لوگوں کے دل میں ہوں۔ دل مذہب کی کوئی شکل نہیں ہے، اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ موخرالذکر کو دل میں جاگزیں ہونا چاہئے۔ دل تو مذہب کا نچوڑ ہے“ (اشٹارکے کا حوالہ، صفحہ ۱۶۸)۔

فائرباخ کے خیال کے مطابق مذہب انسانوں کے درمیان وہ تعلق ہے جس کی بنیاد جذبے پر ہے، یہ تعلق دل پر مبنی ہے، ایسا تعلق جو ابھی تک اپنی سچائی کو حقیقت کے خیالی عکس میں تلاش کر رہا تھا یعنی ایک یا کئی خداؤں کے وسیلے سے جو انسانی صفات کے خیالی عکس ہیں، لیکن اب وہ اس کو براہ‌راست کسی وسیلے کے بغیر ”من“ اور ”تو“ کی محبت میں پا لیتا ہے۔ اس طرح آخرکار فائرباخ کے لئے جنسی محبت اس کے نئے مذہب کے عمل کی اگر سب سے بلند نہیں تو بلندترین شکلوں میں سے ایک بن جاتی ہے۔

انسانوں کے درمیان ایسے تعلقات جن کی بنیاد جذبے پر ہے، اور

خاص طور پر دو جنسوں کے درمیان تعلقات کا وجود انسانیت کے وجود کے ساتھ ھی ھوا تھا ۔ جہاں تک جنسی محبت کا سوال ھے تو وہ ارتقا کے دور سے گزری ھے اور پچھلی آٹھ صدیوں کے دوران اس نے ایسی جگہ حاصل کر لی ھے جس نے اس کو اس دور کی شاعری کا محوری نقطہ بنا دیا ھے ۔ موجودہ اثباتی مذاھب نے ریاست کی کنٹرول کی ھوئی جنسی محبت یعنی شادی کے قوانین کو اعلی تقدس دینے تک اپنے کو محدود کر لیا ھے اور یہ سب محبت اور دوستی کے عمل کو بدلے بغیر کل غائب ھو سکتے ھیں ۔ چنانچہ فرانس میں عیسائی مذھب ۹۸ — ۱۷۹۳ ء کے دوران واقعی اس حد تک غائب ھوا کہ نپولین بھی اس کو مخالفت اور دشواری کے بغیر دوبارہ رائج نہ کر سکا ۔ اور اس وقفے کے دوران ، اس کی جگہ فائرباخ کے نئے مذھب جیسا کوئی بدل لانے کی ضرورت نہیں پڑی ۔

یہاں فائرباخ کی عینیت اس پر مشتمل ھے کہ وہ انسانوں کے درمیان باھمی رغبت پر مبنی باھمی تعلقات — جنسی محبت ، دوستی ، دردمندی اور ایثار وغیرہ کو اس طرح جیسے کہ وہ بذات خود ھیں ، یعنی کسی خاص مذھب سے متعلق کئے بغیر ، بالکل نہیں تسلیم کرتا اگرچہ یہ مذھب اس کے لئے بھی ماضی کی چیز ھے ۔ وہ اس پر زور دیتا ھے کہ یہ تعلقات اسی وقت اپنی پوری قدر و قیمت حاصل کرینگے جب ان کو مذھب کے نام سے مقدس بنایا جائے گا ۔ اس کےلئے یہ خاص چیز نہیں کہ ان خالص انسانی تعلقات کا وجود ھے بلکہ ان کو نئے اور سچے مذھب کی حیثیت سے دیکھنا چاھئے ۔ وہ اسی وقت اپنی پوری قدر و قیمت کو پہنچ سکتے ھیں جب ان پر کسی مذھب کا ٹھپہ لگا دیا جائے ۔ Religion (مذھب) ماخوذ ھے لفظ religare* سے اور اس کے ابتدائی معنی ھیں بندھن ۔ اس لئے دو آدمیوں کے درمیان ھر بندھن religion ھے ۔ ایسا لفظی ھیرپھیر عینی فلسفے کا آخری حربہ ھے ۔ واقعی استعمال کے تاریخی ارتقا کے مطابق لفظ کے جو معنی ھیں اس کو نہیں بلکہ ایسے معنی کو اھمیت دی‌جاتی ھے جو اس کے ماخوذ کے مطابق ھونے چاھئیں ۔ جنسی

---

* باندھنا ۔

محبت اور جنسوں کے درمیان مباشرت کو '' مذہب ،، کی حیثیت دی جاتی ھے محض اس لئے کہ لفظ مذہب جو عینیت‌پرستوں کی یادوں کےلئے اتنا عزیز ھے کہیں زبان سے غائب نہ ھو جائے - لوئی بلانک کا رجحان رکھنےوالے پیرس کے اصلاح پسند پانچویں دھائی میں ٹھیک اسی طرح اظہار خیال کرتے تھے - وہ کسی لامذھب آدمی کو عفریت ھی کی طرح دیکھ سکتے تھے اور ھم سے کہا کرتے تھے '' اچھا ، تو لامذھبیت آپکا مذھب ھے ؟ ،، اگر فائرباخ کوئی سچا مذھب واقعی فطرت کے مادی نظرئے کی بنا پر قائم کرنا چاھتا ھے تو یہ ایسا ھی ھوگا جیسے جدید علم کیمیا کو الکیمیا ماننا - اگر مذھب کا وجود خدا کے بغیر ھو سکتا ھے تو الکیمیا کا وجود اس کے پارس پتھر کے بغیر ھو سکتا ھے - برسبیل تذکرہ ، الکیمیا اور مذھب کے درمیان بہت ھی قریبی تعلق ھے - پارس پتھر بہت سی خدائی صفات کا حامل ھے- ھمارے دور کی پہلی دو صدیوں کے مصری یونانی کیمیادانوں کا ھاتھ عیسائی مذھبی اصولوں کو فروغ دینے میں تھا جیسا کہ کوپ اور بیرتھلو کی فراھم کی ھوئی معلومات سے ثابت ھوتا ھے -

فائرباخ کا یہ دعوی قطعی غلط ھے کہ '' انسانیت کے ادوار کا امتیاز صرف مذھبی تبدیلیوں سے ھوتا ھے ،، - عظیم تاریخی موڑوں کے ساتھ ساتھ اگر مذھبی تبدیلیاں آئیں تو ان کا تعلق صرف تین عالمی مذاھب — بدھست ، عیسائیت اور اسلام سے تھا جو ابھی تک موجود ھیں - پرانے قبائلی یا قومی مذاھب جو خود رو طریقے سے نمودار ھوئے تھے ، تبلیغی نوعیت نہیں رکھتے تھے اور متعلقہ قبیلے یا قوم کی آزادی کھوتے ھی اپنی مذھبی قوت‌مزاحمت بھی کھو دیتے تھے - جرمنوں کے لئے یہ کافی تھا کہ وہ روما کی تباہ ھوتی ھوئی عالمی سلطنت اور اس کے نئے اختیار کئے ھوئے عیسائیت کے عالمی مذھب کے ساتھ سیدھے سادے تعلقات قائم کر لیں جو اس سلطنت کے معاشی ، سیاسی اور نظریاتی حالات کے لئے موزوں تھا - صرف ان عالمی مذاھب کے سلسلے میں جو کم و بیش مصنوعی طور پر وجود میں آئے خصوصاً عیسائیت اور اسلام ، ھم یہ کہہ‌سکتے ھیں کہ زیادہ عام تاریخی تحریکیں مذھب کی چھاپ حاصل کرتی ھیں - حتی کہ عیسائیت کو پھیلانے کے تعلق سے بھی واقعی

همہ گیر اهمیت کے حامل انقلابوں پر مذهبی چھاپ بورژوازی کی آزادی کی جدوجهد کے پہلے مدارج تک محدود هے یعنی ۱۳ ویں سے ۱۷ ویں صدی تک۔ اور اس کی وضاحت ، جیسا کہ فائرباخ کا خیال هے ، لوگوں کے دلوں اور ان کی مذهبی ضروریات سے نہیں بلکہ قرونِ‌وسطی کی پوری تاریخ سے هوتی هے جس کو مذهب اور دینیات کے سوا کسی اور آئیڈیالوجی کا علم نہیں تھا۔ لیکن جب اٹھارویں صدی میں بورژوازی اتنی مضبوط هوگئی کہ خود اپنی آئیڈیالوجی کی مالک بن سکے جو اس کے طبقاتی مؤقف کے مطابق هو تو اس نے اپنا عظیم اور مختتم فرانسیسی انقلاب کر دیا۔ اس سلسلے میں بورژوازی نے صرف قانون اور سیاسی خیالات کی بنا پر اپیل کی اور مذهب کی صرف اسی حد تک فکر کی جتنا کہ وہ اس کی راہ میں حائل تھا۔ لیکن اس کے دماغ میں یہ بات کبھی نہ آئی کہ پرانے مذهب کی جگہ نیا مذهب لائے۔ یہ تو هر ایک کو معلوم هے کہ اس معاملے میں روبس‌پیری کو اپنی کوششوں میں کیسی ناکامی هوئی۔

دوسرے لوگوں کے ساتھ همارے تعلقات میں خالص انسانی جذبات کے امکان کو اس سماج نے کافی محدود کر دیا هے جس میں هم کو آج رهنا پڑ رها هے اور جو طبقاتی تضاد اور طبقاتی حکمرانی پر مبنی هے۔ اب همارے پاس اس کی کوئی بھی وجہ نہیں هے کہ ان جذبات کو کسی مذهب تک بلند کرکے اس امکان کو اور زیادہ محدود کر دیں۔ اور ٹھیک اسی طرح موجودہ تاریخ‌نگاری نے عظیم تاریخی طبقاتی لڑائیوں کے سمجھنے کو بھی کافی مبہم بنا دیا هے خصوصاً جرمنی میں۔ اس لئے همارے لئے یہ بھی ضروری نہیں هے کہ هم ان لڑائیوں کی تاریخ کو کلیسائی تاریخ کا محض دمچھلا بنا کر ان کو بالکل ناقابل فہم بنا دیں۔ اب یہاں پہنچ کر یہ بات صاف هو جاتی هے کہ آج هم فائرباخ سے کتنا آگے بڑھ گئے هیں۔ اس نے محبت کے اس نئے مذهب کی مدح میں جو کچھ لکھا هے آج اس کے ”بہترین حصے“ بھی بالکل غیر دلچسپ هیں۔

فائرباخ نے صرف ایک مذهب — عیسائیت کا جائزہ سنجیدگی سے لیا هے جو وحدانیت پر مبنی ، مغربی لوگوں کا عالمی مذهب هے۔ وہ یہ ثابت

کرتا ہے کہ عیسائی خدا محض انسان کا خیالی عکس ہے ۔ لیکن یہ خدا بجائے خود ایک طویل تجریدی عمل کی پیداوار اور قبل کے بہت سے قبائلی اور قومی خداؤں کا خالص جوہر ہے ۔ اور اسی‌لئے آدمی جس کا عکس یہ خدا ہے حقیقی آدمی نہیں ہے بلکہ اسی طرح بہت سے حقیقی آدمیوں کا خالص جوہر ہے ، یہ تجریدی آدمی ہے اور اسی لئے یہ بھی خیالی شکل ہے ۔ فائرباخ جو ہر صفحے پر حسیت اور ٹھوس حقیقی دنیا میں تحلیل کی تبلیغ کرتا ہے جب انسانوں کے درمیان جنسی تعلقات کے علاوہ کسی اور بات کا ذکر چھیڑتا ہے تو قطعی تجرید اختیار کرلیتا ہے ۔

ان تعلقات میں اس کے لئے صرف ایک پہلو دلکشی کا باعث ہے — وہ اخلاقیات ہیں ۔ اور یہاں پھر ہیگل کے مقابلے میں فائرباخ کی حیرت‌انگیز ناداری ہمیں متحیر کر دیتی ہے ۔ ہیگل کی اخلاقیات یا اخلاقی اطوار کا اصول حقوق کا فلسفہ ہے اور مشتمل ہے (۱) مجرد حقوق، (۲) اخلاق (۳) اخلاقی آداب معاشرت پر ، اور آخرالذکر کے تحت یہ چیزیں آتی ہیں : خاندان ، مدنی معاشرہ اور ریاست ۔ یہاں مواد اتنا ہی حقیقت‌پسندانہ ہے جتنی کہ ہئیت عینیت‌پسند ہے ۔ یہاں اخلاقیات کے علاوہ قانون ، معیشت اور سیاست کے سارے شعبوں کو سمیٹ لیا گیا ہے ۔ فائرباخ کے یہاں اس کے بالکل برعکس ہے ۔ ہئیت میں وہ حقیقت‌پسند ہے کیونکہ وہ آدمی سے شروعات کرتا ہے ۔ لیکن اس میں اس دنیا کا کوئی ذکر نہیں ہے جس میں آدمی رہتا ہے ، اس لئے یہ آدمی ہمیشہ وہی مجرد آدمی رہتا ہے جو مذہب کے فلسفے کے شعبے میں تھا ۔ کیونکہ یہ آدمی عورت سے نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ وہ تیتری کی طرح خول سے ، وحدانیت‌والے مذاہب کے خدا سے پیدا ہوا ہے ۔ اس لئے وہ ایسی حقیقی دنیا میں نہیں رہتا ہے جو تاریخی طور پر وجود میں آئی اور جس کا تعین تاریخی لحاظ سے کیا گیا ہے ۔ یہ سچ ہے کہ اس کا میل جول دوسرے لوگوں سے ہے ، لیکن ان میں سے ہر ایک ایسی ہی تجرید ہے جیسے یہ آدمی خود ہے ۔ اس کے مذہب کے فلسفے میں تو مرد اور عورتیں ملتی ہیں لیکن اس کی اخلاقیات میں یہ آخری امتیاز تک غائب ہو جاتا ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ فائرباخ کے یہاں طویل وقفوں کے بعد ایسے بیانات بھی اکثر پائے جاتے ہیں :

’’ آدمی محل میں اور جھونپڑی میں مختلف طرح سے سوچتا ھے ،، ۔ ’’ اگر بھوک اور غربت کیوجہ سے آپ کے جسم میں کوئی مقوی مادہ نہیں رہ جاتا تو اس طرح اخلاقیات کے لئے آپ کے دماغ ، ذھن اور دل میں بھی کوئی مواد نہیں رھتا ،، ۔ ’’ سیاست کو ھمارا مذھب بن جانا چاھئے ،، ۔ وغیرہ

لیکن فائرباخ ان اقوال سے کچھ بھی حاصل کرنے میں ناکام ھے ۔ وہ محض جملے ھی رھتے ھیں ۔ حتی کہ اشٹارکے کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ھے کہ فائرباخ کے لئے سیاست ایک ناقابل‌عبور سرحد ھے اور

’’سماج کی سائنس یعنی عمرانیات ایک انجانی سرزمین ھے — terra incognita – ،،

ھیگل کے مقابلے میں وہ نیک اور بد کے تضاد کا جائزہ لینے میں بھی ایسا ھی سطحی ھے ۔ ھیگل نے لکھا :

’’ آدمی جب یہ کہتا ھے کہ ’ انسان فطری طور پر نیک ھے ، تو خیال کرتا ھے کہ وہ کوئی بڑی بات کہہ رہا ھے ۔ لیکن آدمی یہ بھول جاتا ھے کہ وہ اس سے کہیں بڑی بات کرتا ھے جب وہ کہتا ھے ’ انسان فطری طور پر بد ھے ‘ ۔ ‘‘

ھیگل کے خیال میں بدی وہ شکل ھے جس میں تاریخی ارتقا کی قوت محرکہ اپنے کو پیش کرتی ھے ۔ اور یہ ذو معنی ھے ۔ ایک طرف ھر نئی ترقی لازمی طور پر کسی مقدس چیز کی بےحرمتی اور ان حالات کے خلاف بغاوت معلوم ھوتی ھے جن کو پرانے اور بےجان ھونے کے باوجود رسم و رواج نے مقدس بنا رکھا ھے ۔ اور دوسری طرف یہ آدمی کے برے جذبات یعنی لالچ اور اقتدار کا حرص ھی ھیں جو طبقاتی تضاد کے نمودار ھونے کے وقت سے تاریخی ارتقا کے بیرسوں کی حیثیت سے کام کر رھے ھیں ۔ یہ حقیقت ایسی ھے جس کا واحد اور مسلسل ثبوت ، مثال کے لئے ، جاگیردارانہ نظام اور بورژوازی کی تاریخ ھے ۔ لیکن فائرباخ کو اخلاقی بدی کے تاریخی رول کی تفتیش کا خیال ھی نہیں آتا ۔ اس کے لئے

تاریخ ایسا ناسازگار شعبہ ہے جہاں وہ بےچینی محسوس کرتا ہے، حتی کہ اس کا اپنا یہ مقولہ اس کے لئے بےجان رہتا ہے :

'' جب ابتدا میں آدمی فطرت سے پیدا ہوا تو وہ محض فطرت کی مخلوق تھا ، آدمی نہیں ۔ آدمی — یہ تو آدمی کی ، تہذیب اور تاریخ کی پیداوار ہے ۔ ''

اس لئے فائرباخ نے ہمیں اخلاق کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے وہ بہت ہی کم ہے ۔ خوشی کی خواہش آدمی میں فطری ہے اور اس لئے اس کو اخلاقیات کی بنیاد ہونا چاہئے ۔ لیکن خوشی کی اس خواہش میں دو تادیبوں کی پابندی ہے ۔ اول ہمارے اقدامات کے قدرتی نتائج : انتہائی شراب‌خوری کے بعد زوروں کا '' خمار '' ہوتا ہے اور تجاوز کو عادت بنانے کا نتیجہ بیماری ۔ دوسرے ، ان کے معاشرتی نتائج ہوتے ہیں ۔ اگر ہم دوسروں کی ایسی ہی خوشی کی خواہش کا احترام نہیں کرتے تو وہ اپنا دفاع کرینگے اور ہماری خوشی کی خواہش میں دخل‌انداز ہونگے ۔ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اپنی اس خواہش کو مطمئن کرنے کےلئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے رویے کے نتائج کا صحیح طور پر اندازہ کرنا سیکھیں اور اس کے علاوہ اس خواہش کو مطمئن کرنے کے لئے دوسروں کے مساوی حق کی عزت کریں ۔ معقول خود ضبطی اور محبت ، باربار محبت ، دوسرے لوگوں کے ساتھ میل‌جول میں — یہ ہیں فائرباخ کی اخلاقیات کے بنیادی قوانین ۔ ان سے دوسرے قوانین اخذ کئے گئے ہیں ۔ اور ان چند دعووں کی مفلسی اور کوڑ مغزی کو نہ تو فائرباخ کے انتہائی پرجوش بیانات اور نہ اشٹارکے کی زوردار قصیدہ خوانیاں چھپا سکتی ہیں ۔

خود اپنے میں مصروف رہ کر آدمی بہت ہی کم صورتوں میں اپنی خوشی کی خواہش کی تکمیل کر سکتا ہے اور وہ بھی نہ خود اس کےلئے اور نہ دوسروں کے لئے کارآمد ہوتی ہے ۔ اس کےلئے خارجی دنیا سے روابط اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے ذرائع چاہئیں یعنی غذا ، دوسری جنس کا فرد ، کتابیں ، تفریحات ، بحث‌مباحثہ ، سرگرمی ، استعمال اور کام کاج کی چیزیں ۔ فائرباخ کا اخلاق یا تو پہلے سے ہی یہ بات فرض کر لیتا ہے کہ زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنےوالے یہ سب ذرائع اور چیزیں

ہر فرد کو بلاشبہ حاصل ہیں یا وہ صرف ناقابل عمل نیک مشورہ پیش کرتا ہے اور اسی‌لئے وہ ان لوگوں کےلئے کوڑی برابر بھی قیمت نہیں رکھتا جن کے پاس یہ ذرائع نہیں ہیں ۔ فائرباخ خود اس کے بارے میں صاف صاف کہتا ہے :

”آدسی محل میں اور جھونپڑی میں مختلف طرح سے سوچتا ہے“۔ ”اگر بھوک اور غربت کیوجہ سے آپ کے جسم میں کوئی سقوی سادہ نہیں رہ جاتا تو اس طرح اخلاقیات کےلئے آپ کے دماغ، ذہن اور دل میں بھی کوئی مواد نہیں رہتا“۔

کیا خوشی کی خواہش کی تکمیل کےلئے تمام لوگوں کے مساوی حق کا معاملہ کچھ بہتر ہے ؟ فائرباخ نے اس مطالبے کو مسلمہ ، تمام زمانوں اور حالات کےلئے قطعی کہا ۔ لیکن یہ کب سے جائز قرار پایا ؟ کیا قدیم زمانے میں غلاموں اور مالکوں کے درمیان یا قرون‌وسطی میں کسان غلاموں اور جاگیرداروں کے درمیان خوشی کی خواہش کے مساوی حق کا کوئی ذکر آیا ؟ کیا جبر و تشدد کے شکار طبقوں کی خوشی کی خواہش کو حکمراں طبقوں کی اسی خواہش پر ”قانون کے مطابق“ بےرحمی سے قربان نہیں کیا گیا ؟ ہاں ، یہ واقعی بداخلاقی تھی ۔ بہر حال آجکل تو حقوق کی مساوات کو تسلیم کیا جاتا ہے ۔ اس کو لفظی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے ، اس وقت سے اور اس حد تک جتنا بورژوازی جاگیردارانہ نظام کے خلاف اپنی لڑائی میں اور سرمایہ‌دارانہ پیداوار کی ترقی کے حق میں جاگیری حکمراں حلقوں کی ساری سراعات یعنی ذاتی سراعات کو ختم کرنے اور قانونی لحاظ سے تمام افراد کی مساوات رائج کرنے پر مجبور ہوا ، پہلے دیوانی قوانین کے شعبے میں اور پھر رفتہ رفتہ ریاستی قوانین کے شعبے میں بھی ۔ لیکن خوشی کی خواہش مثالی حقوق کے سہارے بہت کم پروان چڑھتی ہے ۔ سب سے زیادہ وہ مادی ذرائع کے سہارے پروان چڑھتی ہے اور سرمایہ‌دارانہ پیداوار اس کی فکر رکھتی ہے کہ مساوی حقوق رکھنےوالوں کی اکثریت صرف اتنا ہی پائے جتنا اس کو اپنا وجود قائم رکھنے کےلئے چاہئے ۔ اس لئے سرمایہ‌دارانہ

پیداوار اس سے ذرا زیادہ ، اگر واقعی اس کو زیادہ کہا جائے ، اکثریت کی خوشی کی خواهش کے مساوی حقوق کا لحاظ کرتی ہے جتنا غلامی یا کسان غلامی میں تھا۔ اور کیا هم خوشی کے ذهنی ذرائع ، تعلیمی ذرائع میں کچھ بہتر هیں ؟ کیا ''سادووا کا اسکول ماسٹر ،، (۱۶) تک داستانی نہیں ہے ؟

مزید برآں، فائرباخ کے اخلاق کے نظریے کے مطابق اسٹاک ایکسچینج اخلاقی اطوار کی اعلی عبادت‌گاہ ہے ، صرف شرط یہ ہے کہ آدمی یہاں ٹھیک طریقے سے سٹہ‌بازی کرے۔ اگر میری خوشی کی خواهش مجھے اسٹاک ایکسچینج کی طرف لے جاتی ہے اور اگر میں وهاں اپنے اقدامات کے انجام کا اندازہ صحیح طریقے سے اس طرح لگاتا هوں کہ صرف خوشکن نتائج برآمد هوں اور کوئی غیرمفید بات نہ هو یعنی اگر میں همیشہ جیت جاتا هوں تو میں فائرباخ کے نظریے کی تکمیل کرتا هوں۔ اس کے علاوہ میں دوسرے شخص کی ایسی هی خوشی کی خواهش میں خلل‌انداز نہیں هوتا کیونکہ وہ شخص بھی اسٹاک ایکسچینج اسی طرح اپنی مرضی سے آیا ہے جیسے کہ میں ، اور میرے ساتھ سٹہ‌بازی کا معاملہ کرتے هوئے اس نے اسی طرح اپنی خوشی کی پیروی کی جس طرح میں نے اپنی خوشی کی۔ اگر وہ اپنا پیسہ هارتا ہے تو اس کا اقدام خودبخود غیراخلاقی ثابت هو جاتا ہے کیونکہ اس نے غلط حساب لگایا اور چونکہ میں نے اس کو وہ سزا دی جس کا وہ مستحق تھا اس لئے میں جدید رادامانت * کی طرح فخر سے اپنا سینہ ٹھونک سکتا هوں۔ اسٹاک ایکسچینج پر محبت کا بھی راج اس حد تک ہے کہ وہ محض جذباتی فقرہ نہیں رہ جاتی کیونکہ هر ایک اپنی خوشی کی خواهش کی تکمیل دوسروں کی مدد سے کرتا ہے۔ اور ٹھیک یہی محبت کو کرنا چاهئے اور اسی طرح وہ عمل میں کارفرما هوتی ہے۔ اور اگر میں اپنی چالوں کی ٹھیک ٹھیک پیش‌بینی کرکے جوا کھیلوں اور اس وجہ سے کامیابی حاصل کروں تو میں فائرباخی اخلاقیات کے انتہائی سخت تقاضوں کو پورا کرتا هوں اور اس کے معاوضے میں امیر بن بیٹھتا هوں۔ دوسرے الفاظ میں فائرباخ کی اخلاقیات جدید سرمایہ‌دار سماج کے

---

* یونانی دیومالہ میں ایک دانا اور منصف حاکم۔ (ایڈیٹر)

نمونے کے مطابق وضع کی گئی ہیں جس کو وہ خود نہ چاہتا تھا یا تصور نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن محبت ! ہاں فائرباخ کے لئے محبت ہر جگہ اور ہر وقت معجز نما دیوتا ہے جسے زندگی کی تمام عملی مشکلات کو دور کرنے میں مدد دینی چاہئے اور وہ بھی ایسے سماج میں جو بالکل متضاد مفاد رکھنے والے طبقات میں تقسیم ہے۔ اس طرح فائرباخ کے فلسفے سے اس کے انقلابی کردار کی آخری نشانی غائب ہو جاتی ہے اور بس یہی پرانی رٹ باقی رہ جاتی ہے : ایک دوسرے سے محبت کرو، جنس یا رتبے کے امتیاز کے بغیر ایک دوسرے سے گلے مل جاؤ — بس میل جول کی ہمہ گیر خرمستیاں !

مختصر یہ کہ فائرباخ کے نظریۂ اخلاق کا بھی وہی حشر ہوا جو اس کے متقدمین کے نظریوں کا۔ وہ تمام ادوار، تمام لوگوں اور تمام حالات کے لئے موزوں ہونے کی غرض سے وضع کیا گیا تھا اور محض اسی سبب سے وہ کبھی اور کسی بھی جگہ قابل‌عمل نہیں ہوا۔ حقیقی دنیا کے تعلق سے یہ بھی کانٹ کے ''قطعی حکم،، کی طرح ناکارہ رہتا ہے۔ حقیقت میں ہر طبقہ، حتی کہ ہر پیشہ، خود اپنا اخلاق رکھتا ہے جس کو وہ ہر اس وقت توڑتا ہے جب وہ جانتا ہے کہ اسے سزا نہیں ملے گی۔ اور وہ محبت جو سب کو متحد کرنے کے لئے ہے جنگوں، تصادموں، عدالتی مقدموں، گھریلو جھگڑوں، طلاقوں اور ایک دوسرے کے ہر ممکن استحصال کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

لیکن یہ کیسے ہوا کہ فائرباخ نے فکر و خیال کو جو زوردار مہمیز لگائی وہ خود فائرباخ کے لئے ایسی بےسود ثابت ہوئی؟ اس کی سیدھی سادی وجہ یہ تھی کہ فائرباخ تجرید کی اس دنیا (جس سے وہ سخت نفرت کرتا ہے) سے نکلنے اور جاندار حقیقت کی دنیا میں آنے کا راستہ نہ پا سکا۔ وہ فطرت اور انسان سے بری طرح چمٹ گیا لیکن فطرت اور انسان اس کے لئے محض الفاظ ہی رہے۔ وہ ہمیں نہ تو حقیقی فطرت کے بارے میں اور نہ حقیقی آدمی کے بارے میں بتانے کے قابل تھا۔ لیکن فائرباخ کے مجرد آدمی سے حقیقی اور زندہ آدمیوں کی طرف پہنچنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان آدمیوں کا ان کی تاریخی سرگرمیوں کے دوران مطالعہ کریں۔

فائرباخ نے اسی کی مخالفت کی اور اسی لئے ۱۸۴۸ ء کا سال (۱۷) جس کو وہ نہیں سمجھا اس کےلئے حقیقی دنیا سے قطعی علحدگی، گوشہ‌نشینی اختیار کرنے کا مترادف تھا۔ اس کے لئے پھر وہ سماجی حالات قصوروار ہیں جو اس وقت جرمنی میں تھے اور جنھوں نے اس کو اس طرح سڑنے پر مجبور کیا۔

لیکن فائرباخ نے جو اقدام نہیں کیا اسے بہر حال کرنا تھا۔ فائرباخ کے نئے مذہب کی جان یعنی تجریدی انسان کی پرستش کی جگہ اصلی انسانوں کی سائنس اور ان کے تاریخی ارتقا کو لینی تھی۔ فائرباخ سے ماورا فائرباخ کے مؤقف کے اس مزید ارتقا کا افتتاح مارکس نے ۱۸۴۵ ء میں اپنی کتاب ” مقدس خاندان “ میں کیا۔

۴

اشٹراؤس، باؤیر، اشٹرنر اوز فائرباخ اس حد تک هیگلیائی فلسفے کی شاخیں تھے جس حد تک انھوں نے فلسفے کے میدان کو نہیں چھوڑا تھا۔ اشٹراؤس نے اپنی کتابوں ” مسیح کی زندگی “ اور ” کٹر عقائد والے “ («Dogmatics») کے بعد رینان کے انداز میں صرف فلسفے اور کلیسائی تاریخ کی ادبی تحریروں کی طرف توجہ کی۔ باؤیر نے عیسائیت کے آغاز کی تاریخ کے شعبے میں کچھ حاصل کیا جو اهم تھا۔ اشٹرنر عجوبه هی رها حالانکه باکونین نے اس کو پرودھوں سے خلط ملط کرکے اس ملغوبے پر ” نراج “ کا لیبل لگا دیا۔ فلسفی کی حیثیت سے صرف فائرباخ هی اهم تھا۔ لیکن اس کےلئے نه صرف وہ فلسفه ناقابل گذر رکاوٹ هو گیا جو ساری خصوصی سائنسوں سے بالاتر هونے اور ان کو ملانےوالی سائنسوں کی سائنس هونے کا دعوی کرتا تھا اور جس کو وہ اٹل مقدس چیز سمجھتا تھا بلکه وہ فلسفی کی حیثیت سے بھی بیچ میں رک گیا — وہ نیچے سے مادہ‌پرست اور اوپر سے عینیت‌پرست تھا۔ وہ تنقید کے ذریعے هیگل کی خامیوں کو منظر عام پر نہیں لا سکا، اس لئے اس نے هیگل کو اپنے راستے سے الگ کر دیا جیسے وہ بیکار هو جبکه خود اس نے هیگلیائی سسٹم کی زبردست انسائیکلوپیڈیائی دولت کے مقابلے میں، لفاظی سے بھرپور

مثبت کا مذهب اور حقیر و بےجان اخلاقیات کے سوا کوئی اثباتی چیز نہیں پیش کی۔

هیگلیائی مکتب‌خیال کے انتشار سے ایک اور رجحان پیدا هوا ، ایسا واحد رجحان جو ثمر آور تھا۔ اور یه رجحان لازمی طور پر مارکس کے نام سے منسلک هے *۔

یہاں بھی هیگلیائی فلسفے سے تفریق مادیت کے مؤقف کی طرف واپسی کے ذریعه هوئی۔ اس کا مطلب یه هے که حقیقی دنیا — فطرت اور تاریخ — کو اس طرح سمجھنے کا فیصله کیا گیا جس طرح وه اپنے کو هر اس شخص کے سامنے پیش کرتی هے جو اس تک پہلے سے فرض کی هوئی عینیت کی من گھرٹ باتوں کے بغیر جاتا هے۔ یه فیصله کیا گیا که هر اس عینیت کی من گھڑت بات کو افسوس کے بغیر بھینٹ چڑھا دیا جائیگا جس کی هم‌آهنگی ان حقائق سے نہیں هے جو ان کی اپنی زندگی کے

---

* یہاں مجھے ایک ذاتی وضاحت کی اجازت دی جائے۔ حال میں اس نظریے میں میری شرکت کا باربار حواله دیا گیا هے اور اس بات کی وضاحت کےلئے اب مجھے کچھ کہنا ضروری هے۔ میں اس سے انکار نہیں کر سکتا که مارکس کے ساتھ چالیس ساله مشترکه کام سے پہلے اور اس کے دوران اس نظریے کی بنیادیں قائم کرنے میں میرا بھی کچھ حصه رها هے اور خصوصاً اس کی تفصیلی تکمیل میں۔ لیکن اس کے بنیادی اصولوں کا زیاده‌تر حصه ، خصوصاً معاشیات اور تاریخ کے شعبے میں ، اور سب سے زیاده اس کی آخری دقیق تشکیل مارکس کی هیں۔ جو کچھ میں نے اس میں کیا هے ، وه بہرحال چند مخصوص شعبوں میں میرے کام کے سوا ، مارکس خود بغیر میرے کر سکتے تھے۔ مارکس نے جو کچھ کیا هے وه میں کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ مارکس هم سب لوگوں سے زیاده بلند ، دور اندیش ، وسیع النظر اور تیزفهم تھے۔ مارکس غیرمعمولی ذهین دانش کے دیوپیکر کی حیثیت رکھتے تھے جبکه هم زیاده سے زیاده باجوهر کہے جا سکتے هیں۔ مارکس کے بغیر همارا نظریه ایسا نه هوتا جیسا وه آج هے۔ اس‌لئے یه نظریه بجا طور پر ان کے نام کا حامل هے۔ (اینگلس کا نوٹ)

ھیں (خیالی دنیا کے نہیں) - اور مادیت کا مطلب اس سے زیادہ کچھ نہیں ھے - لیکن یہاں پہلی بار مادی نظریۂ عالم کی جانب واقعی سنجیدگی برتی گئی اور اس کو استقامت سے (کم از کم بنیادی خصوصیات میں) علم کی تمام متعلقہ شاخوں تک پہنچایا گیا -

ہیگل کو محض طاق پر نہیں رکھا گیا - اس کے برعکس، اس کے انقلابی پہلو سے ، جدلیاتی طریقے سے شروع کیا گیا ، جسکا ذکر اوپر ہو چکا ھے - لیکن اپنی ہیگلیائی شکل میں یہ طریقہ ناقابل استعمال تھا - ہیگل کے خیال کے مطابق جدلیات تصور کا ارتقاء بالذات ھے - مطلق تصور کا وجود (نہیں معلوم کہاں) نہ صرف ازل سے ھے بلکہ وہ ساری موجودہ دنیا کی حقیقی اور جاندار روح بھی ھے - وہ اپنے آپ میں ان سب ابتدائی مدارج کے دوران ارتقا کرتا رہتا ھے جن کی تفصیلی بحث ''منطق،، میں کی جاتی ھے اور جو سب خود اس میں شامل ھیں - پھر وہ فطرت میں تبدیل ہوکر اپنے کو ''علحدہ،، کر لیتا ھے اور وہاں خودشعوری کے بغیر ، قدرتی ضرورت کے روپ میں ایک نئے ارتقا سے گذرتا ھے اور آخرکار انسان میں پھر اپنی خودشعوری تک واپس آتا ھے - اور یہ خودشعوری پھر تاریخ کی شکل میں اپنے آپ کی تکمیل کرتی ھے — ابتدائی شکل سے آخرکار ہیگلیائی فلسفے کی صورت میں مطلق تصور اپنے آپ تک دو بارہ واپس آ جاتا ھے -اسی لئے فطرت اور تاریخ میں نمودار ہونےوالا جدلیاتی ارتقا یعنی اس ترقی پسند تحریک کا ابتدا سے بلندی کو جانےوالا علت و معلول کا باھمی ربط جو تمام پرپیچ و خم حرکتوں اور عارضی پسپائیوں کے درمیان سے اپنا راستہ بنا لیتا ھے ، یہ ارتقا ہیگل کے خیال کے مطابق تصور کی اس خود حرکتی کی صرف نقل ھے جو ازل سے نہ جانے کہاں جا رہا ھے ، لیکن بہرصورت وہ سوچنےوالے انسان کے دماغ سے بالکل آزاد ھے - اس نظریاتی گمراھی کو ختم کرنا ضروری تھا - مادی نقطۂنظر کی طرف واپس آکر ھم نے انسانی تصورات میں حقیقی چیزوں کی شبیہیں دیکھیں بجائے اس کے کہ ھم حقیقی چیزوں کو مطلق تصور کی اس یا اس منزل کی شبیہیں سمجھتے - اس طرح جدلیات عبارت ہو گئی حرکت کے عام قوانین سے — خارجی دنیا اور انسانی غور و فکر دونوں کی حرکت کے

قوانین سے۔ یہ قوانین کے دو سلسلے ہیں جو اپنے مغز کے لحاظ سے ایک طرح لیکن اپنے اظہار میں اس حد تک مختلف ہوتے ہیں جتنا کہ انسانی دماغ ان کو شعوری طور پر استعمال کر سکتا ہے ، جبکہ فطرت میں اور ابھی تک زیادہ تر انسانی تاریخ میں بھی یہ قوانین غیر شعوری طور پر ، خارجی ضرورت کی شکل میں ایسے لامحدود واقعات کے درمیان اپنا راستہ بنا لیتے ہیں جو اتفاقی معلوم ہوتے ہیں ۔ اس طرح تصورات کی جدلیات خود حقیقی دنیا کی جدلیاتی حرکت کا شعوری پرتو بن گئی اور اس طرح ہیگل کی جدلیات کو اب گھما کر اس کے سر کے بجائے جس پر وہ کھڑی تھی، پیروں پر کھڑا کر دیا گیا ۔ اور یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ مادی جدلیات جو برسوں سے ہمارا بہترین آلہ‌کار اور شمشیربراں ہے اس کو صرف ہمیں نے نہیں بلکہ ہم سے بالکل الگ ، حتی کہ ہیگل سے بھی الگ، ایک جرمن مزدور ایوسیف دیتس گین * نے دریافت کیا ۔

بہرحال اس طرح ہیگلیائی فلسفے کے انقلابی پہلو کو پھر اختیار کیا گیا اور ساتھ ھی اس کو ان عینی حاشیوں سے صاف کر دیا گیا جنھوں نے ہیگل کو اسے مستقل طور پر رائج کرنے میں روکا تھا ۔ یہ عظیم بنیادی خیال کہ دنیا کو بنی بنائی اور مکمل چیزوں پر مشتمل نہیں بلکہ پیچیدہ عوامل کا ایسا مجموعہ سمجھنا چاہئے جس میں بظاہر بالکل غیرمبدل چیزیں اور ہمارے دماغوں میں ان کی شبیہیں یعنی تصورات ، بلا کسی وقفے کے برابر پیدا ہونے اورختم ہونے کی تبدیلی سے گذرتی ہیں جس میں تمام ظاہری ناگہانیت اور تمام عارضی رجعت کے باوجود بالاخر ایک ترقی‌پسند عمل اپنا راستہ بنا لیتا ہے — یہ عظیم بنیادی خیال خاص طور سے ہیگل کے وقت سے عام شعور میں اس طرح سرایت کر گیا ہے کہ اب اس کلیت کی مشکل سے ھی تردید کی جاسکتی ہے ۔ لیکن اس بنیادی خیال کو لفظی طور پر ماننا ایک بات ہے اور اس کو تحقیقات کے ہر شعبے میں تفصیل کے ساتھ حقیقتاً استعمال کرنا دوسری بات ۔ بہرحال اگر اس نقطۂ‌نظر سے متواتر تحقیقات کی جائے تو

---

* دیکھئے '' انسان کے دماغی کام کی نوعیت ۔ ایک مزدور کے قلم سے ،، ہیمبرگ ، میئسنیر کا اشاعت گھر ۔

سختتم فیصلوں اور ابدی سچائیوں کا مطالبہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ ہمیں انسان کے حاصل کئے ہوئے علم کے لازمی حدود اور اس واقعہ کا ہمیشہ احساس رہتا ہے کہ یہ علم ان حالات کا پابند اور مشروط ہوتا ہے جن میں اس کو حاصل کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف ہم سچ اور جھوٹ، نیک اور بد، مماثل اور مختلف، ضروری اور اتفاقی کے درمیان جیسی ضدیں اپنے اوپر لادنے کی اجازت نہیں دیتے جو پرانی لیکن ابھی تک عام مابعد الطبیعیات کے لئے ناقابل عبور ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ ضدین صرف نسبتی اہمیت رکھتی ہیں۔ جو کچھ اب سچ سمجھا جاتا ہے اس کے اندر جھوٹ کا پہلو بھی پنہاں ہے جو بعد کو ظاہر ہوگا، بالکل اسی طرح جیسے اب جو کچھ جھوٹ سمجھا جاتا ہے اپنا سچائی کا پہلو بھی رکھتا ہے جس کی بنا پر وہ پہلے ھی سچ سمجھا جا سکتا تھا۔ جو کچھ ضروری سمجھا جاتا ہے وہ خالص اتفاقات پر مشتمل ہوتا ہے اور جس کو ناگہانی خیال کیا جاتا ہے وہ ایسی شکل ہے جس کے پردے میں ضرورت اپنے آپ کو چھپاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

تحقیقات اور فکر کا پرانا طریقہ جس کو ھیگل ''مابعد الطبیعیاتی'' کہتا ہے جس میں چیزوں کی تحقیقات اس طرح کرنے کو ترجیح دی جاتی ہے جیسے وہ مختتم اور غیر مبدل ہوں، اس طریقے کا (جس کی باقیات ابھی تک لوگوں کے دماغ میں ہیں) اپنے زمانے میں بڑا تاریخی جواز تھا۔ قبل اس کے کہ عوامل کی تحقیقات ممکن ہوتی چیزوں کی تحقیقات ضروری تھی۔ یہ مشاہدہ کرنے سے قبل کہ کسی چیز میں کیا تبدیلیاں ہو رہی ہیں یہ جاننا ضروری تھا کہ وہ چیز کیا ہے۔ طبیعی سائنسوں میں بالکل یہی صورت‌حال تھی۔ پرانی مابعد الطبیعیات جو چیزوں کو مختتم سمجھتی تھی ایک ایسی طبیعی سائنس سے پیدا ہوئی تھی جو مردہ اور زندہ چیزوں کی تحقیقات مختتم اشیا کی حیثیت سے کرتی تھی۔ لیکن جب یہ تحقیقات اتنی آگے بڑھ گئی کہ فیصلہ کن قدم آگے بڑھانا ممکن ہوا یعنی ان تبدیلیوں کی باقاعدہ تحقیقات تک آنا ممکن ہوا جن سے یہ چیزیں خود فطرت میں گذرتی ہیں تو فلسفے کی دنیا میں پرانی مابعدالطبیعیات کی آخری ساعت بھی آ گئی۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ اگر طبیعی سائنس آخری صدی کے خاتمے تک زیادہ تر جمع کرنے والی سائنس، مختتم چیزوں

کی سائنس تھی تو ھماری صدی میں یہ لازمی طور پر ترتیب دینےوالی سائنس ھوگئی ، عوامل کی سائنس ، ان چیزوں کے آغازوارتقا اور ان باھمی تعلقات کی سائنس جو ان تمام قدرتی عوامل کو واحد اور عظیم سالم میں مربوط کرتی ھے ۔ عضویات کی سائنس جو پودوں اور جانوروں کے اجسام میں ھونےوالے عوامل کی تحقیقات کرتی ھے ، جنینیات کی سائنس ، جو کسی جسم کے ارتقا کا جرثومے سے لیکر پختگی تک مطالعہ کرتی ھے ، ارضیات کی سائنس جو زمین کی سطح کی تدریجی تشکیل کی تحقیقات کرتی ھے — یہ سب ھماری ھی صدی کی پیداوار ھیں ۔

خاص طور پر تین عظیم دریافتوں نے قدرتی عوامل کے باھمی تعلقات کے بارے میں ھماری معلومات کو بڑی تیزی سے بڑھایا ھے ۔

اول ، خلیے کی دریافت ایسی اکائی کی حیثیت سے جس کی روزافزوں افزائش ھونے اور تدریجی منقسم ھونے کی وجہ سے پودے یا جانور کا پورا جسم نشو و نما پاتا ھے ۔ اس دریافت نے ھم کو یہی یقین نہیں دلایا کہ سارے اعلی اجسام کی نشو و نما ایک عام قانون کے مطابق ھوتی ھے بلکہ خلیے کی تبدیل ھونے کی صلاحیت دکھا کر وہ طریقہ بھی بتایا جس سے اجسام اپنی قسموں میں بھی تبدیلی کرتے ھیں اور اس طرح وہ انفرادی ارتقا سے زیادہ بڑے ارتقائی عوامل سے گذرتے ھیں ۔

دوسری دریافت ، توانائی میں تغیر ھے جس نے ھمیں یہ دکھایا ھے کہ وہ تمام نام‌نہاد قوتیں جو سب سے پہلے غیرنامیاتی فطرت میں کارفرما ھوئیں — حرکی قوت اور اس کا ضمیمہ توانائی بالقوۃ ، حرارت ، شعاع ریزی (روشنی یا شعاع ریز حرارت) ، بجلی کی قوت ، مقناطیسی‌قوت اور کیمیائی توانائی — یہ سب ایک ھمہ گیر حرکت کے مظہر کی مختلف شکلیں ھیں جو ایک دوسرے میں مقررہ تناسب سے اس طرح گذرتی ھیں کہ ایک کی معینہ مقدار غائب ھونے پر اس کی جگہ دوسری کی معینہ مقدار آجاتی ھے ، اوراس طرح فطرت کی ساری حرکت ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیل ھونے کا متواتر عمل ھے ۔

آخر میں تیسری دریافت ، وہ ثبوت ھے جو ڈارون نے مربوط شکل میں مرتب کیا کہ سارے قدرتی اجسام جو اب ھمارے اردگرد ھیں ، جن میں انسان بھی شامل ھے ، واحد خلیوں والے چند ابتدائی جنین کے ارتقا

کے ایک طویل عمل کا نتیجہ ھیں اور یہ جنین خود پروٹوپلازم یا البومین کی پیداوار ھیں جو کیمیائی ذرائع سے وجود میں آئے تھے۔
ان تین دریافتوں اور طبیعی سائنس میں دوسری زبردست ترقیوں کی وجہ سے ہم ایسے نقطے پر پہنچ گئے جہاں ہم قدرتی عوامل کے درمیان باھمی رابطے کو نہ صرف مخصوص شعبوں میں بلکہ ان مخصوص شعبوں کے باھمی رابطے کو بھی مجموعی طور پر دکھا سکتے ھیں۔ اور اس طرح ان حقائق کی مدد سے جو تجربی طبیعی سائنس خود فراھم کرتی ھے ھم فطرت میں باھمی روابط کا جامع نقشہ کافی باقاعدہ شکل میں پیش کر سکتے ھیں۔ پہلے یہ جامع نقشہ پیش کرنا نام نہاد فلسفۂ فطرت کا کام تھا۔ وہ اس کو صرف حقیقی لیکن ھنوز انجانے روابط کی جگہ خیالی من گھڑت روابط کو لا کر، نامعلوم حقائق کی جگہ فضول خیالات کو بھر کر اور حقیقی خلاؤں کو محض پروازخیال سے پاٹ کر، کر سکتا تھا۔ اس عمل کے دوران اس نے بہت سے تیزطبع خیالات کی قیاس‌آرائی کی اور مستقبل کی بہت سی دریافتوں کی پیش گوئی کی لیکن اس نے کافی فضولیات بھی ڈھیر کر دیں۔ اس کے سوا اور کچھ ھو بھی نہیں سکتا تھا۔ آج جب کہ ھمیں طبیعی سائنس کی تحقیقات کے نتائج کو صرف جدلیاتی نقطۂنظر سے سمجھنے کی ضرورت ھے یعنی ان کے اپنے باھمی روابط کے معنی میں تاکہ "فطرت کے ایسے نظام" تک پہنچا جا سکے جو ھمارے زمانے کےلئے موزوں ھو اور جبکہ اس باھمی روابط کی جدلیاتی نوعیت طبیعی سائنس کے ان ماھروں کے مابعدالطبیعیاتی تربیت‌یافتہ دماغوں تک میں زبردستی گھستی جا رھی ھے، تو اب اس فلسفۂفطرت کا کام تمام سمجھئے۔ اس میں پھر جان ڈالنے کی ھر کوشش نہ صرف فضول بلکہ پیچھے کی طرف قدم ھوگا۔

لیکن جو کچھ فطرت کےلئے صحیح ھے جس کو ھم ارتقا کا تاریخی عمل بھی مانتے ھیں، وھی سماج کی تاریخ کےلئے اس کی ساری شاخوں میں اور ان تمام سائنسوں کی کلیت کےلئے بھی صحیح ھے جو انسانی (اور الوھی) چیزوں سے تعلق رکھتی ھیں۔ یہاں بھی تاریخ، حقوق اور مذھب وغیرہ کا فلسفہ اس پر مشتمل رھا ھے کہ اس حقیقی باھمی رابطے کی جگہ جس کو واقعات میں دیکھنا تھا اس من گھڑت باھمی رابطے کو

دے دی گئی تھی جو فلسفی کے دماغ کی پیداوار تھا۔ تاریخ ، حقوق اور مذہب وغیرہ کا فلسفہ اس پر بھی مشتمل رہا ہے کہ تاریخ کو مجموعی طور پر اور اس کے الگ الگ حصوں کو بھی خیالات کی اور ، ظاہر ہے ، اسی لئے ہر ایک معین فلسفی کے صرف محبوب خیالات کی رفتہ رفتہ تکمیل سمجھا گیا۔ اس کے مطابق تاریخ غیرشعوری لیکن ضروری طور پر ایسے معینہ مثالی مقصد کےلئے کام کر رہی تھی جو پہلے سے مقرر کر دیا گیا تھا۔ مثلاً ہیگل کے یہاں ایسا ہی مقصد مطلق‌خیال کی تکمیل تھی اور اس مطلق خیال کی طرف آنےوالا اٹل رجحان تاریخی واقعات کا اندرونی باہمی ربط تھا۔ اس طرح حقیقی اور ابھی تک انجانے باہمی رابطے کی جگہ ایک نئی اور پراسرار پیش‌بینی کو دی گئی جو غیر شعوری تھی یا رفتہ رفتہ شعور حاصل کر رہی تھی۔ اس لئے فطرت کے شعبے کی طرح یہاں بھی اس کی ضرورت تھی کہ ان من گھڑت اور مصنوعی باہمی روابط کو اصلی روابط کی دریافت کے ذریعہ ختم کر دیا جائے۔ یہ حرکت کے ایسے عام قوانین کی دریافت کا فریضہ تھا جو غالب عناصر کی حیثیت سے انسانی سماج کی تاریخ میں اپنا راستہ ہموار کرتے ہیں۔

بہر حال ایک لحاظ سے سماج کے ارتقا کی تاریخ فطرت کی تاریخ سے قطعی مختلف ہے۔ فطرت میں (اس حد تک جتنا کہ ہم فطرت پر انسان کے اثر کو نظرانداز کر دیں) صرف اندھی اور بےشعور قوتیں ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتی ہیں جن کے باھمی ردعمل سے عام قوانین ظہور میں آتے ہیں۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے (خواہ وہ بے شمار عیاں اتفاقات میں ہو جو سطح سے ہی دیکھے جا سکتے ہیں یا ان مختتم نتائج میں جو ان اتفاقات کے اندر پنہاں باقاعدگی کی تصدیق کرتے ہیں) وہ کسی ایسے مقصد کے مطابق نہیں ہوتا جس کی خواہش شعوری طور پر کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس ، سماج کی تاریخ میں سارے اداکار باشعور اور ایسے لوگ ہوتے ہیں جو سوچ سمجھ کر یا جوش کے تحت واضح مقاصد کےلئے عمل کرتے ہیں۔ کسی باشعور تہیہ کے بغیر ، کسی باارادہ مقصد کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ امتیاز ، تاریخی تحقیقات کےلئے خصوصاً الگ الگ ادوار اور واقعات کی تحقیقات کےلئے اہم ہونے کے باوجود اس حقیقت کو نہیں بدل سکتا کہ تاریخ کے دھارے پر اندرونی عام قوانین ہی کا راج

ہے ۔ کیونکہ یہاں بھی مجموعی طور پر ، تمام افراد کے باشعور اور حسب خواہش مقاصد کے باوجود سطح پر نمایاں طور سے اتفاق کا ہی راج ہے ۔ جس کی خواہش کی جاتی ہے وہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے ۔ زیادہ تر صورتوں میں بہت سے خواہش شدہ مقاصد ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں یا یہ مقاصد ابتدا سے ناقابل تکمیل ہوتے ہیں یا ان کے حصول کے ذرائع ناکافی ہوتے ہیں ۔ اس طرح تاریخ کی دنیا میں بےشمار انفرادی خواہشوں اور انفرادی اقدامات کے تصادم بالکل ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں جو بےشعور فطرت کی دنیا کے حالات سے مشابہہ ہوتے ہیں ۔ اقدامات کے مقاصد تو ارادی ہوتے ہیں لیکن ان اقدامات سے جو نتائج واقعی برآمد ہوتے ہیں وہ ارادی نہیں ہوتے ۔ اور اگر وہ پہلی نظر میں ارادی مقصد سے مطابقت رکھتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں تو بالآخر ان کے سب سے آخر نتائج اس سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جن کا ارادہ کیا گیا تھا ۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی واقعات پر بھی مجموعی طور سے اتفاق کی چھاپ ہے ۔ لیکن جہاں سطحی طور پر اتفاق کا راج ہوتا ہے وہاں یہ اتفاقات ہمیشہ اندرونی اور پنہاں قوانین کے تحت ہوتے ہیں ۔ سارا کام صرف ان قوانین کو دریافت کرنا ہے ۔

انسان خود اپنی تاریخ تخلیق کرتے ہیں ، اس کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو ۔ اس میں ہر شخص اپنے باشعور مقصد کی پیروی کرتا ہے اور انسانوں کی مختلف سمتوں میں کارفرما خواہشوں اور خارجی دنیا پر ان کے نوع بنوع اثرات کا نتیجہ ہی تاریخ کی تشکیل ہے ۔ اس لئے یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے افراد کی خواہش کیا ہے ۔ مرضی کا تعین جذبے یا فکر سے کیا جاتا ہے ۔ لیکن وہ محرکات جو جذبے یا فکر کا فوراً تعین کرتی ہیں بہت ہی نوع بنوع ہوتی ہیں ۔ جزوی طور پر یہ خارجی اشیا ہو سکتی ہیں اور جزوی طور پر ذہنی محرکات : جاہ طلبی ، '' حق و انصاف کا جوش '' ، ذاتی نفرت یا کسی نہ کسی طرح کی خالص انفرادی من کی موج ۔ لیکن ایک طرف ہم دیکھ چکے ہیں کہ تاریخ میں کارفرما بہت سی انفرادی مرضیاں زیادہ‌تر ایسے نتائج پیدا کرتی ہیں جو ان سے بالکل مختلف ، بلکہ اکثر مخالف ہوتے ہیں جن کے حصول کا ارادہ کیا گیا تھا ۔ اسی لئے ان کے محرکات بھی ، مجموعی نتیجے کے

لحاظ سے صرف ثانوی اہمیت کے رہ جاتے ہیں ۔ دوسری طرف ، ایک نیا سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے — کون سی محرک قوتیں ان محرکات کی پشت پر ہوتی ہیں ؟ وہ تاریخی اسباب کیا ہیں جو اپنے آپ کو سرگرم کار لوگوں کے دماغوں میں معینہ محرک قوتوں کی شکل میں تبدیل کر لیتے ہیں ؟

پرانی مادیت نے اپنے سے یہ سوال کبھی نہیں کیا ۔ اس لئے اس کا تاریخ کا نظریہ (اگر اس کے پاس کوئی تھا تو) بنیادی طور پر نظریۂ عملیت (pragmatic) تھا — وہ ہر چیز کا اندازہ اقدام کے مقاصد سے لگاتا ہے اور تاریخ میں کارفرما لوگوں کو شریف اور رذیل میں تقسیم کرتا ہے اور پھر یہ انکشاف کرتا ہے کہ عام طور پر شرفا دھوکا کھاتے ہیں اور رذیلوں کی جیت ہوتی ہے ۔ اس سے پرانی مادیت کے لئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تاریخ کے مطالعہ سے کوئی ذہنی بالیدگی نہیں ہوتی ، اور ہمارے لئے تاریخ کی دنیا میں پرانی مادیت خود اپنے لئے جھوٹی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ کارفرما ذہنی محرک قوتوں کو سختتم اسباب سمجھتی ہے ، بجائے یہ تحقیقات کرنے کے کہ ان محرک قوتوں کی پشت پر کیا ہے اور ان محرک قوتوں کی محرک قوتیں کیا ہیں ۔ بے اصولی یہ نہیں ہے کہ ذہنی محرک قوتوں کا اعتراف کیا جاتا ہے بلکہ یہ کہ انہیں پر قناعت کی جاتی ہے اور آگے بڑھ کر ان کے محرک اسباب کی تحقیقات نہیں کی جاتی ۔ اسکے برعکس ، تاریخ کا فلسفہ ، خصوصاً ہیگل کے یہاں ، اس کو تسلیم کرتا ہے کہ تاریخ میں کارفرما لوگوں کے ظاہری اور واقعی عملی محرکات کسی طرح بھی تاریخی واقعات کے سختتم اسباب نہیں ہوتے ، ان محرکات کے پیچھے دوسری محرک قوتیں ہوتی ہیں جن کو دریافت کرنا چاہئے ۔ لیکن تاریخ کا فلسفہ ان قوتوں کو خود تاریخ میں نہیں تلاش کرتا بلکہ ان کو باہر سے تاریخ میں لاتا ہے ، فلسفیانہ آئیڈیالوجی سے ۔ مثلاً ہیگل قدیم یونان کی تاریخ کی وضاحت اس کے اندرونی باہمی روابط سے کرنے کے بجائے صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ "حسین انفرادیت کی اشکال" کی ترتیب ، اپنی جگہ "فنی تخلیق" کی تکمیل کے سوا اور کچھ نہیں ہے ۔ اس سلسلے میں وہ قدیم یونانیوں کے بارے میں بہت سی عمدہ اور گہری باتیں کہتا ہے لیکن ایسی وضاحت سے جو محض لفاظی ہے آج ہم مطمئن نہیں ہو سکتے ۔

اس لئے جب سوال ان محرک قوتوں کی تحقیقات کا آتا ہے جو شعوری یا غیرشعوری طور پر (اور واقعی زیادہ‌تر غیرشعوری طور پر) تاریخ میں کارفرما لوگوں کے مقاصد کی پشت پر ہوتی ہیں اور جو تاریخ کی حقیقی محرک قوتیں مرتب کرتی ہیں تب الگ الگ افراد کے مقاصد کا سوال اتنا نہیں ہوتا — چاہے وہ کتنے ہی ممتاز افراد کیوں نہ ہوں — جتنا ان مقاصد کا جو کثیر تعداد لوگوں کو، پوری کی پوری قوموں کو اور پھر ہر قوم میں پورے کے پورے طبقوں کو حرکت میں لاتے ہیں۔ اور یہاں بھی وقتی عمل اہم نہیں ہے جو گھاس پھوس کی طرح ذرا دیر بھڑک کر جلتا ہے اور خاک ہو جاتا ہے بلکہ ایک مسلسل اقدام جس کا نتیجہ عظیم تاریخی تبدیلی ہوتی ہے۔ ان محرک اسباب کی تحقیقات کرنا جو سرگرم کار عوام اور ان کے رہنماؤں، نام نہاد عظیم ہستیوں کے ذہنوں میں باشعور مقاصد کی حیثیت سے صاف یا مبہم، براہ راست یا نظریاتی حتی کہ بھڑکیلی شکل میں معکوس ہوتے ہیں — یہی وہ واحد راستہ ہے جو ہمیں ان قوانین کے ادراک کی طرف لے جاتا ہے جن کا راج تاریخ میں مجموعی طور پر اور الگ الگ ادوار اور ممالک میں ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جو آدمی کو حرکت میں لاتی ہے اسے اس کے ذہن سے ضرور گذرنا چاہئے۔ لیکن وہ ذہن میں کیا شکل اختیار کریگی اس کا انحصار بڑی حد تک حالات پر ہوتا ہے۔ مزدور اب مشینیں نہیں توڑتے جیسا کہ ۱۸۴۸ء میں وہ رھائن کےصوبے میں کرتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ انہوں نے سرمایہ‌دارانہ مشینی صنعت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔

تمام پچھلے ادوار میں تاریخ کے ان محرک اسباب کی تحقیقات ناممکن تھی (ان کے اور ان کے نتائج کے درمیان پیچیدہ اور پنہاں باھمی روابط کی وجہ سے)۔ لیکن ھمارے موجودہ دور نے ان باھمی روابط کو اتنا آسان بنا دیا ہے کہ بالآخر یہ معمہ حل کیا جا سکتا ہے۔ بڑے پیمانے کی صنعت کے قیام کے زمانے سے یعنی کم از کم ۱۸۱۵ء کی صلح کے وقت سے انگلستان میں کسی کےلئے بھی یہ بات راز نہیں رہی کہ وہاں کی ساری سیاسی جدوجہد کا مرکز دو طبقوں کے درمیان برتری کا دعوی تھا۔ یہ طبقات جاگیردار شرفا اور بورژوازی (middle class) تھے۔

فرانس میں بھی شاہی خاندان بوربون کی بحالی نے لوگوں کو یہ حقیقت سمجھنے میں مدد دی ۔ تجدید شاہی (۱۸) کے دور کے مؤرخ ، تئیری سے لیکر گیزو ، سینئے اور تیئر تک اس حقیقت کا ذکر ہر جگہ قرون‌وسطی سے ساری فرانسیسی تاریخ کو سمجھنے کی کنجی کی حیثیت سے کرتے ھیں ۔ اور ۱۸۳۰ ء سے مزدور طبقے کو ، پرولتاریہ کو ان دونوں ملکوں میں اقتدار کےلئے تیسرا دعویدار تسلیم کر لیا گیا ھے ۔ حالات اتنے سیدھے سادے ھو گئے کہ اگر کوئی ان تین بڑے طبقوں کی جدوجہد اور ان کے مفادات کے تصادم میں جدید تاریخ کی محرک قوت (کم از کم دو انتہائی ترقی‌یافتہ ملکوں میں) دیکھنا نہیں چاھتا تھا تو اس کو اپنی آنکھیں جان بوجھکر بند کرنی پڑتی تھیں ۔

لیکن یہ طبقات کیسے وجود میں آئے ؟ اگر پہلی نظر میں اس بڑی جائداد کے آغاز کو جو کبھی جاگیردارانہ تھی ، کم از کم سب سے پہلے سیاسی اسباب سے ، زبردستی قبضہ کرنے سے منسوب کیا جا سکتا تھا تو اب بورژوازی اور پرولتاریہ کے سلسلے میں ایسا نہیں کہا جا سکتا ۔ یہ صاف ھوگیا کہ ان دو بڑے طبقات کے آغاز و ارتقا کے صریحی اسباب معاشی تھے ۔ اور یہ بات بھی اتنی ھی صاف تھی کہ جاگیردارانہ ملکیت اور بورژوازی کے درمیان جدوجہد کی طرح بورژوازی اور پرولتاریہ کے درمیان جدوجہد میں بھی معاشی مفادات کا سوال سب سے پہلا تھا جن کے حصول کے لئے سیاسی اقتدار کو محض ذریعہ کی حیثیت سے کام کرنا تھا ۔ بورژوازی اور پرولتاریہ دونوں معاشی حالات میں تبدیلی کی پیداوار تھے بلکہ یہ کہنا زیادہ ٹھیک ھوگا کہ پیداوار کے طریقے میں تبدیلی کے ۔ پہلے گلڈوں کی دستکاری سے کارخانےداری تک اور پھر کارخانےداری سے بھاپ اور مشینی طاقت سے لیس بڑے پیمانے کی صنعت تک عبور ان دو طبقوں کے ارتقا کا سبب تھا ۔ ایک منزل پر پہنچ کر وہ نئی پیداواری طاقتیں جو بورژوازی حرکت میں لائی تھی (سب سے پہلے محنت کی تقسیم اور ایک عمومی فیکٹری میں بہت سے الگ الگ مزدوروں کو متحد کرنا) اور تبادلے کے وہ حالات اور تقاضے جو ان پیداواری طاقتوں کی بدولت وجود میں آئے تھے اس وقت کے پیداواری نظام سے نامطابق ھو گئے جو تاریخ سے وراثت میں ملا تھا اور

جس کو قانون نے مقدس بنا دیا تھا یعنی جاگیردارانہ نظام میں رائج دستکاروں کی گلڈ کی مراعات اور بہت سی دوسری ذاتی اور مقامی مراعات سے (جو مراعات نہ رکھنےوالے حلقوں کے لئے زنجیریں بن گئی تھیں) ناسطابق تھے۔ پیداواری طاقتوں نے بورژوازی کے روپ میں اس پیداواری نظام کے خلاف بغاوت کر دی جس کی نمائندگی جاگیردار اور دستکار استاد کرتے تھے۔ اس کا جو نتیجہ ہوا وہ معلوم ہے : یعنی انگلستان میں رفتہ رفتہ اور فرانس میں بیک ضرب جاگیردارانہ زنجیریں توڑ ڈالی گئیں۔ جرمنی میں یہ عمل ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ لیکن بالکل اسی طرح جیسے اپنے ارتقا کی ایک معینہ منزل پر کارخانہ‌داری اور جاگیردارانہ پیداواری نظام میں تصادم ہوا تھا اسی طرح اب بڑے پیمانے کی صنعت کا ٹکراؤ بورژوا پیداواری نظام سے ہو رہا ہے جو جاگیردارانہ نظام کی جگہ قائم ہوا ہے۔ اس نظام سے بندھی ہوئی، سرمایہ‌دارانہ طریقۂپیداوار کے تنگ حدود میں گھری ہوئی یہ صنعت ایک طرف کثیر تعداد لوگوں کو روزافزوں پرولتاریہ بنا رہی ہے اور دوسری طرف بہت زیادہ ناقابل‌فروخت سامان تیار کر رہی ہے۔ فاضل پیداوار اور کثیر تعداد لوگوں کی خستہ حالی (یہ ایک دوسرے کا سبب ہیں) — ایسا لغو تضاد ہے جو اس نظام کا نتیجہ ہے اور ضروری مطالبہ کرتا ہے کہ طریقۂپیداوار میں تبدیلی کے ذریعہ پیداواری طاقتوں کو آزاد کرایا جائے۔

اس طرح کم از کم جدید تاریخ میں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ہر سیاسی جدوجہد طبقاتی جدوجہد ہوتی ہے اور آزادی کے لئے ہر طبقاتی جدوجہد اپنی لازمی سیاسی شکل کے باوجود (کیونکہ ہر طبقاتی جدوجہد سیاسی جدوجہد ہوتی ہے) بالآخر معاشی آزادی کا سوال بن جاتی ہے۔ اس لئے کم از کم جدید تاریخ میں ریاست (سیاسی نظام) ماتحت ہوتی ہے اور مدنی سماج (معاشی تعلقات کا دائرہ) فیصلہ کن عنصر بن جاتا ہے۔ روایتی نظریہ، جس کو ہیگل بھی خراج‌عقیدت پیش کرتا ہے، ریاست کو فیصلہ کن عنصر اور مدنی سماج کو ایسا عنصر سمجھتا ہے جس کا تعین ریاست کرتی ہے۔ بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح کسی فرد کے اقدامات کی ساری محرک طاقتوں کو اس کے دماغ سے گذرنا اور اس کی مرضی کے مقاصد کی شکل میں اپنے کو تبدیل کرنا

ہوتا ہے تاکہ وہ فرد سرگرم‌عمل ہو سکے ، اسی طرح مدنی سماج کی تمام ضروریات کو (خواہ اس وقت کوئی بھی طبقہ حکمراں ہو) ریاست کی مرضی سے گذرنا چاہئے تاکہ قوانین کی شکل میں وہ عام طور پر جائز ہو جائیں ۔ یہ معاملے کا ظاہری پہلو ہے جو بجائے خود عیاں ہے ۔ لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس محض ظاہری مرضی کا مغز کیا ہے ، (فرد یا پوری ریاست کی مرضی کا مغز) اور یہ مغز کہاں سے حاصل کیا جاتا ہے اور صرف اسی چیز کی خواہش کیوں کی جاتی ہے ، کسی دوسری کی کیوں نہیں ؟ اگر ہم اس کی چھان‌بین کریں تو پتہ چلتا ہے کہ جدید تاریخ میں ریاست کی مرضی کا مجموعی طور پر تعین مدنی سماج کی بدلتی ہوئی ضرورتوں سے ، اس یا اس طبقے کی برتری سے اور آخری صورت میں پیداواری طاقتوں کے ارتقا اور تبادلے کے تعلقات سے ہوتا ہے ۔

لیکن اگر ہمارے جدید دور میں بھی جو پیداوار اور رسل و رسائل کے زبردست ذرائع رکھتا ہے ، ریاست آزاد ارتقاوالا آزاد منطقہ نہیں ہے بلکہ بالآخر اپنے وجود اور نشو و نما کے لئے سماجی زندگی کے معاشی حالات پر منحصر ہے ، تو یہی اس سے پہلے کے زمانوں کےلئے اور زیادہ صحیح ہوگا جبکہ انسان کی مادی زندگی کی پیداوار ایسے پرافراط امدادی ذرائع سے نہیں ہوتی تھی اور اسی لئے ایسی پیداوار کی ضرورت انسان پر زیادہ حاوی رہی ہوگی ۔ اگر ریاست آج بھی ، بڑی صنعت اور ریلوے کے دور میں ، مرکوز طور سے عکس ہے اس طبقے کی معاشی ضرورتوں کا جو پیداوار کو کنٹرول کرتا ہے تو اس دور میں ریاست کا یہ رول اس سے بھی زیادہ ایسا رہا ہوگا جب ہر نسل انسانی اس بات پر مجبور تھی کہ وہ اپنی زندگی کا نسبتاً زیادہ بڑا حصہ مادی ضرورتوں کو پورا کرنے پر صرف کرے اور اسی لئے وہ ان کی اس سے کہیں زیادہ محتاج تھی جتنے آج ہم ہیں ۔ پہلے کے ادوار کی تاریخ کا جائزہ (اگر اس پر ذرا سنجیدگی کے ساتھ اس زاوئے سے غور کیا جائے) اس کی بھرپور تصدیق کرتا ہے ۔ لیکن بہرحال ایسا جائزہ ہم یہاں نہیں لے سکتے ۔

اگر ریاست اور ریاستی قانون کا تعین معاشی تعلقات سے ہوتا ہے تو شہری قانون کا تعین بھی اسی طرح ہوتا ہے جس کا نچوڑ حقیقی طور پر یہ ہے کہ وہ افراد کے درمیان موجود معاشی تعلقات کی تصدیق کرتا ہے

جو ان حالات میں حسب‌معمول ہوتے ہیں۔ جس شکل میں یہ تصدیق ہوتی ہے ، وہ بہرنوع مختلف قسم کی ہو سکتی ہے ۔ یہ ممکن ہے ، جیسا کہ انگلستان میں ہوا ، کہ پوری قومی ترقی کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوئے ، پرانے جاگیردارانہ قوانین کی زیادہ تر شکلوں کو برقرار رکھا جائے جبکہ ان کو نیا بورژوا مافیہ فراہم کیا جائے ، بلکہ درحقیقت جاگیردارانہ نام میں براہ راست بورژوا معنی پڑھ لئے جائیں ۔ لیکن رومن قانون کو جو جنس پیدا کرنےوالوں کے سماج کا پہلا عالمی قانون تھا اور جس نے ابتدائی اجناس کے مالکوں کے درمیان تمام اہم قانونی تعلقات (خرید اور فروخت کرنےوالوں ، قرض لینے اور دینےوالوں ، سمجھوتوں اور واجبات وغیرہ) کی لاجواب وضاحت کی تھی ، بنیاد کی حیثیت سے لیا جا سکتا ہے جیسا کہ مغربی یورپ میں کیا گیا ۔ اس صورت میں ، ایسے سماج کے فائدے کےلئے جو ابھی تک پیٹی‌بورژوا اور نیم‌جاگیردارانہ ہے ، اس قانون کو یا تو عدالتی کارروائی کے ذریعہ اس سماج کی سطح تک گرایا جا سکتا ہے یا مبینہ روشن‌خیال اور اخلاق کی تلقین کرنےوالے قانون‌دانوں کی مدد سے ایک مخصوص ضابطۂقانون تیار کیا جا سکتا ہے جو اس سماجی سطح کے مطابق ہو یعنی ایسا ضابطہ جو ان حالات میں قانونی نقطۂنظر سے بھی برا ہوگا (مثلاً پروشیائی قانون اراضی) ۔ آخرکار عظیم بورژوا انقلاب کے بعد یہ بھی ممکن ہے کہ فرانسیسی (۱۹) Code Civil جیسے بورژوا سماج کے کلاسیکی ضابطۂقانون کو اسی رومن قانون کی بنیاد پر مرتب کیا جائے ۔ اس لئے اگر شہری قانون کے قاعدے صرف سماجی زندگی کے معاشی حالات کا اظہار قانونی شکل میں کرتے ہیں تو وہ صورت حال پر مبنی ہوکر یہ اظہار اچھی یا بری طرح کر سکتے ہیں ۔

ریاست اپنے کو انسان کے اوپر پہلی نظریاتی طاقت کی حیثیت سے پیش کرتی ہے ۔ سماج اپنے لئے ایک ادارے کی تشکیل کرتا ہے تاکہ وہ اندرونی اور بیرونی حملوں سے اپنے مشترکہ مفادات کی حفاظت کر سکے ۔ یہ ادارہ — ریاستی اقتدار ہے ۔ وجود میں آتے ہی یہ ادارہ اپنے کو سماج سے خودمختار کر لیتا ہے اور وہ اس میں اتنا زیادہ کامیاب ہوتا ہے جتنا وہ ایک مخصوص طبقے کا ادارہ بن جاتا ہے اور جتنا براہ‌راست اس طبقے کی برتری کو مسلط کرتا ہے ۔ حکمراں طبقے کے خلاف مظلوم طبقے کی

لڑائی لازمی طور پر ایک سیاسی لڑائی بن جاتی ہے ، سب سے پہلے اس طبقے کے سیاسی غلبے کے خلاف لڑائی ۔ اس سیاسی جدوجہد اور اس کی معاشی بنیاد کے درمیان باہمی رابطے کا شعور دھندلا پڑ جاتا ہے اور کھو بھی سکتا ہے ۔ اگرچہ اس لڑائی کے شرکا اس کو بالکل نہیں کھو بیٹھتے پھر بھی مؤرخوں کے ساتھ یہ ہمیشہ ہوتا ہے ۔ رومن ریپبلک کے اندر جو لڑائیاں ہوئیں ان کے بارے میں قدیم مؤرخوں میں سے صرف آپین ہی یہ صاف اور واضح طور پر بتاتا ہے کہ بالآخر متنازعہ مسئلہ کیا تھا ، یعنی ملکیت اراضی ۔

لیکن ریاست سماج سے خودمختار طاقت بن کر فوراً نئی آئیڈیالوجی پیدا کر دیتی ہے ۔ پیشہ‌ور سیاست‌دانوں ، ریاستی قانون کے نظریہ‌دانوں اور قانون عامہ کے ماہروں میں معاشی حقیقتوں کا رابطہ مختتم طور پر کھو جاتا ہے ۔ چونکہ ہر منفرد معاملے میں معاشی حقیقتوں کو قانونی تصدیق حاصل کرنے کےلئے قانونی مقاصد کی شکل اختیار کرنا چاہئے، اور چونکہ ایسا کرنے میں واقعی اس سارے قانونی نظام کا جائزہ لینا پڑتا ہے جو رائج ہے اس لئے نتیجے میں قانونی شکل سب کچھ ہو جاتی ہے اور معاشی مغز کچھ بھی نہیں رہتا ۔ ریاستی قانون اور شہری قانون ایسے الگ الگ شعبے تصور کئے جاتے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنا الگ الگ تاریخی ارتقا رکھتا ہو اور ہر ایک میں سارے اندرونی تضادات کو مستقل طور پر دور کرکے ضروری باقاعدہ وکالت کی صلاحیت ہو ۔

اس سے زیادہ اونچے درجے کے نظریات جو مادی معاشی بنیاد سے اور بھی دور ہوتے ہیں فلسفے اور مذہب کی شکل اختیار کر لیتے ہیں ۔ یہاں نظریات اور ان کے وجود کے مادی حالات کے درمیان باہمی ربط درمیانی کڑیوں کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ پیچیدہ اور دھندلا ہوتا جاتا ہے ۔لیکن باہمی رابطہ برقرار رہتا ہے ۔ جس طرح کہ پورا نشاۃثانیہ (۲۰)، پندرھویں صدی کے وسط سے لازمی طور پر شہروں اور اسی لئے شہریوں (bürghers) کی پیداوار تھا اسی طرح وہ فلسفہ بھی تھا جو اس کے بعد نیا نیا ابھرا تھا ۔ اس کا نچوڑ صرف ان خیالات کا فلسفیانہ اظہار تھا جو چھوٹے اور اوسط درجے کے شہریوں کے بڑی بورژوازی میں تبدیل ہونے سے مطابقت رکھتے تھے ۔ یہ پچھلی صدی کے انگریزوں اور فرانسیسیوں میں کافی

صاف طور پر نظر آتا ہے جو اکثر سیاسی معاشیات کے اتنے ہی ماہر تھے جتنے کہ فلسفی۔ جہاں تک یہ سوال ہیگلیائی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہے ہم اس کو اوپر ثابت کر چکے ہیں۔

اب ہم ایک سرسری نظر مذہب پر ڈالینگے کیونکہ وہ مادی زندگی سے سب سے زیادہ دور اور سب سے زیادہ بیگانہ معلوم ہوتا ہے۔ مذہب بہت ہی قدیم زمانے میں آدمیوں کے ان ابتدائی اور جاہلانہ تصورات سے پیدا ہوا جو وہ خود فطرت اور اردگرد کی خارجی فطرت کے بارے میں رکھتے تھے۔ ہر آئیڈیالوجی جب ایک بار پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا ارتقا سارے موجود تصورات کے مطابق ہوتا ہے اور پھر وہ ان تصورات کو اور فروغ دیتی ہے ورنہ وہ آئیڈیالوجی نہیں ہوتی، یعنی اس کا تعلق خیالات سے آزاد وجودوں کی حیثیت سے نہیں رہتا جن کا ارتقا آزادانہ ہوتا ہے اور جو صرف اپنے قوانین کے تحت کام کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی مادی زندگی کے حالات جن کے دماغوں میں یہ فکری عمل ہوتا ہے بالآخر اس عمل کے راستے کا تعین کرتے ہیں۔ لیکن لوگوں کو اس عمل کا قطعی پتہ نہیں چلتا ورنہ ساری آئیڈیالوجی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ ابتدائی مذہبی تصورات جو عام طور پر یک‌جدی قوموں کے ہر گروہ میں مشترکہ ہوتے ہیں اس گروہ کے تقسیم ہونے کے بعد ہر قوم کے مخصوص طریقے سے ان حالات‌زندگی کے مطابق فروغ پاتے ہیں جو ان کے حصے میں آتے ہیں۔ قوموں کے ایسے کئی گروہوں کے سلسلے میں خصوصاً آریہ نسل کے لوگوں کے سلسلے میں (جو انڈویورپی کہلاتے ہیں) یہ عمل تقابلی دیومالا کے ذریعہ تفصیل سے دکھایا گیا ہے۔ اس طرح ہر قوم کے اندر جو دیوتا بنائے گئے وہ قومی دیوتا تھے اور جن کا راج اس قومی علاقے سے آگے نہیں بڑھتا تھا جس کی وہ حفاظت کرتے تھے۔ ان سرحدوں کے پار دوسرے دیوتاؤں کی اپنی عملداری تھی۔ ان کا وجود لوگوں کے تصور میں قوم کے وجود تک رہتا تھا اور اس قوم کے زوال کے ساتھ وہ بھی ختم ہو جاتے تھے۔ عالمی رومن سلطنت جس کے آغاز کے معاشی حالات کا جائزہ یہاں لینے کی ضرورت نہیں ہے، پرانی قومیتوں کے زوال کا باعث بنی۔ پرانے قومی دیوتا، حتی کہ رومنوں کے دیوتا بھی جو شہر روم کی تنگ حدود سے مناسبت رکھتے تھے زوال‌پذیر ہو گئے۔ عالمی

مذھب کے ذریعہ اس عالمی سلطنت کے تکملے کی ضرورت کا صاف انکشاف ان کوششوں سے ہوا جو روم میں مقامی دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ ان تمام بیرونی دیوتاؤں کو ماننے اور ان کے لئے قربان‌گاھیں فراھم کرنے کے لئے کی گئیں جو ذرا بھی قابل احترام تھیں ۔ لیکن اس طرح ، شاھی فرمانوں کے ذریعہ نیا عالمی مذھب نہیں بنایا جا سکتا ۔ نیا عالمی مذھب عیسائیت خاموشی سے وجود میں آ چکا تھا ۔ وہ تعمیمی مشرقی ، خصوصاً یہودی دینیات اور بگاڑے ہوئے یونانی خصوصاً زاھدانہ رواقی (stoic) فلسفے * کا مرکب تھا ۔ یہ دریافت کرنے کے لئے بڑی محنت کی ضرورت ھے کہ عیسائیت کی ابتدائی شکل کیسی تھی ، کیونکہ اس کی سرکاری شکل ، جس طرح وہ ھمیں دیا گیا ھے ، محض وہ ھے جس میں اس نے ریاستی مذھب کی شکل اختیار کی اور اس مقصد کے لئے اس کو نیکائیا کی کونسل (۲۱) نے ڈھالا تھا ۔ ۲۵۰ سال بعد عیسائی مذھب کا ریاستی مذھب بن جانا ایسا واقعہ ھے جو اس بات کو اچھی طرح دکھاتا ھے کہ اس مذھب نے حالات‌زمانہ سے مطابقت رکھی ۔ قرون وسطی میں عیسائیت کا بھی جاگیردارانہ نظام کے مذھبی جز کی حیثیت سے اتنا ھی ارتقا ھوا جتنا خود جاگیردارانہ نظام کا اور اسی کے مطابق جاگیردارانہ کلیسائی اقتدار کا بھی ۔ اور جب شہری خوش حال ہوئے تو جاگیردارانہ کیتھولک مذھب کے خلاف پروٹسٹنٹ بدعت ابھری جو سب سے پہلے جنوبی فرانس میں آلبیگینیوں (۲۲) کے درمیان ایسے وقت ظہور میں آئی جب وھاں کے شہر اپنی ترقی کے انتہائی عروج پر تھے ۔ قرون وسطی نے دینیات میں ھر طرح کے نظریات — فلسفہ ، سیاست ، قانون — جوڑ دئے تھے اور ان کو دینیات کی تحتی شاخیں بنا دیا تھا ۔ اس طرح اس نے ھر سماجی اور سیاسی تحریک کو مذھبی شکل اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ۔ عوامی جذبات کی غذا مذھب کے سوا اور کچھ نہ تھی ۔ اس لئے عوام میں اپنے مفادات کےلئے جوشیلی تحریک برپا کرنے کی غرض سے ان کے جذبات کو

---

* ایلینک زمانے کے یونانی فلسفے کا ایک رجحان ۔ اس کا خاص خیال یہ تھا کہ ھماری دنیا کے دو ابتدائی عناصر تھے : بلاخصوصیت مجہول مادہ اور فاعل عقل ۔ (ایڈیٹر)

مذہبی روپ میں پیش کرنا ضروری ہو گیا۔ اور بالکل اسی طرح جیسے شہری ابتدا سے ہی اپنی جلو میں بے ملکیت کے شہری غریب، روز کے روز کام کرنےوالے اور ہر طرح کے نوکر ساتھ لائے جن کی کوئی مسلمہ سماجی پوزیشن نہیں تھی اور ان لوگوں کے متقدمیں میں سے تھے جو بعد کو پرولتاریہ بنے، اسی طرح مذہبی بدعت بھی شہریوں کی معتدل بدعت اور غریبوں کی انقلابی بدعت میں جلد ہی تقسیم ہو گئی اور موٴخرالذکر خود شہری (bürgher) ملحدوں کے لئے قابل‌نفرت بن گئی۔

پروٹسٹنٹ بدعت کا اسٹ ہونا شہریوں (bürghers) کی ناگزیر ترقی سے مطابقت رکھتا تھا۔ جب شہریوں کا یہ حصہ کافی مضبوط ہو گیا، تو جاگیردار اشرافیہ کے خلاف اس کی جدوجہد جو ابھی تک مقامی تھی قومی پیمانے تک پہنچنے لگی۔ پہلا بڑا اقدام جرمنی میں کیا گیا جو ریفارمیشن کہلایا۔ یہ شہری ابھی نہ تو اتنے طاقتور تھے اور نہ اتنے ترقی‌یافتہ کہ وہ اپنے جھنڈے کے نیچے باقی تمام باغی طبقوں — شہری غریبوں اور نچلے درجے کے دیہی شرفا اور کسانوں کو جمع کر سکتے۔ پہلے دیہی شرفا کو شکست ہوئی۔ کسانوں نے بغاوت کی جو اس پوری انقلابی تحریک کا نقطۂ عروج تھی۔ لیکن شہروں نے کسانوں کی حمایت نہیں کی اور حکمراں شہزادوں کی فوجوں نے انقلاب کو کچل دیا جس سے شہزادوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس وقت سے جرمنی تین صدیوں کےلئے ان ملکوں کی صف سے غائب ہو گیا جو تاریخ میں آزادی کے ساتھ عملی حصہ لے رہے تھے۔ لیکن جرمن لوتھر کے ساتھ فرانسیسی کالوین بھی پیدا ہوا۔ خالص فرانسیسی تیز مزاج کے ساتھ وہ ریفارمیشن کے بورژوا کردار کو سامنے لایا اور کلیسا کو ریپبلکن اور جمہوری بنایا۔ جبکہ لوتھری ریفارمیشن جرمنی میں مبتذل ہوکر ملک کو تباہی کی طرف لے گیا تو کالوینی ریفارمیشن نے جنیوا، ہالینڈ اور اسکاٹ‌لینڈ میں ریپبلکنوں کےلئے پرچم کا کام کیا اور ہالینڈ کو اسپین اور جرمن سلطنت سے نجات دلائی (۲۳) اور بورژوا انقلاب کے اس دوسرے ایکٹ کےلئے نظریاتی پوشاک فراہم کی جو انگلستان میں ہو رہا تھا۔ یہاں کالوین‌ازم نے اس زمانے کی بورژوازی کے مفادات کے مذہبی‌بھیس کا کردار ٹھیک سے ادا کیا۔ اور اسی وجہ سے اس کو اس وقت پوری طرح تسلیم نہیں کیا گیا جب ۱۶۸۹ء میں

انقلاب (٢٤) کا خاتمہ اشرافیہ کے ایک حصے اور بورژوازی کے درمیان سمجھوتے پر ہوا ۔ انگلستان کا ریاستی کلیسا پھر قائم ہو گیا لیکن کیتھولک‌ازم کی پچھلی شکل میں نہیں جس میں اسقف‌اعظم بادشاہ ہوتا تھا — اب اس پر کالوین‌ازم کا رنگ کافی چڑھ چکا تھا ۔ پرانا ریاستی چرچ پرمسرت کیتھولک اتوار مناتا تھا اور افسردہ کالوینی اتوار کی مخالفت کرتا تھا ۔ لیکن بورژوا اثرات سے بھرپور نئے چرچ نے مؤخرالذکر کو ہی رائج کیا جو ابھی تک انگلستان کو زینت بخش رہا ہے ۔

فرانس میں کالوینی اقلیت کو ١٦٨٥ء میں دبا دیا گیا اور اس کے لوگوں کو یا تو کیتھولک بنا لیا گیا یا ملک سے باہر نکال دیا گیا (٢٥) ۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا ؟ اس وقت آزادخیال پیئر بیئل کی سرگرمیاں عروج پر تھیں اور ١٦٩٤ء میں والتیئر پیدا ہو چکا تھا ۔ لوئی چہاردهم کے پرتشدد اقدامات نے صرف فرانسیسی بورژوازی کے لئے یہ آسان بنا دیا کہ وہ اپنے انقلاب کو غیرمذہبی اور بالکل سیاسی شکل میں کر سکے جو ترقی‌یافتہ بورژوازی کے لئے واحد موزوں بات تھی ۔ قومی اسمبلیوں میں پروٹسٹنٹوں کے بجائے آزاد خیال پہنچ گئے ۔ اس طرح عیسائیت اپنی مختتم منزل میں داخل ہو گئی ۔ اب وہ اس قابل نہیں رہی تھی کہ آگے چل کر کسی ترقی‌یافتہ طبقے کی نظریاتی پوشاک کا کام دے سکے ۔ وہ زیادہ سے زیادہ حکمراں طبقوں کی قطعی ملکیت بنتی گئی اور وہ اس کو محض ذریعۂحکومت کی حیثیت سے نچلے طبقوں کو اپنے حدود کے اندر رکھنے کے لئے استعمال کرنے لگے ۔ مزیدبرآں ، مختلف حکمراں طبقوں میں سے ہر ایک اس مذہب کو استعمال کرتا ہے جو اس کے لئے موزوں ہے ۔ جاگیردار اشرافیہ — کیتھولک عیسویت‌ازم یا پروٹسٹنٹ قدامت‌پرستی کو ، اعتدال‌پرست اور ریڈیکل بورژوازی عقلیت (rationalism) کو ۔ اور اس سے بہت کم فرق پڑتا ہے کہ آیا یہ حضرات خود بھی اپنے اپنے مذہبوں پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب ایک بار ظہور میں آنے کے بعد ہمیشہ پچھلے زمانے سے وراثت میں ملے ہوئے تصورات کے ذخیرے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ تمام نظریاتی شعبوں میں روایت ایک بڑی قدامت‌پرست طاقت ہوتی ہے ۔ لیکن ان تصورات کے ذخیرے میں جو تبدیلیاں

ہوتی ہیں وہ طبقاتی تعلقات سے پیدا ہوتی ہیں یعنی ان لوگوں کے معاشی تعلقات سے جو یہ تبدیلیاں کرتے ہیں۔ اب یہاں اتنا کافی ہے۔

اوپر تاریخ کے مارکسی نظرئیے کا صرف ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جا سکا ہے جس میں زیادہ سے زیادہ کچھ وضاحتی مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ رہا اس کا ثبوت، تو وہ خود تاریخ سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ یہ ثبوت دوسری تحریروں میں کافی دیا جا چکا ہے۔ بہر حال یہ نظریہ تاریخ کے شعبے میں فلسفے کا خاتمہ اسی طرح کر دیتا ہے جس طرح فطرت کا جدلیاتی نظریہ سارے فلسفۂ فطرت کو غیرضروری اور ناممکن بناتا ہے۔ اب کہیں بھی یہ سوال باہمی روابط کو اپنے دماغ سے اختراع کرنے کا نہیں بلکہ ان کو واقعات میں تلاش کرنے کا ہے۔ فلسفے کے لئے، جو فطرت اور تاریخ سے خارج کیا جا چکا ہے صرف خالص فکر کا میدان باقی رہ جاتا ہے کیونکہ وہ اس حد کو پہنچ کر خود فکری عمل کے قوانین کا نظریہ، منطق اور جدلیات ہی رہ جاتا ہے۔

* * *

۱۸۴۸ء کے انقلاب کے بعد "تعلیم یافتہ" جرمنی نے نظریے کو خیر باد کہہ کر میدان عمل سنبھالا۔ جسمانی محنت پر منحصر چھوٹی حرفتوں اور کارخانہ‌داری کی جگہ بڑے پیمانے کی صنعت نے لے‌لی۔ جرمنی پھر عالمی منڈی میں نمودار ہوا۔ نئی کوچک جرمن سلطنت (۲۶) نے کم از کم ان انتہائی مضرت‌رساں خرابیوں کو ختم کردیا جو جاگیردارانہ نظام کی باقیات، چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور نوکرشاہی انتظام کی وجہ سے اس ارتقا میں حائل ہوتی تھیں۔ لیکن جس حد تک سٹہ‌بازی نے فلسفی کے مطالعہ کے کمروں کو چھوڑ کر اپنا مندر اسٹاک ایکس‌چینج میں بنایا، اسی حد تک تعلیم‌یافتہ جرمنی نے نظریے میں وہ زبردست دلچسپی کھو دی جو انتہائی سیاسی زوال کے زمانے میں بھی جرمنی کی شہرت کا باعث تھی اور یہ دلچسپی خالص سائنسی تحقیقات کے‌لئے تھی، اس کی پروا کئے بغیر کہ حاصل‌شدہ نتائج عملی طور پر قابل‌استعمال ہوں‌گے یا نہیں اور آیا وہ پولیس کے لوگوں کی ناراضگی کا

باعث بنیں گے یا نہیں ۔ یہ سچ ہے کہ سرکاری جرمن طبیعی سائنس نے اپنی پوزیشن صف اول میں برقرار رکھی خصوصاً نجی تحقیقاتوں کے شعبے میں ۔ لیکن امریکی رسالے ''سائنس،، تک نے بھی بجا طور پر لکھا ہے کہ انفرادی واقعات کے درمیان ہمہ گیر روابط کی تحقیقات اور قوانین کی شکل میں ان کی تعمیم کے بارے میں فیصلہ کن کامیابیاں اب زیادہ تر انگلستان میں ہو رہی ہیں نہ کہ جرمنی میں جیسا کہ پہلے ہوتا تھا ۔ اور تاریخی سائنسوں کے شعبے میں جن میں فلسفہ بھی شامل ہے ، اب نظریات کے لئے وہ پرانا بیدھڑک جوش کلاسیکی فلسفے کے ساتھ ساتھ بالکل غائب ہو گیا ہے ۔ اس کی جگہ تنگ نظر کلیسائیت ، جاہ و منصب اور آمدنی کی بےحد فکر حتی کہ ملازمت کی انتہائی ذلیل تلاش نے لے لی ہے ۔ ان سائنسوں کے سرکاری نمائندے بورژوازی اور موجودہ ریاست کے کھلم کھلا نظریہ‌داں ایسے وقت میں بن بیٹھے ہیں جبکہ یہ دونوں مزدور طبقے کے علانیہ دشمن ہیں ۔

صرف مزدور طبقے میں نظریے کی وہ رغبت مجروح نہیں ہوئی ہے جو جرمنوں کا خاصہ ہے ۔ یہاں اس کو ختم نہیں کیا جا سکتا ۔ یہاں نہ تو جاہ و منصب کا سوال ہے اور نہ نفع‌خوری یا اوپر سے مہربانی‌آمیز سرپرستی کا ۔ بلکہ اس کے برعکس سائنس جتنی پرزور اور پرایثار رفتار سے آگے بڑھتی ہے اتنی ہی وہ مزدوروں کے مفادات اور تمناؤں سے ہم‌آہنگ ہوتی جاتی ہے ۔ اس نئے رجحان نے جو یہ تسلیم کرتا ہے کہ سماج کی پوری تاریخ سمجھنے کی کنجی محنت کے ارتقا کی تاریخ ہے ، ابتدا سے ہی مزدور طبقے کی طرف رجوع کرنے کو ترجیح دی اور یہاں اس کو ایسی ہمدردی ملی جو اس نے سرکاری طور پر تسلیم‌شدہ سائنس سے نہ کبھی چاہی تھی اور نہ اس کی توقع رکھتی تھی ۔ جرمن مزدور طبقے کی تحریک ہی جرمن کلاسیکی فلسفے کی وارث بن گئی ہے ۔

۱۸۸۶ء کی ابتدا میں لکھا گیا ۔ رسالے «Die Neue Zeit» نمبر ۴ و ۵ میں ۱۸۸۶ء میں اور ایک علحدہ اشاعت کی حیثیت سے اسٹوٹ‌گارٹ میں ۱۸۸۸ء میں شایع ہوا ۔

۱۸۸۸ء کی اشاعت کے مطابق ترجمہ ۔

فریڈرک اینگلس

فرانس اور جرمنی میں کسانوں کا سوال[27]

بورژوا اور رجعت‌پرست پارٹیوں کو اس بات پر بڑا تعجب ہے کہ ہرجگہ اچانک تمام سوشلسٹوں میں کسانوں کا سوال اولیں اہمیت اختیار کر گیا ہے - ان کو تو تعجب ہونا چاہئے کہ اس سوال کو بہت دن پہلے ہی کیوں نہیں لیا گیا - آئرلینڈ سے سسلی تک ، اندلس سے روس اور بلغاریہ تک کسان آبادی، پیداوار اور سیاسی اقتدار کا بہت ہی لازمی عنصر ہے - اس سے مغربی یورپ کے صرف دو علاقے مستثنی ہیں - خاص برطانیہ عظمی میں بڑی بڑی زمینداریوں اور بڑے پیمانے کی زراعت نے خود کفیل کسانوں کی جگہ قطعی طور پر لے لی ہے - دریائے ایلبے کے مشرقی کنارے پر واقع پروشیا میں یہ عمل صدیوں سے کارفرما ہے - یہاں بھی کسان کو زیادہ سے زیادہ بےدخل * کیا جا رہا ہے یا کم از کم اس کو معاشی اور سیاسی لحاظ سے پیچھے دھکیلا جا رہا ہے -

سیاسی طاقت کے عنصر کی حیثیت سے کسان نے ابھی تک زیادہ‌تر بےاعتنائی دکھائی ہے جس کی جڑ دیہی زندگی کی علحدگی میں ہے -

---

* لفظ «Bauernlegen-«gelegt — جرمن تاریخ کی ایک اصطلاح جس کا مطلب ہے کسانوں کی بےدخلی ، ان کی ملکیت پر دوسرے کا قبضہ - (اینگلس کی تصنیف کے ابتدائی حصے کے اپنے ترجمے میں لینن کا نوٹ -)

آبادی کے بہت بڑے حصے کی یہ بےاعتنائی نہ صرف پیرس اور روم میں پارلیمانی رشوتستانی کا بلکہ روسی جبر و تشدد کا بھی مضبوط‌ترین ستون بن گئی ہے - لیکن یہ بےاعتنائی ایسی نہیں ہے جس کو دور نہ کیا جا سکے - جب سے مغربی یورپ میں مزدور طبقے کی تحریک پیدا ہوئی ، خصوصاً ان حصوں میں جہاں زیادہ تر چھوٹے کسانوں کی اراضیات *ہیں، بورژوازی کے لئے یہ خاصکر آسان رہا ہے کہ کسانوں کے ذہن میں سوشلسٹ مزدوروں کی طرف سے ایسا شبہ اور نفرت پیدا کر دے کہ وہ partageux ہیں ، زمین کو تقسیم کرنے کے حامی ہیں، ایسے لالچی اور کاہل شہروالے ہیں جو کسانوں کی ملکیت پر نگاہ رکھتے ہیں اور اس میں حصہ لگانا چاہتے ہیں - فروری ۱۸۴۸ء کے انقلاب کی موہوم سوشلسٹ تمناؤں کو فرانسیسی کسانوں کے رجعت‌پرست ووٹوں نے تیزی سے خاک میں ملا دیا - سکون کے خواہاں کسان نے اپنی یادوں کے خزانے سے نپولین کی داستان نکالی جو کسانوں کا شہنشاہ تھا اور سلطنت ثانیہ بنا ڈالی (۲۸) - ہم سب جانتے ہیں کہ کسانوں کے اس واحد کارنامے کے لئے فرانس کے لوگوں کو کیا بھگتنا پڑا - وہ اس کے اثرات میں ابھی تک مبتلا ہیں -

لیکن جب سے بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں - پیداوار کی سرمایہ‌دارانہ شکل کی ترقی نے زراعت کی چھوٹی پیداوار کی رگ جان ہی قطع کر دی ہے اور یہ چھوٹی پیداوار لاعلاج تباہی و بربادی میں مبتلا ہے - شمالی اور جنوبی امریکہ اور ہندستان کے بھی مقابلہ کرنےوالوں نے اپنے سستے اناج سے یورپ کی منڈی اتنی بھر دی ہے کہ اناج کی پیداوار کرنیوالا کوئی بھی یورپی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا - بڑے زمیندار اور چھوٹے کسان سبھی تباہی کو اپنی طرف جھپٹتے دیکھ رہے ہیں - اور چونکہ یہ دونوں زمین کے مالک اور دیہاتی لوگ ہیں اس لئے بڑے زمین‌دار چھوٹے کسان کے مفادات کے علمبردار بن جاتے ہیں اور چھوٹے کسان زیادہ‌تر ان کو اپنا علمبردار تسلیم کر لیتے ہیں -

اس دوران میں مغرب میں ایک طاقتور سوشلسٹ مزدور پارٹی پیدا

---

* کسانوں کی نجی چھوٹی چھوٹی اراضیات - تفصیل کے لئے دیکھئے "۱۸ ویں برومیئر"، حصۂ اول ، صفحہ ۲۸۲ - (ایڈیٹر)

ہو گئی ہے اور ترقی کر رہی ہے۔ فروری انقلاب کے دور کی دھندلی پیش اندیشیاں اور خواہشیں اب صاف ہو گئیں اور انھوں نے ایک ایسے زیادہ وسیع اور گہرے پروگرام کی صورت اختیار کر لی جو سارے سائنسی تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور واضح اور ٹھوس مطالبات رکھتا ہے۔ جرمنی، فرانس اور بلجیم کے پارلیمنٹوں میں برابر بڑھتی ہوئی سوشلسٹ نائبین کی تعداد ان مطالبات کےلئے لڑ رہی ہے۔ اب سوشلسٹ پارٹی کے سیاسی اقتدار جیت لینے کی بات مستقبل بعید کی نہیں رہی ہے۔ لیکن سیاسی اقتدار جیتنے کےلئے اس پارٹی کو پہلے شہروں سے دیہات میں جانا چاہئے، اس کو دیہات میں ایک طاقت بننا چاہئے۔ سوشلسٹ پارٹی، جو تمام دوسری پارٹیوں پر یہ فوقیت رکھتی ہے کہ وہ معاشی اسباب اور سیاسی نتیجوں کے درمیان تعلقات کو صاف طور پر دیکھ سکتی ہے اور مدتوں ہوئے اس نے بھیڑ کی کھال میں بھیڑئے یعنی بڑے زمیندار کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے جو کسان کا زبردستی دوست بنا ہوا ہے، کیا یہ پارٹی بربادی کی طرف جاتے ہوئے کسان کو اس کے جھوٹے سرپرستوں کے رحم و کرم پر چھوڑ سکتی ہے، یہاں تک کہ وہ صنعتی مزدوروں کا ناکارہ مخالف سے سرگرم مخالف بن جائے؟ یہ بات ہمیں ٹھیک کسانوں کے سوال سے دوچار کر دیتی ہے۔

۱

دیہی آبادی جس کی طرف ہم رجوع کر سکتے ہیں مختلف حصوں پر مشتمل ہے اور مختلف علاقوں میں بہت مختلف ہے۔

فرانس اور بلجیم کی طرح جرمنی کے مغربی حصے میں چھوٹی اراضیات والے کسانوں کی چھوٹی کاشتکاری ہے، جن کی اکثریت اپنی زمین کی مالک ہے اور اقلیت قطعات اراضی کو لگان پر لیتی ہے۔

شمال مغرب میں — نشیبی سیکسونیا اور شلیزویگ ہولشٹن میں زیادہ‌تر بڑے اور اوسط درجے کے کسان ہیں جن کا کام مردوں اور عورتوں پر مشتمل زرعی نوکروں اور حتی کہ روزانہ اجرت پر کام کرنے‌والے مزدوروں کے بغیر نہیں چل سکتا۔ یہی صورت باویریا کے ایک حصے کی بھی ہے۔

دریائے ایلبے کے مشرقی کنارے پر واقع پروشیا اور میکلین برگ میں بڑی بڑی زمینداریوں اور بڑے پیمانے کی کاشتکاری کے علاقے ہیں جہاں گھر اور کھیت کے مستقل ملازم اور روزانہ اجرت پر کام کرنےوالے مزدور ہیں اور کہیں کہیں چھوٹے اور اوسط درجے کے کسان بھی جو نسبتاً غیر اہم ہیں اور جن کا تناسب برابر کم ہوتا جا رہا ہے۔

وسطی جرمنی میں زرعی پیداوار اور ملکیت کی یہ تمام شکلیں مختلف تناسب میں مخلوط پائی جاتی ہیں۔ اس کا انحصار علاقے پر ہوتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی شکل کسی بڑے علاقے پر حاوی نہیں ہے۔

اس کے علاوہ مختلف رقبوں کی ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں زیر ملکیت یا لگانی آراضی خاندان کی کفالت کےلئے ناکافی ہے لیکن محض کسی گھریلو حرفت کو چالو کرنے کی بنیاد بن سکتی ہے جس سے یہ حرفت بہت ہی کم اجرت ادا کرکے سارے غیرملکی مقابلے کے باوجود اپنی پیداوار کی مستقل فروخت کی ضمانت‌دار ہو سکتی ہے۔

ان میں سے دیہی آبادی کے کن تحتی حصوں کو سوشل ڈیمو کریٹک پارٹی اپنی طرف لا سکتی ہے؟ درحقیقت ہم اس سوال کا جائزہ عام طور پر لیں گے۔ ہم صرف واضح‌ترین شکلوں کو چنتے ہیں۔ ہمارے پاس اتنی جگہ نہیں ہے کہ ہم درمیانی منازل اور مخلوط دیہی آبادی کے بارے میں غور کریں۔

آئیے، ہم چھوٹے کسان سے شروع کریں۔ نہ صرف یہ کہ وہ عام طور پر مغربی یورپ کےلئے سارے کسانوں سے زیادہ اہم ہے بلکہ وہ ایسی نازک نوعیت رکھتا ہے جس پر سارے سوال کا حل منحصر ہے۔ ایک بار ہمارے ذہن میں چھوٹے کسان کے متعلق رویہ صاف ہو جائے تو ہمیں وہ ساری معلومات مل جاتی ہیں جو دیہی آبادی کے دوسرے حصوں کے بارے میں ہمارے رویے کا تعین کرنے کےلئے ضروری ہیں۔

یہاں چھوٹے کسان سے ہمارا مطلب ایسے قطعہ کے مالک یا لگان‌دار (خصوصاً مالک) سے ہے جو عام طور پر اتنا بڑا نہ ہو کہ اس کو کسان اور اس کا خاندان جوت نہ سکے اور اتنا چھوٹا بھی نہ ہو کہ وہ خاندان کی کفالت نہ کر سکے۔ یہ چھوٹا کسان، بالکل چھوٹے دستکار کی طرح

ایسا محنت کش ہے جو موجودہ زمانے کے پرولتاریہ سے یوں مختلف ہے کہ وہ ابھی تک اپنی محنت کے آلات و اوزار کا مالک ہے اور اسی لئے پیداوار کے ایک گذرے ہوئے طریقے کی باقیات میں سے ہے - اس میں اور اسکے جد کسان غلام، پابند کسان یا انتہائی استثنا کی صورت میں لگان دینےوالے اور جاگیردار کی خدمت کرنے والے آزاد کسان کے درمیان تہرا فرق ہے - اول تو یہ کہ فرانسیسی انقلاب نے اس کو جاگیردار کی خدمات اور ان واجبات سے چھٹکارا دلا دیا جو اسے جاگیردار کو دینی پڑتی تھیں، اور زیادہ‌تر صورتوں میں، کم از کم دریائے رائن کے بائیں کنارے پر اس کو فارم دے دیا جو اس کی اپنی ملکیت ہو گیا - دوسرے، یہ کہ وہ اس خودانتظامی برادری کی حفاظت سے محروم ہو گیا جس کا وہ ممبر ہوا کرتا تھا - اس کے ساتھ ہی وہ پرانی برادری کی زمین کو استعمال کرنے کے حق میں اپنے حصے سے بھی محروم ہو گیا - برادری کی زمین کا کچھ حصہ تو اس کا سابق زمین‌دار اڑا لے گیا اور کچھ اس روشن‌خیال نوکرشاہی قانون کے نذر ہوگیا جو رومن قانون کے نمونے پر بنایا گیا تھا - اس طرح موجودہ زمانے کا چھوٹا کسان اس امکان سے محروم ہو گیا کہ وہ اپنے کام کاجو جانوروں کو چارہ خریدے بغیر کھلا سکے - برادری کی زمین پر حق کھونے سے جو معاشی نقصان ہوا تھا وہ اس نفع سے کہیں زیادہ تھا جو جاگیردار کی خدمت کے خاتمے سے ملا تھا - ان کسانوں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے جو اپنے کام کاجو مویشی نہیں رکھ سکتے - تیسرے، آج کا کسان اپنی پہلی‌والی پیداواری سرگرمی میں سے آدھی کھو چکا ہے - پہلے وہ اور اس کا خاندان اپنی پیدا کی ہوئی خام اشیا سے اپنی ضرورت کا زیادہ‌تر صنعتی سامان تیار کر لیتے تھے اور اس کی بقیہ ضرورت کی چیزیں گاؤں کے پڑوسی فراہم کرتے تھے جن کے یہاں کھیتی کے علاوہ کوئی حرفت بھی تھی - ان چیزوں کی قیمت زیادہ‌تر اشیا کے تبادلے یا باھمی خدمات کے ذریعہ ادا کی جاتی تھی - خاندان اور اس سے زیادہ گاؤں خود کفیل ھوتا تھا اور اپنی ضرورت کی ہر چیز تیار کر لیتا تھا - یہ تقریباً خالص خود کفیل معیشت تھی اور اس میں تقریباً کسی پیسے کی ضرورت نہ تھی - سرمایہ‌دارانہ پیداوار نے اپنے پیسےوالی معیشت اور بڑے پیمانے کی صنعت سے اس کا خاتمہ کر دیا - اور اگر کسان

کے وجود کےلئے برادری کی زمین پہلی بنیادی شرط تھی تو اس کی حرفتی سرگرمی دوسری ایسی شرط بن گئی ہے۔ اور اب کسان زیادہ سے زیادہ ڈوبتا جا رہا ہے۔ محصول، فصل کی خرابی، وراثت کی تقسیم اور مقدسے بازی کسانوں کو یکے بعد دیگرے سودخور مہاجن سے ہم‌آغوش کر رہی ہے۔ قرض کا بار زیادہ سے زیادہ عام ہوتا جا رہا ہے اور اس کی رقم میں بھی ہر معاملے میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ مختصر یہ کہ ہمارے چھوٹے کسان کا بیڑا بھی، ماضی کے طریقۂ پیداوار کی دوسری باقیات کی طرح، بری طرح غرق ہونے والا ہے۔ وہ مستقبل کا پرولتاریہ ہے۔

اس صورت میں کسان کو سوشلسٹ پروپیگنڈے پر کان دھرنا چاہئے۔ لیکن فی الحال اس کو وہ احساس‌ملکیت روکتا ہے جو اس کے رگ وپے میں سما گیا ہے۔ اس کےلئے اپنے قطعۂ اراضی کو جو اردب میں پڑ گیا ہے بچانا جتنا ہی مشکل ہوتا جاتا ہے اتنا ہی بری طرح وہ اس سے چمٹتا ہے اور اتنا ہی زیادہ وہ سوشل ڈیموکریٹوں کو جو ملکیت اراضی کو پوری سماج کے حوالے کرنے کی باتیں کرتے ہیں سودخور مہاجن اور وکیل کی طرح اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ سوشل ڈیموکریسی کو یہ تعصب کیسے ختم کرنا چاہئے؟ وہ خود اپنے ساتھ غداری کئے بغیر بربادی کی طرف جانےوالے کسان کےلئے کیا کر سکتی ہے؟

یہاں ہمیں مارکسی رجحان‌والے فرانسیسی سوشلسٹوں کے زرعی پروگرام میں حمایت کا ایک عملی نکتہ ملتا ہے، ایسا پروگرام جو اس وجہ سے اور زیادہ توجہ کا باعث بن گیا ہے کہ وہ چھوٹی کسان معیشت کے کلاسیکی ملک سے آیا ہے۔

۱۸۹۲ء میں مارسیلز کی کانگرس (۲۹) نے پارٹی کا پہلا زرعی پروگرام منظور کیا۔ اس میں بےآراضی زرعی مزدوروں (یعنی روزانہ اجرت پر کام کرنےوالے اور مستقل ملازم مزدوروں) کےلئے یہ مطالبات کئے گئے تھے کہ ٹریڈیونینوں اور برادریوں کی کونسلوں کی مقرر کی ہوئی کم سے کم تنخواہ ہو، دیہی دستکاروں کی عدالتیں ہوں جن میں آدھے مزدور لئے جائیں، مشترکہ زمین کی فروخت کی ممانعت کر دی جائے اور ریاستی آراضی برادریوں کو لگان پر دی جائے جو یہ سب آراضی خواہ ان کی ملکیت میں ہو یا لگان پر ہو، مشترکہ

کاشتکاری کےلئے بےآراضی زرعی مزدوروں کے خاندانوں کی انجمنوں کو اس ممانعت کے ساتھ دیں کہ وہ اس کاشتکاری میں اجرتی مزدوروں سے کام نہ لیں‌گے اور برادریاں اس پر اپنا کنٹرول رکھیں، بوڑھاپے اور کام سے معذوری کےلئے پنشن ہو جو بڑی زمین‌داریوں پر مخصوص محصول لگا کر دی جائے۔

چھوٹے کسانوں کےلئے جن میں لگان‌داروں اور بٹائی کے کاشتکاروں کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے پروگرام مطالبہ کرتا ہے کہ برادری اپنی مشینیں حاصل کرکے ان کی لاگت کے مطابق ہی کسانوں کو کرائے پر دے؛ کھاد، نالیوں کے پائپ اور بیج وغیرہ کی خریداری اور پیداوار کو بیچنے کےلئے کسانوں کی کوآپریٹیو سوسائٹیاں بنائی جائیں؛ پانچ ہزار فرانک تک کی قیمت‌والی آراضی کی منتقلی کا ٹیکس ختم کیا جائے؛ آئرلینڈ کے نمونے کے ثالثی کمیشن مقرر کرکے بہت زیادہ لگان کی وصولی میں کمی کی جائے اور آراضی چھوڑنے‌والے لگان‌داروں اور بٹائی‌داروں کو آراضی کو زرخیز بنانے کا زیادہ معاوضہ دیا جائے؛ ضابطۂ دیوانی کی دفعہ ۲۱۰۲ کالعدم قرار دی جائے جو قرض‌کےبدلے زمیندار کو فصل قرق کرنیکا حق دیتی ہے اور ساہوکار کا یہ حق بھی ختم کیا جائے کہ وہ کھڑی فصل پر قرقی لا سکے؛ کھیتی کے آلات و اوزار، فصل، کھاد، کام کاجو جانوروں کی ایک معینہ تعداد، مختصر یہ کہ ان تمام چیزوں کو قرقی سے مستثنا کر دیا جائے جو کسان کے کاروبار کےلئے ضروری ہیں۔ عام زرعی بندوبست پر جو بہت زمانے سے فرسودہ ہو چکا ہے نظر ثانی کی جائے اور اس کے ہونے تک ہر برادری مقامی طور سے اس پر نظر ثانی کرے؛ آخر میں یہ کہ مفت زرعی تعلیم دی جائے اور زرعی تجرباتی اسٹیشن قائم کئے جائیں۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کسانوں کے مفاد کےلئے جو مطالبات کئے گئے ہیں (وہ مطالبات جو مزدوروں کے مفاد کےلئے کئے گئے ہیں فی الحال ہمارا تعلق ان سے نہیں ہے) وہ زیادہ دور رس نہیں ہیں۔ ان میں کا کچھ حصہ دوسرے ملکوں میں پورا بھی ہو چکا ہے۔ ثالثی عدالتیں ٹھیک آئرلینڈ کے نمونے کی قائم کی گئی ہیں۔ رائن کے صوبوں میں کسانوں کی کوآپریٹیو سوسائٹیاں بھی ہو گئی ہیں۔ زرعی بندوبست

پر نظر ثانی کی متواتر نیک خواہش پورے مغربی یورپ میں سب اعتدال پرست، حتی کہ نوکرشاہ تک بھی رکھتے ھیں۔ دوسرے نکات بھی موجودہ سرمایہ‌دار نظام پر کوئی خاص ضرب لگائے بغیر پورے کئے جا سکتے ھیں۔ یہ تو ذکر تھا پروگرام کی نوعیت کا۔ اس کا مقصد کوئی ملامت نہیں بلکہ اس کے برعکس ھے۔

اس پروگرام کو لیکر پارٹی نے فرانس کے مختلف حصوں میں کسانوں کے درمیان اتنا اچھا کام کیا کہ ھمارے فرانسیسی رفیقوں نے اس کو اور زیادہ کسانوں کے مذاق کے مطابق بنانا چاھا کیوں کہ کہا جاتا ھے کہ اشتہا کھانے کے وقت پیدا ھوتی ھے۔ بہرحال یہ محسوس کیا گیا کہ راستہ خطرناک ھے۔ عام سوشلسٹ پروگرام کے بنیادی اصولوں کی خلاف‌ورزی کئے بغیر کسان کی مدد کیسے کرنی تھی، اس کسان کی نہیں جو آگے چل کر پرولتاری بنےگا بلکہ موجودہ صاحب ملکیت کسان کی؟ اس اعتراض کے ازالے کےلئے نئی عملی تجاویز سے پہلےنظریاتی تمہید کا اضافہ کیا گیا جو یہ ثابت کرنا چاھتی ھے کہ سرمایہ‌دارانہ طریقۂ پیداوار کے ھاتھوں چھوٹے کسان کی ملکیت کو بربادی سے بچانا سوشلزم کے اصولوں کے مطابق ھے حالانکہ خود اس کے خالق کو بھی صاف طور پر معلوم ھے کہ یہ بربادی ناگزیر ھے۔ اچھا اب ھم اس تمہید اور خود مطالبات کا زیادہ قریب سے جائزہ لیں‌گے جو اس سال ستمبر میں نانٹ کی کانگرس نے منظور کئے ھیں۔

تمہید اس طرح سے شروع ھوتی ھے:

”چونکہ پارٹی کے عام پروگرام کے شرائط کے مطابق پیداوار کرنےوالے اس حد تک آزاد ھو سکتے ھیں جس حد تک وہ ذرائع پیداوار کے مالک ھوتے ھیں۔

چونکہ صنعت کے شعبے میں یہ ذرائع پیداوار سرمایہ‌دارانہ مرکزیت کے اس درجے کو پہنچ گئے ھیں کہ وہ پیداوار کرنےوالوں کو صرف اجتماعی یا سماجی شکل میں واپس دئے جا سکتے ھیں لیکن زراعت کے شعبے میں (کم از کم موجودہ فرانس میں) صورت حال بالکل دوسری ھے۔ یہاں ذریعۂ پیداوار

یعنی زمین بہت سی جگھوں پر ابھی تک انفرادی طور سے پیداوار کرنے والوں کے پاس ان کی انفرادی ملکیت کی حیثیت سے ہے -

چونکہ یہ صورت حال جو چھوٹی آراضی کی ملکیت کی خصوصیات رکھتی ہے ناگزیر طور پر ختم ہونےوالی ہے (est fatalement appelè a disparaître) پھر بھی سوشلزم کو اس کے خاتمے کےلئے تعجیل نہ کرنی چاھئے کیونکہ اس کا فریضہ جائداد کو محنت سے الگ کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس تمام پیداوار کے ان دونوں عناصر کو ایک ھی ھاتھ میں دیکر متحد کرنا ہے - ان عناصر کی تفریق محنت کشوں کو ایسی غلامی اور غربت تک لے جاتی ہے کہ وہ پرولتاریہ کی حالت تک پہنچ جاتے ھیں -

چونکہ ایک طرف سوشلزم کا یہ فرض ہے کہ وہ بڑی بڑی جائدادیں ضبط کرکے جو اس وقت نکھٹو زمینداروں کے پاس ھیں ، پھر زرعی پرولتاریہ کی ملکیت میں دیدے ، خواہ اس کی شکل اجتماعی ھو یا سماجی اور دوسری طرف اس کا یہ بھی لازمی فرض ہے کہ وہ ان کسانوں کی ملکیت کی حفاظت کرے جو خود اپنی محنت پر جیتے ھیں اور ان کو سرکاری صیغۂ مال ، سودخور اور نئے ابھرتے ھوئے بڑے زمینداروں کی دست‌درازی سے بچائے -

چونکہ اس تحفظ کو ان پیداوار کرنےوالوں کےلئے بھی پیش کرنا مفید ھوگا جو لگان‌دار یا بٹائی‌دار (métayers) کی حیثیت سے اس آراضی کی کاشت کرتے ھیں جس کے مالک دوسرے لوگ ھیں اور اگر یہ پیداوار کرنےوالے روزانہ اجرتی مزدوروں کا استحصال بھی کرتے ھیں تو وہ ایک حد تک اس کےلئے مجبور ھیں اس استحصال کیوجہ سے جس کے شکار وہ خود ھیں —

اس لئے مزدور پارٹی نے (جو انارکسٹوں کی طرح سماجی نظام میں تبدیلی کےلئے غربت کے اضافے اور توسیع پر بھروسہ نہیں کرتی بلکہ یہ توقع کرتی ہے کہ محنت اور عام طور پر سماج کی آزادی صرف دیہات اور شہر دونوں کے محنت کشوں کی تنظیم اور مشترکہ کوششوں ، ان کے حکومت اور آئین‌ساز اداروں پر قبضے کے ذریعہ ممکن ہے) مندرجۂذیل زرعی پروگرام

منظور کیا ہے کہ اس طرح دیہی پیداوار کے تمام عناصر ، ان تمام پیشوں کو متحد کیا جائے جو مختلف قانونی حقوق کی بنا پر اپنے ملک کی زمین کو استعمال کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے مشترک دشمن یعنی زمیندارانہ جاگیردار نظام کے خلاف جدوجہد کریں ۔ ،،

آئیے ، ذرا ان ،، دلیلوں ،، کا تفصیلی جائزہ لیں ۔

اول تو فرانسیسی پروگرام کے اس بیان میں کہ پیداوار کرنےوالے کی آزادی کی اولیں شرط ذرائع پیداوار کی ملکیت ہے اس بیان کا اضافہ کرنا چاہئے جو اس کے فوراً بعد ہے یعنی ذرائع پیداوار کی ملکیت صرف دو شکلوں میں ممکن ہے : یا تو انفرادی ملکیت کی شکل میں جس کا وجود عام طور پر تمام پیدا کرنےوالوں کےلئے کبھی اور کہیں نہیں رہا ہے اور جو صنعتی ترقی کیوجہ سے روز بروز اور ناممکن ہوتا جا رہا ہے ، یا پھر اجتماعی ملکیت کی شکل میں جس کی مادی اور ذہنی اولیں شرائط خود سرمایہ‌دار سماج کے ارتقا کیوجہ سے پیدا ہو گئی ہیں ۔ اسی لئے ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت حاصل کرنے کی جدوجہد میں وہ سارے امکانات استعمال کرنا چاہئے جو پرولتاریہ کےلئے ممکن ہیں ۔

اس طرح ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت کو پروگرام میں ایسے واحد اور خاص مقصد کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جس کو حاصل کرنا ہے ۔ صرف صنعت میں نہیں ، جہاں اس کےلئے زمین تیار کی جا چکی ہے بلکہ عام طور پر یعنی زراعت میں بھی ۔ پروگرام کے مطابق انفرادی ملکیت تمام پیداوار کرنےوالوں کےلئے عام حیثیت کبھی اور کہیں نہیں رکھتی تھی ۔ اسی سبب سے اور اس کے ساتھ ہی اسوجہ سے بھی کہ صنعتی ترقی اس کو بہرنوع ختم کر دیتی ہے سوشلزم انفرادی ملکیت کو برقرار رکھنے سے نہیں بلکہ اس کو ختم کرنے سے دلچسپی رکھتا ہے کیونکہ جہاں بھی اور جس حد تک اس کا وجود ہے یہ اجتماعی ملکیت کو ناممکن بناتی ہے ۔ اگر ہم اپنے دعوے کی حمایت میں ایک بار پروگرام کا حوالہ دیتے ہیں تو ہمیں پورا پروگرام پیش کرنا چاہئے جس کی روشنی میں نانٹ کانگرس کی اوپر دی ہوئی دلیلوں

میں کافی تبدیلیاں کرنا پڑے گا کیونکہ اس پروگرام میں عام تاریخی حقیقت کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے کہ وہ ایسے حالات کے ماتحت ہے، صرف جس کے تحت وہ مغربی یورپ اور شمالی امریکہ میں حقیقت رہ سکتی ہے۔

ذرائع پیداوار کی انفرادی ملکیت آجکل ان پیداوار کرنےوالوں کو حقیقی آزادی نہیں دیتی۔ شہروں میں دستکاری بربادی کا شکار ہو چکی ہے اور لندن جیسے بڑے شہروں میں تو وہ بالکل غائب ہو گئی۔ اس کی جگہ پر بڑے پیمانے کی صنعت، جاں‌فشاں اور تیز رفتار کام کی تنظیم اور ان کمبخت دھوکا بازوں نے قبضہ جما رکھا ہے جن کے وجود کا ذریعہ ہی دیوالیہ‌پن کے معاملات ہیں۔ خودکفیل چھوٹے کسان کو نہ تو اپنے چھوٹے قطعۂ آراضی کی ملکیت ہی پر بھروسہ ہے اور نہ وہ آزاد ہے۔ وہ خود اور اس کا گھر، اس کا صحن، اس کا چھوٹا سا کھیت سبھی سودخور مہاجن کی ملکیت ہوتے ہیں۔ اس کی گذر بسر کا سہارا تو پرولتاریہ سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے جس کو کبھی کبھی پرسکون دن بھی نصیب ہوتے ہیں جبکہ قرض کا غلام چھوٹا کسان ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔ ضابطۂ دیوانی سے دفعہ ۲۱۰۲ نکال دی جائے اور قانون کے ذریعہ کسان کو ایسے زرعی آلات اور مویشی فراہم کئے جائیں جن کو محصولات کےلئے قرق کرنا منع ہو پھر بھی آپ کسان کو ایسی ناگزیر حالت سے نہیں بچا سکتے جسمیں اس کو اپنے مویشی "رضاکارانہ" بیچنا پڑتے ہیں، جسمیں اس کو سودخور کے پاس اپنا جسم و جان سبھی گروی رکھنا پڑتا ہے اور وہ خوش ہوتا ہے کہ اس کو دم لینے کی مہلت مل گئی۔ یہ کوشش کہ آپ چھوٹے کسان کی ملکیت برقرار رکھیں اس کی آزادی کی نہیں بلکہ اس کی غلامی کی مخصوص شکل کی حفاظت کرتی ہے۔ وہ صرف ایسی صورت‌حال کو طویل بنا دیتی ہے جسمیں کسان نہ تو جیتا ہے اور نہ مرتا ہے۔ اس لئے یہاں آپ کے پروگرام کے پہلے پیراگراف کا حوالہ آپ کے دعوے کی سند کی حیثیت سے دینا بےجا ہے۔

تمہید میں کہا گیا ہے کہ موجودہ فرانس میں ذرائع پیداوار یعنی زمین بہت زیادہ جگہوں پر ابھی تک الگ الگ پیداوار کرنےوالوں کی انفرادی

سلکیت میں ہے ، کہ گویا سوشلزم کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ وہ جائداد کو محنت سے الگ کرے بلکہ اس کے برعکس ہر پیداوار کے ان دونوں عناصر کو ایک ہی ہاتھ میں دیکر متحد کرنا ہے ۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے سوٴخرالذکر اس عام شکل میں کسی طرح بھی سوشلزم کا فریضہ نہیں ہے ۔ اس کا فریضہ صرف یہ ہے کہ وہ ذرائع پیداوار کو اجتماعی سلکیت کی حیثیت سے پیداوار کرنے والوں کی طرف منتقل کر دے ۔ اس بات کو نظرانداز کرتے ہی مندرجۂبالا بیان ہمیں گمراہی کی طرف لےجاتا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گویا سوشلزم کا کام یہ ہے کہ وہ چھوٹے کسان کے کھیتوں کی موجودہ نام‌نہاد ملکیت کو حقیقی ملکیت میں تبدیل کر دے ، یعنی چھوٹے لگان‌دار کو مالک بنا دے اور قرض کے شہید مالک کو قرض سے آزاد مالک بنادے ۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ سوشلزم کسان ملکیت کی جھوٹی نشانیوں کو دور کرنے سے دلچسپی رکھتا ہے لیکن اس طریقے سے نہیں ۔

بہرحال ، معاملہ اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ تمہید براہ‌راست اس کو سوشلزم کا فرض بلکہ قطعی فرض کہہ سکتی ہے کہ

> ”وہ ان کسانوں کی ملکیت کی حفاظت کرے جو خود اپنی محنت پر جیتے ہیں اور ان کو سرکاری صیغۂ مال ، سودخور اور نئے ابھرتے ہوئے بڑے زمینداروں کی دست‌درازی سے بچائے ۔“

اس طرح تمہید نے سوشلزم پر وہ لازمی فرض عائد کیا ہے جس کو اس نے خود پہلے پیرا گراف میں نا ممکن قرار دیا ہے ۔ تمہید سوشلزم کو یہ فرض سونپتی ہے کہ وہ کسانوں کے چھوٹے قطعات آراضی کی ملکیت کی ”حفاظت“ کرے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتی ہے کہ اس طرح کی ملکیت ”ناگزیر طور پر ختم ہونےوالی“ ہے ۔ سرکاری صیغۂ مال ، سودخور اور نئے ابھرتے ہوئے بڑے زمیندار یہ سب ان آلات کے سوا اور کیا ہیں جن کے ذریعہ سرمایہ‌دار پیداوار یہ ناگزیر خاتمہ لاتی ہے ؟ کسانوں کو ”سوشلزم“ کن ذرائع سے اس تثلیث سے بچائے یہ ہم ذیل میں دیکھیں گے ۔

لیکن صرف چھوٹے کسان ہی کی ملکیت بچانے کا مطالبہ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی :

"اس تحفظ کو ان پیداوار کرنےوالوں کے لئے بھی پیش کرنا مفید ہوگا جو لگان‌دار یا بٹائی‌دار (métayers) کی حیثیت سے اس آراضی کی کاشت کرتے ہیں جس کے مالک دوسرے لوگ ہیں اور اگر یہ پیداوار کرنےوالے روزانہ اجرتی مزدوروں کا استحصال بھی کرتے ہیں تو وہ ایک حد تک اسکے لئے مجبور ہیں اس استحصال کیوجہ سے جس کے شکار وہ خود ہیں۔"

یہاں ہم ایسے میدان میں آ گئے ہیں جو عجیب ہے۔ سوشلزم اجرتی محنت کے استحصال کے خاص طور سے خلاف ہے۔ اور یہاں اس کو سوشلزم کا لازمی فریضہ قرار دیا جاتا ہے کہ وہ فرانسیسی لگان‌داروں کا اس وقت تحفظ کرے جب وہ "روزانہ اجرت پر کام کرنےوالے مزدوروں کا استحصال کریں" — یہی اس عبارت کے الفاظ ہیں! اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک حد تک اس کے لئے مجبور ہیں "اس استحصال کیوجہ سے جس کے شکار وہ خود ہیں"!

ایک بار پھسلنے کے راستے پر پڑکر برف‌گاڑی میں پھسلنا کتنا آسان اور خوشگوار ہوتا ہے! اچھا، اگر بڑے اور متوسط درجے کے جرمن کسان فرانسیسی سوشلسٹوں کے پاس آکر جرمن پارٹی کی انتظامیہ سے یہ سفارش کرنے کے لئے کہیں کہ جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی مرد اور عورت کھیت مزدوروں کا استحصال کرنے میں ان کی حمایت کرے اور اس کے لئے وہ سودخوروں، ٹیکس وصول کرنےوالوں، اناج کی سٹہ‌بازی کرنےوالوں اور مویشی بیچنےوالوں کے اس "استحصال کا حوالہ دیں جس کے وہ خود شکار ہیں"، تو فرانسیسی سوشلسٹ بھلا اس کا کیا جواب دیں‌گے؟ اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ ہمارے بڑے بڑے زمیندار ان کے پاس کوئی نواب کانیتز نہ بھیجدیں‌گے (کیونکہ اس نے بھی ان کی طرح اناج کی درآمد کی ریاستی اجارےداری کی تجویز پیش کی تھی) اور اسی طرح دیہی مزدوروں کا استحصال کرنے میں سوشلسٹ تحفظ کی فرمائش اس

استحصال کا حوالہ دے کر نہ کریں گے جس کے وہ خود اسٹاک ایکس چینج، سٹہ بازوں، سودخوروں اور اناج کے سٹہ بازوں کے ہاتھوں شکار ہیں۔

ہم یہاں پہلے ہی یہ کہہ دیں کہ ہمارے فرانسیسی دوستوں کی نیت ایسی بری نہیں ہے جیسی خیال کی جاسکتی ہے۔ ہم کو بتایا جاتا ہے کہ متذکرۂ بالا پیراگراف صرف ایک بہت ہی خاص معاملے کے لئے ہے یعنی شمالی فرانس میں، ہمارے چقندر پیدا کرنے والے ضلعوں کی طرح کسانوں کو اس لازمی پابندی کے ساتھ آراضی لگان پر دی جاتی ہے کہ وہ اسمیں چقندر کی ہی کاشت کریں۔ اس کے شرائط بھی بہت سخت ہوتے ہیں — کسانوں کو کسی معینہ فیکٹری کو اس کی مقرر کی ہوئی قیمت پر چقندر دینا پڑتا ہے، ان کو مقررہ بیج خریدنا ہوتا ہے اور کھاد کی بھی ایک مقررہ مقدار استعمال کرنی ہوتی ہے اور جب وہ چقندر بیچتے ہیں تو اس کی قیمت ادا کرنے میں ان کو بری طرح دھوکا دیا جاتا ہے۔ ہم جرمنی میں بھی اس کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں۔ اگر فرانسیسی سوشلسٹ اس قسم کے ہی کسانوں کو اپنی حفاظت میں لینا چاہتے ہیں تو اس کو صاف اور واضح طور پر کہنا چاہئے۔ لیکن یہ پیراگراف اپنی موجودہ غیر محدود اور عام شکل میں نہ صرف فرانسیسی پروگرام کے براہ راست خلاف ہے بلکہ عام طور پر سوشلزم کے بنیادی اصول کے بھی خلاف ہے اور اس کے مصنفوں کو کوئی شکایت نہ ہونا چاہئے اگر لاپروائی سے لکھی ہوئی اس عبارت کو مختلف حلقوں میں بالکل ان کی نیت کے برعکس استعمال کیا جائے۔

اسی طرح کا گمراہ کن مطلب تمہید کے ان آخری الفاظ سے بھی نکل سکتا ہے جن کے مطابق سوشلسٹ مزدور پارٹی کا فریضہ

> ”دیہی پیداوار کے تمام عناصر، ان تمام پیشوں کو متحد کرنا ہے جو مختلف قانونی حقوق کی بنیاد پر اپنے ملک کی زمین کو استعمال کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے مشترک دشمن یعنی زمیندارانہ جاگیردار نظام کے خلاف جدوجہد کریں۔“

میں اس کی قطعی تردید کرتا ہوں کہ کسی بھی ملک کی سوشلسٹ مزدور پارٹی کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنی صفوں میں دیہی پرولتاریہ اور

چھوٹے کسانوں کے ساتھ ساتھ بڑے اور اوسط درجے کے کسانوں اور حتی کہ بڑی بڑی جائدادوں کے لگان‌داروں ، سرمایہ‌دار سویشی پالنےوالوں اور سلک کی زمین سے ناجائز فائدہ اٹھانےوالے دوسرے سرمایہ‌داروں کو‌لےلے۔ ان سب کے لئے زمیندارانہ جاگیردار نظام مشترک دشمن ہو سکتا ہے۔ بعض سوالوں پر ہم انکا ساتھ دے سکتے ہیں اور بعض معینہ مقاصد کے لئے ان کے شانہ بشانہ جدوجہد کر سکتے ہیں۔ سماج کے ہر طبقے کے افراد ہماری پارٹی کے ممبر ہو سکتے ہیں لیکن سرمایہ‌داروں، اوسط درجے کی بورژوازی یا اوسط درجے کے کسانوں کے مفادات رکھنےوالے گروپ ہمارے لئے بیکار ہیں۔ یہاں بھی مصنفوں کا مطلب ایسا برا نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے۔ درحقیقت مصنفوں نے اس کے بارے میں سوچا تک نہیں۔ لیکن بدقسمتی سے وہ تعمیم کے جوش میں بہہ گئے اور ان کو اس پر حیرت نہ ہونا چاہئے اگر ان کے الفاظ کو پکڑا جائے۔

تمہید کے بعد وہ ضمیمے آتے ہیں جنکا خود پروگرام میں اضافہ کیا گیا ہے۔ ان میں بھی تمہید کی طرح سرسری عبارت ہے۔

اس دفعہ میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ برادریوں کو زرعی مشینیں خرید کر کسانوں کو ان کی لاگت کے حساب سے ہی کرائے پر دینا چاہئے یہ تبدیلی کی گئی ہے کہ اول تو برادریوں کو اس مقصد کے لئے ریاست سے امدادی رقوم سلنی چاہئیں اور دوسرے چھوٹے کسانوں کے استعمال کے لئے یہ مشینیں مفت دینی چاہئیں۔ یہ مزید رعایت شاید ہی چھوٹے کسانوں کے لئے زیادہ سودمندانہ ہوگی جن کے کھیتوں اور طریقۂ کاشتکاری کے لئے مشینوں کے استعمال کی بہت کم گنجائش ہے۔

آگے چل کر کہا گیا ہے:

> ” تمام موجودہ براہ‌راست اور بالواسطہ ٹیکسوں کی جگہ تین ہزار فرانک اور اس سے زیادہ کی آمدنیوں پر واحد تدریجی ٹیکس لگایا جائے۔ “

اسی طرح کا مطالبہ برسوں سے تقریباً ہر سوشل ڈیمو کریٹک پروگرام میں رکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات نئی ہے کہ ایسا مطالبہ خاص طور پر

چھوٹے کسانوں کے مفاد میں کیا جا رہا ہے اور صرف یہ ثابت کرتی ہے کہ اس مطالبے کی اصلی اہمیت کو کم سمجھا گیا ہے۔ برطانیہ کو لے لیجئے۔ اس کا ریاستی بجٹ ۹ کروڑ پونڈ اسٹرلنگ ہوتا ہے جن میں سے ایک کروڑ ۳۰ لاکھ سے لیکر ایک کروڑ ۴۰ لاکھ تک انکم ٹیکس سے ملتا ہے۔ باقی سات کروڑ ساٹھ لاکھ کا چھوٹا حصہ کاروبار پر ٹیکس (ڈاک، تار اور اسٹامپوں کے محصولات) لگانے سے ملتا ہے لیکن اس کا کہیں زیادہ بڑا حصہ عوامی استعمال کی چیزوں پر ٹیکس لگانے، آبادی کے تمام افراد کی آمدنیوں اور خاص طور سے غریب لوگوں کی آمدنیوں میں سے متواتر ایسی چھوٹی چھوٹی رقمیں کاٹ کر جو نظر میں نہیں آتی ہیں لیکن کروڑوں تک پہنچتی ہیں، حاصل کیا جاتا ہے۔ موجودہ سماج میں ریاستی اخراجات کسی اور طرح چلانا ممکن نہیں ہے۔ فرض کر لیجئے کہ برطانیہ میں یہ سارے ۹ کروڑ پونڈ ۱۲۰ پونڈ اسٹرلنگ (۳۰۰۰ فرانک) اور اس سے زیادہ آمدنیوں سے ایک تدریجی براہ‌راست ٹیکس لگاکر وصول کئے جاتے ہیں۔ گفن کے بیان کے مطابق سالانہ اندوختے کا اوسط، ساری قومی دولت میں سالانہ اضافہ ۱۸۶۵ ء سے ۱۸۷۵ ء تک ۲۴ کروڑ پونڈ اسٹرلنگ تھا۔ آئیے، ہم یہ فرض کر لیں کہ اب یہ تیس کروڑ سالانہ ہے۔ اس طرح ۹ کروڑ کے ٹیکس کا بوجھ اندوختہ کی ہوئی رقم کی تقریباً ایک تہائی ہڑپ کر جائیگا۔ دوسرے الفاظ میں سوائے سوشلسٹ حکومت کے کوئی دوسری حکومت ایسا اقدام نہیں کر سکتی۔ جب سوشلسٹ برسر اقتدار ہوں‌گے تو ان کو ایسے اقدامات کرنا پڑیں گے جن کے تحت ٹیکس میں ایسی اصلاح کی جائےگی جب ٹیکس عارضی، بالکل معمولی اور کم ہو جائےگا اور چھوٹے کسانوں کے سامنے بالکل نئے امکانات پیدا ہوں گے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پروگرام مرتب کرنےوالے خود یہ سمجھتے ہیں کہ ٹیکس کی اس اصلاح کے لئے کسانوں کو دیر تک انتظار کرنا پڑیگا اس لئے " فی‌الحال " (en attendant) ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی گئی :

" ان تمام کسانوں کے لئے ٹیکسوں کا خاتمہ جو خود اپنی محنت پر گذر بسر کرتے ہیں اور تمام گروی قطعات پر ان ٹیکسوں میں کمی۔ "

اس مطالبے کا پچھلا حصہ صرف کسانوں کے ایسے زیادہ بڑے فارموں کے لئے ٹھیک ہو سکتا ہے جن کو خود کسان کا خاندان کاشت نہیں کر سکتا ۔ اس لئے یہ شرط بھی ان کسانوں کے حق میں ہے جو '' روزانہ اجرت پر کام کرنےوالے مزدوروں کا استحصال ،، کرتے ہیں ۔

آگے چل کر کہا گیا ہے :

'' پابندیوں کے بغیر شکار اور ماہی گیری کی آزادی ، سوائے ان پابندیوں کے جو شکار اور مچھلیوں اور اگتی ہوئی فصلوں کے تحفظ کے لئے ضروری ہیں ۔ ،،

یہ بات تو بہت مناسب معلوم ہوتی ہے لیکن جملے کا آخری حصہ اس کے ابتدائی حصے کا صفایا کر دیتا ہے ۔ تمام دیہاتوں میں ہر کسان خاندان پر آج بھی خرگوشوں ، تیتروں ، پاٹک اور کارپ مچھلیوں کی تعداد کتنی ہے ؟ کیا ان کی تعداد اتنی بڑی ہے کہ ہر کسان کو سال بھر میں صرف ایک دن بھی آزادی سے شکار اور ماہی گیری کی اجازت دی جا سکے ؟

'' قانونی اور رائج شرح سود میں کمی ،، —

یعنی سودخوری کے خلاف نئے قوانین ، پولیس کے ان اقدامات پر عمل کرنے کی نئی کوشش جو پچھلے دو ہزار سال کے دوران ہمیشہ ہر جگہ نا کام رہی ہے۔ اگر چھوٹے کسان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ سودخور کے پاس جانا اس کے لئے کم مضرت‌رساں ہو تو سودخور ہمیشہ ایسے راستے اور ذرائع نکال لیتا ہے جن سے وہ سودخوری کے قوانین کی خلاف‌ورزی کئے بغیر کسان کا خون چوس کر اس کو کھوکھلا کر دے ۔ ان اقدامات سے چھوٹے کسان کو بس سکون مل سکتا ہے لیکن وہ ان سے کوئی فائدہ نہیں حاصل کر سکتا ۔ اس کے برعکس اس کو اس طرح انتہائی ضرورت کے وقت قرض حاصل کرنا اور زیادہ دشوار ہوجاتا ہے ۔

'' مفت طبی خدمات اور لاگت کی قیمت پر دوائیں ،، —

بہرحال یہ کسانوں کے خاص تحفظ کا اقدام نہیں ہے - جرمن پروگرام نے اس سے آگے بڑھکر یہ مطالبہ کیا ہے کہ دوائیں بھی مفت ہونی چاہئیں -

"جن لوگوں کو فوجی خدمات کے لئے طلب کیا جاتا ہے، خدمات کے دوران ان کے خاندانوں کے لئے وظیفہ"—

یہ جرمنی اور آسٹریا میں رائج ہے، اگرچہ بہت ہی ناکافی طور پر - یہ بھی کسانوں کا کوئی خاص مطالبہ نہیں ہے -

"کھاد، زرعی مشینوں اور غذائی سامان کی باربرداری کے کرائے میں کمی"—

یہ بنیادی طور پر جرمنی میں رائج ہے اور زیادہ تر بڑے زمینداروں کے مفاد میں ہے -

"اصلاح اراضی اور زرعی پیداوار کی ترقی کے لئے فوری تیاری اور سماجی کام کا منصوبہ مرتب کرنا"—

یہ سب محض غیرواضح اور حسین وعدوں کی دنیا میں محدود رہتا ہے اور مزیدبرآں یہ بھی بڑے بڑے زمینداروں کے مفاد میں ہے -

مختصر یہ کہ اس زبردست نظریاتی کوشش کے بعد جس کا اظہار تمہید میں کیا گیا ہے نئے زرعی پروگرام کی عملی تجاویز نے اس بات پر اور زیادہ پردہ ڈال دیا ہے کہ فرانسیسی مزدور پارٹی کس طرح چھوٹے کسانوں کی ملکیت ان کے چھوٹے قطعات پر برقرار رکھ سکتی ہے جن کا، بقول خود اس کے، خاتمہ ناگزیر ہے -

۲

ایک مسئلے میں ہمارے فرانسیسی رفیق بالکل ٹھیک ہیں یعنی فرانس میں کوئی پائدار انقلابی تبدیلی چھوٹے کسان کی مرضی کے خلاف ممکن نہیں ہے - صرف مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسانوں کو اپنے زیراثر لانے کے لئے ٹھیک تدابیر نہیں کر رہے ہیں -

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرانسیسی سوشلسٹ آجکل آنےوالے عام الکشن میں چھوٹے کسانوں کو اپنی طرف لانے کے لئے کوشاں ہیں۔ یہ حاصل کرنے کی توقع وہ محض بڑے بڑے غیریقینی وعدوں کے ذریعہ کر سکتے ہیں جنکی وکالت کے لئے وہ اور زیادہ غیریقینی زبانیخیالات پیش کرنے پر مجبور ہوں گے۔ پھر قریبی جائزے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ بڑے بڑے وعدے خود ایک دوسرے کے متضاد ہیں (ایسی صورتحال کو برقرار رکھنے کا وعدہ جس کو وہ خود ناگزیر طور پر ختم ہونےوالی کہتے ہیں) اور مختلف اقدامات یا تو بالکل بےاثر ہیں (سود کے بارے میں قوانین) یا عام مزدوروں کےمطالبات یا ایسےمطالبات ہیں جو بڑے زمینداروں کے لئے بھی مفید ہیں یا کسی طرح بھی چھوٹے کسانوں کے مفادات کو آگے بڑھانے میں کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پروگرام کا براہراست عملی حصہ خود اپنے غلط ابتدائی حصے کی تصحیح کرتا ہے اور تمہید کی اس بظاہر رعبدار اور بلندبانگ لفاظی کو عملی طور پر بہت ہی بےضرر اقدامات میں تبدیل کر دیتا ہے۔

ہمیں یہ صاف کہہ دینا چاہئے کہ ان تعصبات کے پیشنظر جو چھوٹے کسانوں کی پوری معاشی حالت، ان کی پرورشوپرداخت، ان کی دوسروں سے کٹی ہوئی طرز زندگی سے پیدا ہوتے ہیں اور جن کو بورژوا پریس اور بڑے زمیندار ہوا دیتے ہیں، ہم چھوٹے کسانوں کی کثیر تعداد کو صرف ایسے وعدوں سے آج کل اپنی طرف کر سکتے ہیں جن کو ہم خود جانتے ہیں کہ ہم پورا نہیں کر سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں صرف یہی وعدہ نہیں کرنا ہے کہ ہم ان کی ملکیت کو ہر صورت میں ان ساری معاشی طاقتوں سے بچائیں گے جو ان پر چھاپہ ماریں گی بلکہ ان کو ایسے بوجھوں سے بھی نجات دلائیں گے جن سے وہ اس وقت دبے ہوئے ہیں: لگاندار کو آزاد مالک بنا دیں گے اور زمین کے مالک کے رہن کا قرض ادا کر دیں گے جن کے بوجھ سے اس کا دم نکل رہا ہے (۳۰)۔ اگر ہم ایسا کر سکتے تو پھر اسی جگہ پہنچ جاتے جہاں سے موجودہ صورتحال لازمی طور پر نئے سرے سے اپنا سر اٹھاتی۔ ہم کسان کو نجات نہ دلاتے بلکہ صرف اسکو دم لینے کی مہلت دلا دیتے۔

لیکن یہ بات ہمارے مفاد میں نہیں ہے کہ ہم کسان کو آج تو جیت لیں اور کل اپنا وعدہ پورا نہ کرنے کی وجہ سے اس کو کھودیں۔ ہمیں اس کسان کی ضرورت پارٹی ممبر کی حیثیت سے نہیں ہے جو ہم سے یہ چاہتا ہو کہ ہم اس کے چھوٹے قطعہ زمین کی ملکیت کو مستقل بنادیں، ٹھیک اسی طرح جیسے اس چھوٹے دستکار کی ضرورت نہیں ہے جو مالک بننے کا خواہاں ہو۔ ایسے لوگوں کی جگہ سامی‌دشمنوں* کے یہاں ہے۔ ان کو انھیں کے پاس جاکر اپنی چھوٹی ملکیت بچانے کے وعدے لینا چاہئے۔ جب ان کو وہاں پتہ چلےگا کہ ان چمکتے ہوئے جملوں کا واقعی مطلب کیا ہے اور سامی‌دشمن آسمانوں سے کیسے کیسے نغموں کا نزول ہوتا ہے تب ان کی سمجھ میں زیادہ سے زیادہ آتا جائیگا کہ ہم لوگ، جو وعدے کم کرتے ہیں اور بچاؤ کی تلاش بالکل مختلف سمتوں میں کرتے ہیں، بہرحال زیادہ معتبر لوگ ہیں۔ اگر فرانسیسیوں کے یہاں بھی ویسے ہی پرشور سامی‌دشمن لفاظی ہوتی جیسی کہ ہمارے یہاں ہے تو انھوں نے مشکل سے نانٹ‌والی غلطی کی ہوتی۔

اچھا، تو اب چھوٹے کسان کی طرف ہمارا رویہ کیا ہے؟ ہم جس دن برسراقتدار ہوں‌گے اس سے کیسے نبٹیں‌گے؟

اول تو فرانسیسی پروگرام میں یہ بالکل ٹھیک کہا گیا ہے کہ ہم چھوٹے کسان کے ناگزیر خاتمے کو پہلے سے ہی دیکھ رہے ہیں لیکن ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ ہم دخل دیکر اسمیں تعجیل کریں۔

دوسرے یہ بات بھی صاف ہے کہ جب ہم ریاستی اقتدار حاصل کرلیں‌گے تو زبردستی چھوٹے کسانوں کو ان کی ملکیت سے محروم کرنے کی (چاہے وہ بامعاوضہ ہو یا بلامعاوضہ) کوشش نہیں کریں‌گے جیسا کہ ہمیں بڑے زمینداروں کے معاملے میں کرنا ہوگا۔ چھوٹے کسانوں کے تعلق سے ہمارا فریضہ اول تو کسان کی نجی معیشت اور نجی ملکیت کو کوآپریٹیو میں تبدیل کرنا ہے، زبردستی نہیں بلکہ مثال کی ترغیب سے

---

* ۱۹ویں صدی کی آٹھویں اور نویں دہائی میں سامی‌دشمن (anti-semitic) تحریک نے بڑے سرمائے کے خلاف پیٹی بورژوازی کی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ (ایڈیٹر)

اور اس مقصد کے لئے سماجی امداد پیش کرکے ۔ اور اس وقت ہمارے پاس واقعی ایسے کافی وسائل ہوں گے جن سے ہم چھوٹے کسانوں کو مستقبل کے وہ فوائد دکھا سکیں گے جو اس کے لئے آج بھی واضح ہونے چاہئیں ۔

تقریباً بیس سال پہلے ڈنمارک کے سوشلسٹوں نے جن کے ملک میں واقعی ایک ہی شہر کوپن ہیگن ہے اور اسی لئے ان کو اس شہر کے علاوہ تقریباً صرف کسانوں میں پروپیگنڈا کرنا پڑتا ہے ، ایسے منصوبے بنائے تھے ۔ کسی گاؤں یا چرچ کے حلقے کے کسانوں کو (ڈنمارک میں بہت سے الگ الگ بڑے نجی فارم ہیں) اپنے سارے قطعات ملا کر ایک بڑا فارم بنانا تھا تاکہ وہ مشترکہ اخراجات سے کاشتکاری کریں اور اسمیں لگائی ہوئی زمین ، رقم اور محنت کے تناسب سے پیداوار بانٹ لیں ۔ ڈنمارک میں چھوٹی زمیندارانہ ملکیت کا رول صرف ثانوی ہے ۔ لیکن اگر ہم اس خیال کو چھوٹی ملکیت آراضی والے حلقوں میں عملی جامہ پہنائیں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ چھوٹے قطعات کو متحد کرکے بڑے پیمانے پر کاشتکاری کرنے میں مزدوروں کا ایک حصہ بےکار ہو جاتا ہے ۔ محنت کی یہ بچت ہی بڑے پیمانے پر کاشتکاری کا ایک بڑا فائدہ ہے ۔ ان فاضل مزدوروں کے لئے روزگار دو طریقوں سے مل سکتا ہے — یا تو اطراف کی جاگیروں سے مزید آراضی لیکر کسانوں کی کوآپریٹیو کو دے دی جائے یا زیر بحث کسانوں کو اس بات کے ذرایع اور مواقع فراہم کئے جائیں کہ وہ ضمنی پیشے کے طور پر حرفت میں سب سے پہلے اور جہاں تک ممکن ہو صرف اپنے فائدے کے لئے کام کر سکیں ۔ دونوں صورتوں میں ان کی معاشی حالت بہتر ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی مرکزی سماجی اقتدار کو اتنا ضروری اثر حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ کسانوں کی کوآپریٹیو کی زیادہ اچھی تشکیل کر سکے اور مجموعی طور پر کوآپریٹیو کے اور اس کے انفرادی ممبروں کے حقوق اور فرائض کو پورے سماج کے دوسرے شعبوں کے حقوق اور فرائض کے برابر لاسکے ۔ اس کو تفصیلات میں عملی طور پر کیسے کیا جائیگا اس کا انحصار ہر معاملے کی اپنی صورت‌حال اور ان حالات پر ہوگا جن میں ہم سیاسی اقتدار کی باگ ڈور سنبھالیں گے ۔ ممکن ہے کہ اس طرح ہم ان کوآپریٹیو اداروں کو مزید

سہولتیں دے سکیں مثلاً شرح سود میں انتہائی کمی کے ساتھ قومی بینک ان کے گروی قرضوں کی ذمےداری اپنےاوپر لے ، بڑے پیمانے کی پیداوار کے قیام کے لئے سرکاری فنڈ سے قرض (یہ ضروری نہیں ھے کہ وہ پیسے کی شکل میں ہو بلکہ ضروری سامان کی شکل میں بھی ہو سکتا ھے مثلاً مشینری اور مصنوعی کھاد وغیرہ) اور دوسری سہولتیں دی جائیں۔

سب سے بڑا فریضہ کسانوں کو صاف طور پر یہ سمجھانا ھے کہ ہم ان کے مکانوں اور کھیتوں کو صرف کوآپریٹیو ملکیت میں اور کوآپریٹیو پیداوار میں تبدیل کرکے ھی محفوظ اور برقرار رکھ سکتے ھیں۔ انفرادی کاشتکاری اور انفرادی ملکیت کے حالات ھی ھیں جو کسانوں کو ان کے خاتمے کی طرف لئے جا رہے ھیں۔ اگر وہ انفرادی کاشتکاری پر اصرار کرینگے تو انکا اپنے گھربار سے نکالا جانا اور ان کے پرانے طریقۂپیداوار کی جگہ بڑے پیمانے کی سرمایہدارانہ پیداوار کا لینا لازمی ھے۔ اس وقت صورتحال یہ ھے۔ اب ہم آتے ھیں اور کسانوں کو یہ موقع دیتے ھیں کہ وہ خود بڑے پیمانے کی پیداوار رائج کریں ، سرمایہداروں کے فائدے کے لئے نہیں بلکہ خود اپنے مشترکہ فائدے کے لئے۔ کیا کسانوں کو یہ سمجھانا واقعی مشکل ہوگا کہ یہ خود ان کے مفاد میں ھے ، کہ یہی ان کی نجات کا واحد ذریعہ ھے ؟

نہ تو اب اور نہ آئندہ کبھی ہم چھوٹے قطعاتآراضی رکھنےوالے کسانوں سے یہ وعدہ کر سکیںگے کہ ہم ان کی انفرادی معیشت اور انفرادی ملکیت کو سرمایہدارانہ پیداوار کی برتر طاقت سے بچا سکیںگے۔ ہم صرف ان سے یہ وعدہ کر سکتے ھیں کہ ان کی ملکیت کے تعلقات میں ان کی مرضی کے خلاف مداخلت نہیں کریںگے۔ مزید برآں ہم اس کی حمایت کر سکتے ھیں کہ چھوٹے کسان کے خلاف سرمایہداروں اور بڑے زمینداروں کی جدوجہد میں اب کم سے کم ناجائز ذرائع استعمال کئے جائیں اور وہ براہراست لوٹ مار اور بےایمانی جو اب عام طور پر رائج ھے جہاں تک ممکن ہو روکی جائے۔ اسمیں ہمیں بہت ھی کم معاملات میں کامیابی ہوگی۔ فروغ پاتے ہوئے سرمایہدارانہ طریقۂ پیداوار کے تحت کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کہاں ایمانداری ختم ہوتی ھے اور بےایمانی شروع ہوجاتی ھے۔ لیکن اس سے ہمیشہ کافی فرق ہوگا کہ آیا

حکومت بےایمان کے ساتھ ھے یا اس کے شکار کے ساتھ۔ ھم تو قطعی طور پر چھوٹے کسان کے ساتھ ھیں ۔ ھم لوگ اس کی ھر امکانی کوشش کرینگے کہ اس کی زندگی زیادہ قابلِ برداشت ھو جائے اور اگر وہ ایسا طے کرے تو کوآپریٹیو میں آنے میں اس کی مدد کرینگے ۔ حتی کہ اس کو کافی وقت اپنے چھوٹے قطعۂآراضی پر قابض رھنے کا موقع دیں گے تاکہ وہ سوچ سمجھ سکے اگر وہ اس کا فیصلہ فوراً نہیں کر پاتا ۔ ھم یہ صرف اس لئے نہیں کرتے کہ ھم اپنی محنت پر گذربسر کرنےوالے چھوٹے کسان کو واقعی اپنا طرفدار سمجھتے ھیں بلکہ اسمیں پارٹی کا بھی براہ‌راست مفاد ھے ۔ ان کسانوں کی تعداد جتنی ھی زیادہ ھوگی جن کو ھم پرولتاریہ کی صفوں میں واقعی دھکیلے جانے سے بچا سکتے ھیں اور جن کو ابھی کسانوں کی طرح ھم اپنی طرف کھینچ لینگے ، اتنی ھی تیزی اور آسانی کے ساتھ سماجی تبدیلی ھوسکے گی۔ ھمیں اس تبدیلی کا اس وقت تک انتظار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ھے جب تک ترقی‌یافتہ سرمایہ‌دارانہ پیداوار ھر طرف اپنی شدید شکلوں میں نہ پھیل جائے ، جب تک آخری چھوٹا دستکار اور آخری چھوٹا کسان بڑے پیمانے کی سرمایہ‌دارانہ پیداوار کا شکار نہ ھو جائے ۔ کسانوں کے مفاد کے لئے اس مقصد سے جو مادی قربانی کی جائے گی اور جسکے اخراجات سماجی فنڈوں سے کئے جائیں‌گے وہ سرمایہ‌دارانہ معاشیات کے نقطۂ نظر سے محض پیسے کا اتلاف سمجھا جا سکتا ھے ۔ لیکن بہرحال یہ سرمایہ لگانے کا بہترین طریقہ ھے کیونکہ اس طرح عام طور پر سماجی تنظیم نو کی لاگت میں غالباً دس گنی بچت ھوگی۔ اس لئے ھم اس رخ سے کسانوں کے ساتھ بہت ھی اعتدال پسندانہ برتاؤ کر سکتے ھیں ۔ یہاں اس کی تفصیل کی گنجائش اور اس مقصد کےلئے ٹھوس تجاویز پیش کرنے کا موقع نہیں ھے ۔ یہاں ھم صرف عام اصولوں کے بارے میں کہہ سکتے ھیں ۔

اس طرح ھم پارٹی اور چھوٹے کسان کے ساتھ اس سے کوئی زیادہ بڑی برائی نہیں کر سکتے اگر ھم وعدے کر کے صرف یہ خیال پیدا کر دیں کہ ھم چھوٹے قطعات آراضی کی ملکیت کو مستقل طور پر برقرار رکھنا چاہتے ھیں ۔ اس کا مطلب کسانوں کی نجات کے راستے کو براہ‌راست روکنا اور پارٹی کو پرشور سامی‌دشمنی کی سطح تک گرانا ھوگا۔ اس کے

برعکس ہماری پارٹی کا یہ فرض ہے کہ وہ کسانوں پر بار بار یہ بات واضح کرے کہ ان کی حالت اس وقت تک انتہائی مایوس کن رہے گی جب تک سرمایہ‌داری کا بول بالا ہے ، کہ ان کے چھوٹے قطعات آراضی کو ان کی ملکیت میں برقرار رکھنا قطعی نا ممکن ہے ، کہ بڑے پیمانے کی سرمایہ‌دار پیداوار ان کی چھوٹی پیداوار کے ناکارہ اور فرسودہ طریقے کو اسی طرح یقینی طور پر کچل دیگی جیسے کوئی ریلوے ٹرین کسی ٹھیلے کو کچل دیتی ہے ۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہمارا اقدام معاشی ارتقا کے ناگزیر رجحان کے مطابق ہوگا اور یہ ارتقا چھوٹے کسانوں کو ہماری باتیں سمجھانے میں ناکام نہیں رہے گا۔

برسبیل تذکرہ میں اس موضوع کو اپنے اس یقین کا اظہار کئے بغیر ختم نہیں کر سکتا کہ دراصل نانٹ کے پروگرام کے مصنف بھی میرے ہم‌خیال ہیں ۔ یہ سمجھنے کےلئے وہ کافی عقلمند ہیں کہ وہ زمین بھی جو اب چھوٹے قطعات آراضی میں تقسیم ہے لازمی طور پر مشترکہ ملکیت میں آجائیگی ۔ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ چھوٹے قطعات آراضی کی ملکیت ختم ہونےوالی ہے ۔ نیشنل کونسل کی وہ رپورٹ بھی جو لافارگ نے مرتب کی اور نانٹ کی کانگرس میں پیش کی گئی اس خیال سے پوری مطابقت رکھتی ہے ۔ یہ جرمن زبان میں اس سال ۱۸ اکتوبر کے «Sozialdemokrat» میں برلن سے شایع ہوئی ہے (۳۱)۔ نانٹ کے پروگرام کی عبارت کی متضاد نوعیت ہی اس بات کا پردہ‌فاش کرتی ہے کہ مصنفوں نے جو کچھ کہا ہے دراصل وہ نہیں ہے جسے وہ کہنا چاہتے تھے ۔ اگر ان کو نہ سمجھا جائے اور ان کے بیانوں کا ناجائز استعمال کیا جائے جو حقیقت میں ہو چکا ہے تو یہ صریحی طور پر خود ان کا قصور ہے ۔ بہرحال ان کو اپنے پروگرام کی زیادہ وضاحت کرنی چاہئے اور آئندہ ہونےوالی فرانسیسی کانگرس کو اس پر بنیادی طور سے نظرثانی کرنا چاہئے ۔

اب ہم زیادہ بڑے کسان کو لیتے ہیں ۔ یہاں ہم ، وراثت کی تقسیم ، قرض اور مجبوراً زمین کی فروخت کیوجہ سے بیچ کے مدارج کا ایک نوع بنوع نمونہ پاتے ہیں — چھوٹی ملکیت‌والے کسان سے لیکر بڑے مالک کسان تک جس نے اپنی پرانی وراثت کو برقرار رکھا ہے بلکہ اس

میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے ۔ جہاں اوسط درجے کا کسان چھوٹی ملکیت‌والے کسانوں کے درمیان رہتا ہے وہاں اس کے مفادات اور خیالات چھوٹے کسانوں سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہیں ۔ وہ خود اپنے تجربے سے جانتا ہے کہ اس کی قسم کے کتنے کسان چھوٹے کسان کی سطح تک گرچکے ہیں ۔ لیکن جہاں متوسط درجے کے اور بڑے کسان حاوی ہیں اور جہاں فارم کے کام کےلئے عام طور پر مرد اور عورت نوکروں کی ضرورت ہوتی ہے وہاں معاملہ بالکل دوسرا ہے ۔ یہ سچ ہے کہ مزدور پارٹی کو سب سے پہلے اجرتی مزدوروں یعنی مرد اور عورت نوکروں اور روزانہ اجرت پر کام کرنےوالے مزدوروں کےلئے لڑنا چاہئے ۔ اس لئے یہ بلاشبہ ممنوع ہے کہ کسانوں سے ایسے وعدے کئے جائیں جن کانتیجہ مزدوروں کی اجرتی غلامی ہو ۔ لیکن جب تک اوسط درجے کے اور بڑے کسانوں کا وجود رہے گا اس وقت تک ان کا کام اجرتی مزدوروں کے بغیر نہیں چل سکتا ۔ یہ ہماری قطعی حماقت ہوگی اگر ہم چھوٹے کسان کو یہ امید دلائیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ اپنے قطعۂ آراضی پر قابض رہے گا اور اگر ہم یہی وعدہ بڑے اور اوسط درجے کے کسانوں سے کر لیں تو یہ صاف غداری ہوگی۔

یہاں پھر شہروں کے دستکاروں جیسا معاملہ ہے ۔ یہ سچ ہے کہ وہ کسانوں کے مقابلے میں زیادہ خراب حال ہیں لیکن ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو شاگردوں کے علاوہ اجرت پر کام کرنےوالے رکھتے ہیں یا پھر شاگرد ہی ان کےلئے اجرت پر کام کرتے ہیں ۔ ان حرفتی دستکاروں کو جو اس طرح اپنے وجود کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں سامی‌دشمنوں سے مل جل کر اس وقت تک رہنا چاہئے جبکہ ان کو خود اس کا یقین نہ ہو جائے کہ ان کو وہاں سے بھی کوئی مدد نہ ملےگی ۔ باقی لوگ جنھوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے طریقۂ پیداوار کا خاتمہ ناگزیر ہے وہ ہماری طرف آ رہے ہیں اور مزید برآں وہ اس تقدیر میں بھی حصہ‌دار بننے کے لئے تیار ہیں جو تمام دوسرے مزدوروں کی مستقبل میں بھی ہوگی ۔ یہی صورت بڑے اور اوسط درجے کے کسانوں کی بھی ہے ۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہمیں خود ان کے مقابلے میں ان کے مرد اور عورت نوکروں اور روزانہ اجرت پر کام کرنےوالوں سے زیادہ دلچسپی ہے ۔ اگر

یه کسان چاہتے ہیں کہ ہم ان کے فارموں کے آئندہ وجود کی ضمانت دیں تو ہم یہ کسی طرح بھی نہیں کر سکتے ۔ اس صورت میں ان کو سامی دشمنوں، کسان یونین کے ممبروں اور اسی طرح کی پارٹیوں میں جانا چاہئے جو ہر طرح کے وعدے تو بخوشی کر لیتے ہیں لیکن پورا کوئی بھی نہیں کرتے ۔ ہمیں یہ معاشی حقیقت معلوم ہے کہ بڑے اور اوسط درجے کے کسان بھی اسی طرح سرمایہ‌دارانہ پیداوار اور سمندر پار کے سستے اناج کے مقابلے کے شکار ہو جائیں‌گے جیسا کہ ان کے بڑھتے ہوئے قرضوں اور ہر جگہ ان کی بڑھتی ہوئی خراب حالی سے بھی ظاہر ہوتا ہے ۔ ہم اس خراب حالی کو دور کرنے کے لئے سوائے اس کے کچھ اور نہیں کر سکتے کہ یہاں بھی ہم ان کے فارموں کو ملا کر کوآپریٹیو ادارے بنانے کی سفارش کریں جن میں اجرتی محنت کا استحصال زیادہ سے زیادہ ختم ہوتا جائیگا اور جن کو رفتہ رفتہ پیداوار کرنےوالی بڑی کل‌قومی کوآپریٹیو انجمنوں کی شاخوں میں تبدیل کیا جا سکے‌گا جن میں ہر شاخ کے مساوی حقوق اور فرائض ہوں‌گے ۔ اگر کسان یہ سمجھ لیں کہ ان کے موجودہ طریقۂ پیداوار کا خاتمہ ناگزیر ہے اور اس سے ضروری نتائج اخذ کر لیں تو وہ ہمارے پاس آئیں گے اور یہ ہمارا فرض ہوگا کہ ہم ان کو نئے طریقۂ پیداوار کی طرف آنے کے لئے اپنے امکان‌بھر سہولتیں فراہم کریں ۔ ورنہ ہم کو انہیں ان کی قسمت پر چھوڑ کر ان کے اجرتی مزدوروں کی طرف توجہ کرنی پڑے‌گی جن میں ہمیں اپنے ہمدرد ضرور مل جائیں‌گے ۔ غالباً یہاں بھی ہم زبردستی ملکیت ضبط کرنے سے پرہیز کریں‌گے لیکن بہر حال ہم یہ توقع کرسکتے ہیں کہ معاشی ارتقا ان کوڑدماغ لوگوں کو بھی ہوشمند بنا دے‌گا ۔

بڑی بڑی زمینداریوں کا معاملہ سب سے سیدھا سادہ ہے ۔ یہاں ہم کھلی ہوئی سرمایہ‌دارانہ پیداوار سے دوچار ہیں اور اسی لئے ہمارے واسطے کسی طرح کا شک وشبہ نہیں ہے ۔ یہاں ہمارے سامنے کثیر تعداد میں دیہی پرولتاریہ ہے اور ہمارا فریضہ صاف ہے ۔ ہماری پارٹی کو سیاسی اقتدار حاصل کرتے ہی بڑے بڑے زمینداروں کی ملکیتیں اسی طرح ضبط کرنا ہے جس طرح صنعت میں کارخانے‌داروں کی ملکیتیں ۔ آیا یہ ضبطی بامعاوضہ ہوگی یا نہیں اس کا انحصار بڑی حد تک ہم پر نہیں

بلکہ ان حالات پر ہوگا جن میں ہم اقتدار حاصل کریں گے اور خصوصاً ان حضرات یعنی بڑے زمینداروں کے اپنے رویے پر ۔ بہرحال ہم معاوضے کو کسی طرح بھی قطعی ممنوع نہیں خیال کرتے ۔ مارکس نے مجھ سے اکثر کہا کہ ان کی رائے میں اگر ہم اس سارے گروہ کو خرید سکیں تو گویا بہت سستے چھٹ جائیں گے ۔ لیکن یہاں ہمارا تعلق اس بات سے نہیں ہے ۔ اس طرح جو بڑی بڑی جاگیریں سماج کو واپس ملیں گی وہ ان دیہی مزدوروں کو دے دی جائیں گی جن کی کاشت میں وہ اس وقت بھی مصروف ہیں اور ان کو کوآپریٹیو اداروں میں منظم کر دیا جائیگا ۔ یہ جاگیریں ان کو استعمال اور فائدے کے لئے سماج کے کنٹرول میں دی جائیں گی ۔ ابھی تک ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ان کو کن شرائط پر دی جائیں گی ۔ بہرحال سرمایہ‌دار معیشت کی سماجی معیشت میں تبدیلی کی تیاری یہاں مکمل طور سے ہو گئی ہے اور اس کو ایسے کارخانوں میں جیسے مسٹر کروپ یا مسٹر فون‌اشتوم کے ہیں فوراً عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے ۔ ان زرعی کوآپریٹیو اداروں کی مثال ایسے چھوٹے ملکیت‌والے آخری باقی کسانوں کے لئے جو اس وقت تک کترا رہے ہوں گے اور غالباً بعض بڑے کسانوں کے لئے بھی بڑے پیمانے کی کوآپریٹیو پیداوار کے فوائد کی یقین دہانی کا باعث ہوگی ۔

اس طرح ہم دیہی پرولتاریہ کے لئے ویسے ہی روشن امکانات پیش کر سکتے ہیں جیسے کہ صنعتی مزدوروں کے لئے اور اسی لئے دریائے ایلبے کے مشرقی کنارے پر واقع پروشیا میں زرعی مزدوروں کو اپنی طرف لانا ہمارے لئے محض وقت کی بات ہے اور وہ بھی بہت ہی مختصر وقت کی ۔ اور جب مشرقی ایلبے کے زرعی مزدور ہمارے ساتھ ہوں گے تو فوراً ہی پورے جرمنی میں ہوا بدل جائے گی ۔ درحقیقت مشرقی ایلبے کے زرعی مزدوروں کی نیم غلامی کی حالت ہی پروشیائی یونکروں (۳۲) کے تسلط کی خاص بنیاد ہے اور اس کے ساتھ ہی جرمنی پر پروشیا کے تسلط کی بھی ۔ مشرقی ایلبے کے یونکر جو زیادہ سے زیادہ قرضوں ، غربت ، ریاست اور منفرد لوگوں کی محتاجی میں مبتلا ہوتے جاتے ہیں اور اسی باعث اپنے تسلط سے پوری قوت کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں ، وہ نوکرشاہی اور فوجی افسروں کے گروہوں کی مخصوص پروشیائی نوعیت کے خالق اور

برقرار رکھنےوالے ھیں ۔ یونکروں کی نخوت ، تنگ‌نظری اور غرور نے پروشیائی قوم کی جرمن سلطنت (۳۳) کےلئے اس کی شاندار فتوحات کے باوجود ملک کے اندر نفرت پیدا کر دی ھے (اس بات کا لحاظ کرتے ہوئے بھی کہ فی الحال یہ سلطنت قومی اتحاد کی واحد صورت کی حیثیت سے ناگزیر ھے) اور بیرون ملک بھی اس کی عزت بہت کم ھے ۔ ان یونکروں کے تسلط کی بنیاد اس بات پر ھے کہ سات پرانے پروشیائی صوبوں کے متحد و متصل علاقے میں (جو جرمن سلطنت کے پورے علاقے کا تقریباً ایک تہائی ھے) ان کی زمیندارانہ ملکیت پھیلی ہوئی ھے جس‌کی حمایت سماجی اور سیاسی اقتدار کرتا ھے۔ اور یہاں نہ صرف انکی زمیندارانہ ملکیت پھیلی ہوئی ھے بلکہ اپنے شکر اور شراب بنانےوالے کارخانوں کے ذریعہ وہ اس علاقے کی انتہائی اھم صنعتوں کے مالک بھی ھیں ۔ باقی جرمنی کے نہ تو بڑے بڑے زمیندار اور نہ بڑے صنعت‌کار اتنی اچھی پوزیشن میں ھیں ۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی ایسی متحدومتصل سلطنت نہیں رکھتا۔ دونوں وسیع علاقے میں پھیلے ہوئے ھیں اور معاشی اور سیاسی برتری کےلئے آپس میں اور دوسرے سماجی عناصر سے بھی مقابلہ کرتے رہتے ھیں ۔ لیکن پروشیائی یونکروں کے تسلط کی یہ معاشی بنیاد متواتر ختم ہوتی جا رھی ھے ۔ یہاں بھی قرضوں کا بار اور مالی خراب‌حالی تمام ریاستی امداد کے باوجود (فریڈرک دوم کے زمانے سے یہ ھر یونکر کے بجٹ میں باقاعدہ شامل ہوتی ھے) ناگزیر طور پر پھیلتے جا رھے ھیں ۔ صرف قانون اور رواج کے مطابق جائز نیم کسان غلامی اور اس کے نتیجے میں دیہی مزدوروں کا بےحد استحصال اب بھی ڈوبتے ہوئے یونکروں کو اپنا سر سطح‌آب سے اوپر رکھنے میں مدد دے رھے ھیں ۔ ان مزدوروں میں سوشل ڈیموکریسی کی تخم‌ریزی کیجئے اور ان کو اپنے حقوق کی جدوجہد میں اٹل اور متحد بننے کی ہمت دلائیے اور بس یونکروں کے تسلط کا خاتمہ ہو جائےگا ۔ زبردست رجعت‌پرست طاقت کی ، جو جرمنی کے لئے ویسا ھی وحشیانہ اور لوٹ مار کا عنصر ھے جیسی روسی زارشاھی سارے یورپ کے لئے ، گیند کی طرح ہوا نکل جائےگی۔ پروشیائی فوج کی ”چنیدہ رجمنٹیں“ ، سوشل ڈیموکریٹک بن جائیں‌گی جس کا نتیجہ طاقتوں کی توازن میں ایسی تبدیلی ہوگی جو پورے الٹ پلٹ کے امکانات رکھتی

ہے ۔ لیکن اسی لئے مغربی جرمنی کے چھوٹے کسانوں ، حتی کہ جنوبی جرمنی کے متوسط درجے کے کسانوں کے مقابلے میں مشرقی ایلبے کے دیہی پرولتاریہ کو اپنی طرف کر لینا زیادہ اہم ہے ۔ یہاں ، ایلبے کے مشرقی کنارے پر واقع پروشیا میں ہی ہمارے کاز کےلئے فیصلہ کن لڑائی ہوگی اور اسی سبب سے حکومت اور یونکروں کا نظام دونوں اس بات کی امکانی کوشش کریں‌گے کہ ہماری پہنچ اس علاقے تک نہ ہو ۔ اور اگر وہ نئے تشددآمیز اقدامات ہماری پارٹی کی توسیع کو روکنے کےلئے پھر جاری کئے گئے جس کی دھمکی ہمیں دی جا رہی ہے تو اس کا پہلا مقصد یہی ہوگا کہ مشرقی ایلبے کے دیہی پرولتاریہ کو ہمارے پروپیگنڈے سے بچایا جائے ۔ ہمارے لئے اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا ۔ ہم بہرحال اس کو جیت لیں‌گے ۔

۱۵ و ۲۲ نومبر ۱۸۹۴ ء کے دوران لکھا گیا اور رسالہ «Die Neue Zeit», Bd 1, شمارہ ۱۰ ، ۹۵ — ۱۸۹۴ ء میں شایع ہوا ۔ دستخط : فریڈرک اینگلس

رسالے کے مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا ۔

فریڈرک اینگلس

کارل مارکس کی کتاب ''فرانس میں طبقاتی جدوجہد ۱۸۴۸ء — ۱۸۵۰ء'' کا تعارف[۳۴]

جو کتاب یہاں پھر شایع کی جا رہی ہے مارکس کی وہ پہلی کوشش ہے جو انہوں نے موجودہ تاریخ کے ایک حصے کی وضاحت کے لئے اپنے مادی تصور کے ذریعہ متعلقہ معاشی حالت کے پیش نظر کی ہے۔ ''کمیونسٹ مینی‌فسٹو ''، میں اس نظرئے کا اطلاق وسیع طور سے پوری موجودہ تاریخ پر کیا گیا ہے۔ «Neue Rheinische Zeitung» (۳۵) میں جو مضامین مارکس اور میں نے لکھے ہیں ان میں اس کو اپنے وقت کے سیاسی واقعات کی وضاحت کے لئے متواتر استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں یہ مقصود تھا کہ ان بہت برسوں کے دوران پھیلے ہوئے تاریخی ارتقا کے اندر، جو سارے یورپ کے لئے نازک اور ساتھ ھی مثالی تھا، اندرونی سببی تعلق دکھایا جائے، چنانچہ مصنف کے تصور کے مطابق سیاسی واقعات کو ان کے حقیقی اسباب تک لے جایا جائے جو آخری تجزئے میں معاشی اسباب ہیں۔

اگر موجودہ تاریخ کے واقعات اور واقعات کے سلسلوں کو جانچا جائے تو بنیادی معاشی اسباب تک پہنچنا ممکن نہ ہوگا۔ حتی کہ فی‌الحال جبکہ متعلقہ مخصوص پریس کے ترجمان اتنا زیادہ مواد شایع کر رہے ہیں، انگلستان تک میں بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ عالمی منڈی میں صنعت اور تجارت کی رفتار اور پیداوار کے طریقوں میں ہونے والی

تبدیلیوں کا روزبروز اس طرح جائزہ لیا جا سکے کہ ان بہت سی تہوں والے، پیچیدہ اور متواتر متبدل عناصر سے کسی معینہ مدت کےلئے ایک عام نتیجہ اخذ ہو سکے جن میں اہم‌ترین عناصر عام طور پر طویل مدت تک چپکے چپکے سلگتے رہتے ہیں اور پھر اچانک زوروں سے بھڑک کر منظر عام پر آجاتے ہیں۔ کسی معینہ مدت کی معاشی تاریخ کا واضح جائزہ ہم‌عصر حالات سے کبھی نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ یہ صرف بعد کو ہی سواد جمع کرکے اس کی چھان بین کے ذریعہ ممکن ہے۔ یہاں اعداد و شمار جن کی مدد کی لازمی طور پر ضرورت ہوتی ہے ہمیشہ پچھڑے رہتے ہیں۔ اسی لئے رواں حالات کے جائزے میں یہ ضروری ہے کہ اس عنصر کو جو سب سے زیادہ فیصلہ‌کن ہے اکثروبیشتر مستقل سمجھا جائے اور اس معاشی حالت کو جو اس متعلقہ مدت کی ابتدا میں موجود ہوتی ہے ساری مدت کےلئے ناقابل تبدیل خیال کیا جائے یا پھر اس صورت‌حال میں صرف ایسی ہی تبدیلیوں کو پیش نظر رکھا جائے جو خود مخصوص نمایاں واقعات سے پیدا ہوتی ہیں اور اسی لئے خاص طور پر نمایاں بھی ہوتی ہیں۔ اسی لئے مادیت کا طریقہ اکثر اپنے کو یہاں محدود کرلیتا ہے اور سیاسی تصادم کا سراغ معاشی ارتقا کے پیدا کئے ہوئے موجودہ سماجی طبقوں اور طبقوں کے فرقوں کے مفادات کی جدوجہد میں لگاتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ مخصوص سیاسی پارٹیاں ان طبقوں اور طبقوں کے فرقوں کا کم و بیش موزوں سیاسی اظہار ہیں۔

یہ بجائے خود واضح ہے کہ معاشی صورت حال میں ہم عصر تبدیلیوں کو ناگزیر طور پر نظر انداز کرنا جو ان تمام عوامل کی حقیقی بنیاد ہیں جن کا جائزہ لینا ہے یقینی غلطی کا سرچشمہ ہوگا۔ لیکن رواں تاریخ کو جامع طور پر پیش کرنے کی تمام شرائط میں ناگزیر طور پر غلطیوں کی جڑیں پوشیدہ ہیں۔ بہرحال اس وجہ سے کوئی بھی رواں تاریخ کو لکھنے سے باز نہیں رہتا۔

جب مارکس نے یہ کتاب لکھنا شروع کی تو مذکورۂ بالا غلطی پہلے سے زیادہ ناقابل گزیر تھی۔ ۱۸۴۸ — ۴۹ ء کے انقلاب کے دوران جو معاشی تبدیلیاں ہو رہی تھیں ان کا مطالعہ کرنا، حتی کہ صرف انہیں پیش نظر رکھنا بھی ناممکن تھا۔ یہی صورت لندن میں جلاوطنی

کے دوران ۱۸۴۹ — ۵۰ ء کی خزاں اور جاڑوں میں تھی ۔ لیکن یہ وهی زمانہ تھا جب مارکس نے اپنی تصنیف شروع کی اور ان ناسازگار حالات کے باوجود ، اس صحیح علم کیوجہ سے جو وہ فروری انقلاب سے پہلے فرانس کی معاشی حالت کی اور اس کے بعد اس ملک کی سیاسی تاریخ کی بابت رکھتے تھے ان کے لئے یہ ممکن ہوا کہ وہ واقعات کی ایسی تصویر کشی کرسکیں جس سے ان کے اندرونی روابط اس طرح عیاں ہو جائیں جیسے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے اور جو بعد کو اس دوہری آزمائش پر بھی لاجواب طور سے پوری اتری جو مارکس نے خود کی ۔

پہلی آزمائش اس بات کا نتیجہ تھی کہ ۱۸۵۰ ء کی بہار کے بعد مارکس کو ایک بار پھر معاشیات کے مطالعه کی مہلت مل گئی اور انهوں نے سب سے پہلے پچھلے دس سال کی معاشی تاریخ کا جائزہ شروع کیا ۔ چنانچه ابھی تک انهوں نے غیر مکمل مواد سے جو نیم قیاس اخذ کیا تھا وہ خود واقعات سے ان کے لئے بالکل صاف هو گیا یعنی ۱۸۴۷ ء کے عالمی تجارتی بحران هی نے فروری اور مارچ کے انقلابوں کو جنم دیا اور وہ صنعتی خوش حالی ، جو ۱۸۴۸ ء کے وسط سے رفته رفته شروع هوئی تھی اور ۱۸۴۹ ء اور ۱۸۵۰ ء میں پورے شباب پر پہنچ گئی تھی، نئی مضبوط شده یورپی رجعت‌پرستی کو تازہ قوت بخشنےوالی طاقت تھی ۔ یه فیصله کن بات تھی ۔ جبکه پہلے تین مضامین میں * (جو «Neue Rheinische Zeitung. Politisch-ökonomische Revue» (۳۶) میں شائع هوئے ، همبرگ ، جنوری ، فروری ، مارچ ۱۸۵۰ ء) انقلابی جوش کی نئی لہر کی توقع تھی، تو آخری دوهرے شمارے کےلئے جس کی اشاعت ۱۸۵۰ ء کی خزاں میں هوئی مارکس نے اور میں نے جو تاریخی تبصره (مئی سے اکتوبر تک) لکھا اس نے همیشه کےلئے ان خوش فہمیوں کو پاش پاش کردیا : ” نیا انقلاب صرف نئے بحران کے بعد هی ممکن هے ۔ بہرحال یه بھی اس بحران کی طرح نا گزیر

* کارل مارکس ” فرانس میں طبقاتی جدوجهد ۱۸۴۸ ء — ۱۸۵۰ ء “ ۔ (ایڈیٹر)

ہے ۔ ،، * لیکن یہی واحد اہم تبدیلی تھی جو ہمیں کرنی تھی ۔ پچھلے مضامین میں واقعات کی جو ترجمانی کی گئی تھی اس میں یا مقرر کردہ سببی روابط میں بالکل کوئی تبدیلی نہیں کرنی تھی جیسا کہ اس تبصرے میں ۱۰ مارچ سے ۱۸۵۰ ء کی خزاں تک کے واقعات کی مزید بیان‌آرائی سے ظاہر ہوتا ہے ۔ اسی لئے میں نے اس اضافے کو موجودہ نئی اشاعت کے چوتھے مضمون کی حیثیت سے شامل کر لیا ہے ۔

دوسری آزمائش اور بھی سخت تھی ۔ ۲ دسمبر ۱۸۵۱ ء (۳۷) کو لوئی بوناپارٹ کے ھاتھوں اقتدار کا تختہ الٹنے کے فوراً بعد مارکس نے فروری ۱۸۴۸ ء سے اس واقعہ تک ، جس پر فی‌الوقت انقلابی دور کا خاتمہ ہو گیا ، فرانس کی تاریخ ازسرنو لکھی ('' لوئی بوناپارٹ کی اٹھارویں برومیئر ،، ، تیسرا ایڈیشن ، ھمبرگ، میئسنیر ، ۱۸۸۵ ء **) ۔ اس پمفلٹ میں اس دور پر پھر روشنی ڈالی گئی ہے ، اگرچہ زیادہ مختصر طور سے، جس کا ذکر ھماری موجودہ اشاعت میں کیا گیا ہے ۔ سال بھر سے زیادہ بعد کے فیصلہ کن واقعہ کی روشنی میں لکھی ہوئی اس دوسری پیش کش کا مقابلہ ھماری پہلی تحریر سے کیجئیے تو یہ پتہ چلےگا کہ مصنف کو بہت کم تبدیلی کرنے کی ضرورت پڑی ۔

اس کے علاوہ اس تخلیق کو جو بات خاص طور پر اہم بناتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اس فارمولے کو پیش کرنے میں پہل کی جس میں دنیا کے تمام ملکوں کی مزدور پارٹیاں مشترکہ مفاھمت سے معاشی تبدیلی کےلئے اپنے مطالبے کا نچوڑ پیش کرتی ہیں : سماج کا ذرائع پیداوار پر قبضہ ۔ دوسرے باب میں '' کام کرنے کے حق ،، کے سلسلے میں جس کو '' پرولتاریہ کے انقلابی مطالبات کو مختصر طور پر پیش کرنےوالا پہلا بھونڈا فارمولا ،، قرار دیا جاتا ہے ، یہ کہا گیا ہے '' لیکن کام کرنے کے حق کے پیچھے سرمائے پر اختیار حاصل کرنا، سرمائے بر اختیار کے پیچھے ذرائع پیداوار پر قبضہ کرنا ، ان کو متحد مزدور طبقے کے ماتحت لانا اور اس طرح اجرتی محنت، سرمائے اور ان کے باھمی تعلقات

---

* کارل مارکس ''فرانس میں طبقاتی جدوجہد'' ۔ (ایڈیٹر)

** دیکھئیے اس سلسلے کا حصۂ اول ، صفحات ۲۹۷ — ۱۰۵ ۔ (ایڈیٹر)

کو ختم کرنا ہے ،، * ۔ اس طرح یہاں پہلی بار ایسا اصول مرتب کیا گیا ہے جس کے ذریعے جدید مزدوروں کے سوشلزم کو بین طور پر جاگیردارانہ ، بورژوا اور پیٹی بورژوا وغیرہ کے رنگ برنگ سوشلزم سے اور اس '' سامان کی مشترکہ ملکیت والے '' گڈمڈ نظریے سے بھی ممیز کیا جا سکتا ہے جو مزدوروں کی خودرو اور یوٹوپیائی کمیونزم کی پیداوار ہے ۔ اگر بعد میں مارکس نے اس اصول کی توسیع کرکے ذرائع تبادلے پر قبضے کو بھی اس میں شامل کر دیا جو بہر صورت '' کمیونسٹ مینی فسٹو ،، کی اشاعت کے بعد واضح ہو گیا تھا تو یہ مرکزی اصول کی ہی ضمنی شاخ تھی ۔ حال میں انگلستان کے کچھ داناؤں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ '' تقسیم کے ذرائع ،، بھی سماج کو منتقل کر دئے جائیں ۔ ان حضرات کے لئے یہ بتانا مشکل ہوگا کہ ذرائع پیداوار اور ذرائع تبادلہ سے الگ یہ تقسیم کے معاشی ذرائع آخرکار ہیں کیا ۔ شائد ان کے پیش نظر تقسیم کے سیاسی ذرائع ہیں یعنی ٹیکس اور غربا کی امداد جن میں سیکسن والڈ (۳۸) اور دوسرے اوقاف شامل ہیں ۔ لیکن اول تو یہ ذرائع تقسیم مجموعی طور پر سماج کی یعنی ریاست یا برادری کی ملکیت ہو چکے ہیں اور دوسرے ہم تو ٹھیک ان ہی کے خاتمے کے خواہاں ہیں ۔

* * *

جب فروری کا انقلاب پھوٹ پڑا ، اس وقت ہم سب ، جہاں تک انقلابی تحریکوں کے حالات اور رفتار کے بارے میں ہمارے تصورات کا تعلق ہے ، پچھلے تاریخی تجربے خصوصاً فرانس کے تجربے سے متاثر تھے ۔ درحقیقت موخرالذکر ہی ۱۷۸۹ء سے پوری یورپی تاریخ پر حاوی رہا تھا اور اب پھر اسی سے عام انقلابی تبدیلی کا سگنل دیا گیا تھا ۔ اسی لئے یہ بات قدرتی اور لازمی تھی کہ فروری ۱۸۴۸ء میں پیرس میں جس '' سماجی ،، انقلاب کا ، پرولتاریہ کے انقلاب کا اعلان کیا گیا اس کی نوعیت اور رفتار کے بارے میں ہمارے تصورات پر ۱۷۸۹ء

---

* کارل مارکس کی کتاب '' فرانس میں طبقاتی جدوجہد ۱۸۴۸ء — ۱۸۵۰ء '' ۔

اور ۱۸۳۰ ء قسم کے انقلابوں کی یادوں کی گہری چھاپ تھی ۔ مزیدبرآں جب پیرس کی بغاوت کی گونج ویانا ، میلان اور برلن کی فاتحانہ بغاوتوں میں سنائی دی ، جب سارا یورپ روس کی سرحدوں تک اس تحریک کی لپیٹ میں آگیا ، جب اس کے بعد پیرس میں جون کے دوران پرولتاریہ اور بورژوازی کے درمیان اقتدار کےلئے پہلی بڑی لڑائی ہوئی ، جب خود اپنے طبقے کی فتح نے تمام ملکوں کی بورژوازی کو اتنا بوکھلا دیا کہ وہ واپس بھاگ کر اس شاہ‌پرست اور جاگیردارانہ رجعت‌پرستی کے آغوش میں جا گری جس کا تختہ ابھی ابھی الٹا ہی گیا تھا — اس وقت جو حالات تھے ان کے تحت ہمارے لئے اس بات میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ عظیم اور فیصلہ کن لڑائی شروع ہوگئی ہے ، اس کو ایک واحد ، طویل اور نشیب و فراز کی انقلابی مدت میں لڑنا ہے ، اس کا انجام صرف پرولتاریہ کی سختتم فتح ہی ہوگا ۔

۱۸۴۹ ء کی شکستوں کے بعد ہم اس گھٹیا جمہوریت کے فریب خیال کے پاس بھی نہیں بھٹکے جو مستقبل کی عارضی حکومتوں کے گرد in partibus (۳۹) مجتمع ہو گئی تھی ۔ اس گھٹیا جمہوریت نے یہ بھروسہ کر رکھا تھا کہ '' ظالموں ،، پر '' عوام ،، کی فوری اور فیصلہ کن فتح ہوگی ۔ ہم لوگوں کا یہ خیال تھا کہ '' ظالموں ،، کے خاتمے کے بعد بھی ان مخاصمانہ عناصر سے ایک طویل جدوجہد ہوگی جو ان '' عوام ،، کے درمیان پوشیدہ تھے ۔ گھٹیا جمہوریت کو یہ توقع تھی کہ بغاوت پھر کسی دن پھوٹ پڑےگی ۔ ہم نے ۱۸۵۰ ء کی خزاں میں ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ انقلابی دور کا کم از کم پہلا باب ختم ہو چکا ہے اور نئے عالمی معاشی بحران کے شروع ہونے سے پہلے کسی بات کی توقع نہ کرنی چاہئے ۔ اسی لئے ان ہی لوگوں نے انقلاب کے غداروں کی طرح ہمارا حقہ‌پانی بند کر دیا جو بعد میں تقریباً بلا استثنا سب بسمارک سے جا ملے ، اس حد تک جتنی کہ بسمارک ان پر عنایت کر سکا ۔

لیکن تاریخ نے دکھایا کہ ہم بھی غلطی پر تھے ۔ اس نے دکھایا کہ ہمارا اس وقت کا نقطۂ نظر ایک فریب‌خیال تھا ۔ تاریخ نے کچھ اور بھی کیا : اس نے ہمارے غلط خیالات کو ہی نہیں دور کیا بلکہ

ان حالات کو بھی بالکل بدل دیا جن کے تحت پرولتاریہ کو اپنی لڑائی لڑنی ھے۔ ۱۸۴۸ء کا لڑنے کا طریقہ آج ہر طرح سے فرسودہ ھوچکا ھے اور یہ ایک ایسا نکتہ ھے جس کا موجودہ موقع پر زیادہ گہرا جائزہ لینا چاھئے۔

آج تک جتنے انقلاب ھوئے ھیں ان کے نتیجے میں ایک طبقے کی حکومت کی جگہ دوسرے طبقے کی حکومت آئی ھے۔ لیکن ابھی تک کثیر تعداد محکوم لوگوں کے مقابلے میں سب حکمراں طبقے چھوٹی اقلیتیں ھی رھے ھیں۔ اس طرح ایک حکمراں اقلیت کا تختہ الٹ دیا جاتا اور اس کی جگہ دوسری اقلیت ریاستی اقتدار پر قبضہ جماکر ریاستی اداروں کو اپنے مفادات کے مطابق ڈھال لیتی۔ ہر بار یہ وھی اقلیتی گروپ ھوتا جو اس وقت کے معاشی ارتقا کی سطح کے مطابق حکومت کرنے کا اھل تھا اور اس کے لئے مقصود تھا۔ اور اسی سبب سے (اور محض اسی سبب سے) ایسا ھوتا کہ محکوم اکثریت یا تو انقلاب میں اول الذکر کے مفاد کے لئے حصہ لیتی یا خاموشی سے اس کو قبول کر لیتی۔ لیکن اگر ہر معاملے کے ٹھوس مافیہ کو نظرانداز کردیں تو ان میں سے ہر انقلاب کی مشترکہ شکل یہی تھی کہ وہ اقلیت کے انقلاب تھے۔ حتی کہ جب اکثریت ان میں، شعوری یا غیرشعوری طور پر، حصہ لیتی تب بھی وہ صرف اقلیت کی خدمت کے لئے ھی کرتی۔ لیکن شاید اسی وجہ سے یا محض اکثریت کے مجہول اور غیر مزاحمتی رویے کیوجہ سے ایسا معلوم ھوتا کہ اقلیت ھی سارے لوگوں کی نمائندہ ھے۔

عام طور پر پہلی بڑی کامیابی کے بعد فتحیاب اقلیت میں تفریق پڑ جاتی۔ آدھا حصہ اسی سے مطمئن ھو جاتا جو کچھ حاصل کیا گیا ھوتا، دوسرا حصہ اور آگے جانا چاھتا اور نئے مطالبات پیش کرتا جو کم از کم جزوی طور پر کثیر تعداد عوام کے حقیقی یا ظاھری مفاد میں ھوتے۔ الگ الگ معاملات میں یہ زیادہ ترقی‌پسند مطالبات پورے کروا لئے جاتے لیکن ایسا اکثر وقتی طور پر ھوتا۔ زیادہ اعتدال‌پسند پارٹی پھر حاوی ھو جاتی اور پچھلی بار جو کچھ حاصل کیا گیا ھوتا پھر کلی یا جزوی طور پر کھو جاتا۔ تب شکست خوردہ لوگ چیخنے لگتے کہ ان کے ساتھ غداری کی گئی ھے یا اپنی شکست کو اتفاق پر

محمول کرتے - بہرنوع حقیقت میں زیادہ تر یہ ہوتا کہ پہلی فتح کی حاصلات کو صرف زیادہ ترقی پسند پارٹی کی دوسری فتح ہی محفوظ رکھ سکتی - یہ حاصل ہونے اور اس طرح وقت کا تقاضہ پورا ہو جانے کے بعد ترقی پسند اور ان کی حاصلات پھر میدان سے غائب ہو جاتیں -

سترھویں صدی کے عظیم برطانوی انقلاب سے لیکر موجودہ زمانے کے تمام انقلابوں تک نے ان ہی خصوصیتوں کا اظہار کیا جو ہر انقلابی جدوجہد کا جز لاینفک معلوم ہوئیں - معلوم ہوتا تھا کہ ان کا پرولتاریہ کی جدوجہد آزادی پر بھی اطلاق ہے - یہ یہاں اور بھی قابل اطلاق معلوم ہوئیں کیونکہ ٹھیک ۱۸۴۸ ء میں صرف چند ہی لوگ ایسے تھے جو اس کو پوری طرح سمجھتے تھے کہ اس آزادی کے لئے کیا رخ اختیار کرنا ہے - خود پرولتاری عوام ، پیرس تک میں ، اپنی جیت کے بعد بھی اس راستے کے بارے میں بالکل تاریکی میں تھے جس پر انہیں گامزن ہونا تھا - پھر بھی تحریک موجود تھی جو فطری ، خودرو اور غیر مغلوب تھی - کیا ایسی صورت حال انقلاب کی کامیابی کے لئے سازگار نہ تھی ، اگرچہ یہ سچ ہے کہ اس کی قیادت اقلیت کر رہی تھی لیکن اس بار یہ اقلیت کے مفاد میں نہیں بلکہ اکثریت کے انتہائی مفاد میں تھا ؟ اگر تمام زیادہ طویل انقلابی دوروں میں آگے بڑھنے والی اقلیتوں کی محض دل فریب اور جھوٹی لفاظی سے کثیر تعداد عوام کو دھوکا دیکر اتنی آسانی کے ساتھ جیتا جا سکتا تھا تو عوام کو ایسے خیالوں کا کیوں کم اثر قبول کرنا چاہئے تھا جو ان کی معاشی حالت کے سچے آئینہ دار تھے اور جو ان کی ایسی ضرورتوں کے صاف اور معقول اظہار تھے جن کو وہ ابھی تک سمجھتے تو نہ تھے لیکن انہیں ان کا دھندلا سا احساس تھا؟ یہ سچ ہے کہ عوام کا یہ انقلابی مزاج فریب خیال کا جادو ٹوٹتے اور ناامیدی کا شکار ہوتے ہی تقریباً ہمیشہ اور عام طور پر بڑی تیزی سے تھکان میں بدل جاتا یا یہاں تک کہ جذبات میں کایاپلٹ ہو جاتی - لیکن یہاں سوال دل فریبی کا نہیں بلکہ خود ایک بڑی اکثریت کے اعلیٰ ترین مخصوص مفادات کو عملی جامہ پہنانا تھا ، ایسے مفادات کو جو واقعی اس وقت تک اس بڑی اکثریت کے لئے واضح نہ تھے لیکن جن کو جلد ہی عملی جامہ پہنانے کے دوران اس کے لئے معقول طور پر واضح ہونا تھا - اور

جب ، جیسا کہ مارکس نے اپنے تیسرے مضمون میں بتایا ہے ، ۱۸۵۰ ء کی بہار میں ، اس بورژوا ریپبلک کے فروغ نے جو ۱۸۴۸ ء کے "سماجی" انقلاب سے پیدا ہوئی تھی ایک طرف حقیقی اقتدار بڑی بورژوازی کے ہاتھوں میں مرکوز کر دیا (جو شاہی کی طرف جھکی ہوئی تھی) اور دوسری طرف تمام دوسرے سماجی طبقوں ، کسانوں اور حتی کہ پیٹی‌بورژوازی کو بھی پرولتاریہ کے گرد اس طرح مجتمع کر دیا کہ مشترکہ فتح کے دوران اور اس کے بعد ان کو نہیں بلکہ پرولتاریہ کو اپنے تجربے سے ہوشمند بنکر فیصلہ کن عنصر بننا چاہئے تھا تو کیا ان حالات میں اس کا ہر طرح سے امکان نہ تھا کہ اقلیت کے انقلاب کو اکثریت کے انقلاب میں بدل دیا جائے؟

تاریخ نے ہمیں اور ہمارے ہم‌خیالوں کو غلط ثابت کر دیا ۔ اس نے یہ بات صاف کردی کہ براعظم یورپ پر اس وقت معاشی ارتقا کی حالت دور دور تک سرمایہ‌دارانہ طریقۂپیداوار کو ختم کرنے کےلئے پختہ نہیں ہوئی تھی ۔ تاریخ نے اس کو اس معاشی انقلاب کے ذریعہ ثابت کر دیا جو ۱۸۴۸ ء سے سارے براعظم پر چھا گیا ہے اور فرانس ، آسٹریا ، ہنگری ، پولینڈ اور حال میں روس میں بڑی صنعت کی جڑیں پکڑنے کا سبب بنا ہے ، جبکہ جرمنی کو اس نے قطعی طور پر اول درجے کا صنعتی ملک بنا دیا ہے — یہ سب سرمایہ‌دارانہ بنیاد پر ہوا ہے جو ۱۸۴۸ ء میں بھی توسیع کی بہت بڑی صلاحیت رکھتی تھی ۔ لیکن اسی صنعتی انقلاب نے ہر جگہ طبقاتی تعلقات واضح کر دئے ہیں ، ایسی متعدد درمیانی شکلیں دور کر دی ہیں جو چھوٹی کارخانے‌داری کے زمانے سے اور مشرقی یورپ میں تو دستکاروں کی انجمنوں (گلڈ) کے زمانے سے چلی آتی تھیں ، اصلی بورژوازی اور بڑے پیمانے کی صنعت کے اصلی پرولتاریہ کی تخلیق کی ہے اور ان دونوں کو سماجی ارتقا کے پیش منظر میں لے آیا ہے ۔ اس وجہ سے ان دو بڑے طبقوں کے درمیان جدوجہد ، ایسی جدوجہد جو ۱۸۴۸ ء میں برطانیہ کے علاوہ صرف پیرس میں تھی اور زیادہ سے زیادہ چند بڑے صنعتی مرکزوں میں بھی ، اب سارے یورپ میں پھیل گئی ہے اور اتنی شدت اختیار کر چکی ہے جس کا تصور ۱۸۴۸ ء میں نہیں کیا جا سکتا تھا ۔ اس وقت طرح طرح کے فرقوں کے مبلغ اپنے

اپنے نسخے پیش کر رہے تھے اور آج عام طور پر تسلیم‌شدہ واحد مارکس کا شفاف نظریہ ہے جس میں جدوجہد کے مختتم مقاصد کو واضح طور پر سرتب کیا گیا ہے۔ اس وقت عوام جگہ اور قومیت کے لحاظ سے منتشر تھے، اختلاف رائے رکھتے تھے اور صرف مشترکہ مصیبتوں کے احساس سے باہم سربوط تھے۔ یہ غیرترقی‌یافتہ عوام بےچارگی کے عالم میں آس اور یاس کے درمیان جھولتے رہتے تھے۔ آج سوشلسٹوں کی واحد اور عظیم فوج ہے جو دراتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے اور دن بدن اس کی تعداد، تنظیم، ڈسپلن، طبقاتی شعور اور فتح کے یقین میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اگر پرولتاریہ کی یہ زبردست فوج ابھی تک اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکی، اگر ایک ضرب‌کاری کے ذریعہ فتح حاصل کرنے کے بجائے اس کو ایک سخت اور دشوار جدوجہد میں قدم بقدم ایک مورچے سے دوسرے مورچے تک آگے بڑھنا پڑ رہا ہے تو اس سے صرف یہی قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ۱۸۴۸ء میں ایک سادہ اچانک حملے کے ذریعہ سماجی تبدیلی کا حصول کتنا ناممکن تھا۔

شاہی خاندان کے دو حامی گروہوں میں بٹی ہوئی بورژوازی (۴۰) جس کا مطالبہ بہرحال سب سے پہلے اپنے مالی معاملات کے لئے امن اور سلامتی تھا، اس پرولتاریہ سے دوچار تھا جو حقیقت میں شکست‌خوردہ تو تھا لیکن اب بھی ہمیشہ کے لئے خطرناک تھا، ایسا پرولتاریہ جس کے گرد پیٹی‌بورژوا اور کسان زیادہ سے زیادہ جمع ہو رہے تھے، تشدد کے پھوٹ پڑنے کا متواتر خطرہ تھا جس سے مسئلے کے مختتم حل کا بہرنوع قطعی کوئی امکان نہ تھا — یہ تھی صورت حال جو گویا تیسرے اور نقلی جمہوری دعویدار لوئی بوناپارٹ کے ہاتھوں حکومت کا تختہ الٹنے (coup d'état) کےلئے خاص طور سے تیار کی گئی تھی۔ ۲ دسمبر ۱۸۵۱ء کو فوج کے ذریعہ اس نے کشیدہ صورت حال کا خاتمہ کرکے یورپ کو اندرونی سکون دے دیا تاکہ اس پر جنگوں کے ایک نئے دور (۴۱) کی رحمت نازل کر سکے۔ فی‌الوقت نیچے سے شروع ہونےوالے انقلابوں کا دور ختم ہو گیا اور اوپر سے ہونےوالے انقلابوں کا دور آیا۔

۱۸۵۱ء میں شہنشاہیت کی طرف رجعت قہقری نے اس وقت کے پرولتاریہ کی تمناؤں کی ناپختہ‌کاری کا ثبوت پیش کیا۔ لیکن شہنشاہیت

کو خود وہ حالات پیدا کرنے تھے جن کے تحت ان میں پختگی پیدا ہوتی۔ اندرونی امن چین نے نئی صنعتی ترقی کی پوری ضمانت دی۔ فوج کو مصروف رکھنے اور انقلابی دھاروں کو دوسری طرف موڑنے کی ضرورت نے جنگوں کو جنم دیا جن میں بوناپارٹ نے " قومیت کے اصول " (۴۲) کے مدعی ہونے کے بہانے فرانس کےلئے مقبوضہ علاقے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس کی تقلید کرنےوالے بسمارک نے یہی پالیسی پروشیا کےلئے اختیار کی۔ اس نے اپنا ریاستی الٹ پلٹ، اوپر سے اپنا انقلاب جرمن کنفڈریشن اور آسٹریا کے خلاف ۱۸۶۶ء میں کیا (۴۳) اور اتنا ہی پروشیائی ایوان کے خلاف بھی جو حکومت کا حذب مخالف تھا۔ لیکن یورپ دو بوناپارٹوں کے لئے چھوٹا تھا اور تاریخ نے یہ ستم ظریفی کی کہ بسمارک نے بوناپارٹ کا تختہ الٹ دیا اور پروشیا کے شاہ ولہلم نے نہ صرف کوچک جرمن سلطنت بلکہ فرانسیسی ریپبلک بھی قائم کی۔ بہرحال اس کا عام نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں پولینڈ کے سوا بڑی قوموں کی آزادی اور اندرونی اتحاد حقیقت بن گیا، نسبتاً مختصر حدود کے اندر لیکن اتنی وسیع حدود میں جنھوں نے مزدور طبقے کو بڑھنے کا موقع دیا، اور قومی پیچیدگیاں سنجیدہ رکاوٹ نہیں بنیں۔ ۱۸۴۸ء کے انقلاب کی قبر کھودنےوالے اب اس کی وصیت کو پورا کرنےوالے بن گئے اور ان کے ساتھ دھمکاتا ہوا ۱۸۴۸ء کا وارث یعنی پرولتاریہ انٹرنیشنل کی شکل میں اٹھ کھڑا ہوا۔

۱۸۷۰ — ۷۱ء کی جنگ کے بعد بوناپارٹ میدان سے غائب ہو جاتا ہے اور بسمارک کا مشن بھی پورا ہو گیا ہے۔ اس لئے وہ پھر معمولی یونکر بن سکتا ہے۔ بہرحال اس دور کا خاتمہ پیرس کمیون (۴۴) پر ہو جاتا ہے۔ پیرس کے نیشنل گارڈ کے توپخانے کو چرانے کی جو ذلیل کوشش تیئر نے کی اس کی وجہ سے فتحیاب بغاوت پھوٹ پڑی (۴۵)۔ ایک بار پھر یہ ثابت ہوا کہ پیرس میں اب پرولتاری انقلاب کے سوا کوئی اور انقلاب ممکن نہیں ہے۔ فتح کے بعد اقتدار مزدور طبقے کے ہاتھ میں خودبخود اور مسلمہ طور پر آگیا۔ اور ایک بار پھر یہ ثابت ہوا کہ اس وقت کے بیس سال بعد بھی جس کا ذکر ہمارے پمفلٹ میں کیا گیا ہے، مزدور طبقے کا یہ اقتدار ممکن نہ تھا۔ ایک طرف فرانس نے پیرس

کو مصیبت میں پھنسا دیا اور جب وہ میک‌موہن کی گولیوں سے خون میں نہا رہا تھا تو وہ اس کو بےپروائی سے دیکھتا رہا۔ دوسری طرف دو پارٹیوں میں بٹا ہوا کمیون ان کے درمیان بےسود جھگڑے میں مبتلا ہوکر روزافزوں کمزور پڑنےلگا۔ یہ پارٹیاں بلانکیسٹ (اکثریت) اور پرودھونسٹ (اقلیت) تھیں اور ان میں سے کسی کو بھی یہ پتہ نہ تھا کہ کرنا کیا ھے۔ ۱۸۷۱ء میں جو فتح تحفے کے طور پر حاصل ہوئی تو وہ بھی اسی طرح بےسود رہی جیسے ۱۸۴۸ء کا اچانک حملہ رہا تھا۔

یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پیرس کمیون کے ساتھ مجاھد پرولتاریہ کو بھی ھمیشہ ھمیشہ کےلئے دفن کر دیا گیا۔ لیکن اس کے قطعی برخلاف اس کا نیا ابھار ھی کمیون اور فرانسیسی پروشیائی جنگ کے بعد ھوا۔ ھتیار سنبھالنے کے قابل پوری کی پوری آبادی کی ایسی فوجوں میں بھرتی جن کا شمار اب دسیوں لاکھ میں ھو سکتا تھا اور ایسے آتش گیر اسلحات کے رواج نے جن کی کارگری کا ابھی تک تصور بھی نہ کیا جاسکتا سارے طریقۂ جنگ میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ ان تمام باتوں نے ایک طرف بوناپارٹ کے جنگی دور کا خاتمہ کردیا اور ھر جنگ کو ، سوائے بےمثال ظلم وستم اورقطعی ناقابل اندازہ نتیجےوالی عالمی جنگ کے، ناممکن بناکر پرامن صنعتی ترقی کی ضمانت دی۔ دوسری طرف اس نے فوجی اخراجات کو بےحد بڑھاکر محصولوں کو اتنی اونچی سطح تک پہنچا دیا کہ لوگوں کے زیادہ غریب طبقے سوشلزم کے آغوش میں آن گرے۔ الزاس لارین کے الحاق نے ، جو اسلحہ‌بندی میں مقابلہ کا فوری سبب تھا ، فرانسیسی اور جرمن بورژوازی کو جارحانہ قوم‌پرستی کے جذبے کے تحت ایک دوسرے کا گلا گھونٹنے پر آمادہ کر دیا۔ لیکن ان دونوں ملکوں کے مزدوروں کے لئے یہ اتحاد کا ایک نیا رشتہ بن گیا اور پیرس کمیون کی سالگرہ نے پورے پرولتاریہ کے لئے پہلے عالمی تقریب کی صورت اختیار کر لی۔

۷۱–۱۸۷۰ء کی جنگ اور کمیون کی شکست نے مارکس کی پیش گوئی کے مطابق یورپ کی مزدور تحریک کے مرکز کو عارضی طور پر فرانس سے جرمنی منتقل کر دیا۔ مئی ۱۸۷۱ء کے خون‌ریزی سے بحال ھونے میں فرانس کو قدرتی طور پر برسوں لگ گئے۔ دوسری طرف

جرمنی میں ، جہاں صنعت نے ، فرانسیسی دولت کی عنایت سے (۳۶) اور زیادہ فروغ پاکر بڑی تیزی سے ترقی کی ، سوشل‌ڈیموکریسی میں بھی زیادہ تیزی کے ساتھ مستحکم اضافہ ہوا - ۱۸۶۶ ء میں رائج کئے ہوئے عام حق رائے دھندگی کو جرمن مزدوروں نے ہوشمندانہ طور سے استعمال کیا اور اس وجہ سے پارٹی میں جو حیرت‌انگیز اضافہ ہوا اس کے مسلمہ اعداد و شمار ساری دنیا کے سامنے آ گئے - یہ تھے سوشل ڈیموکریٹک ووٹ — ۱۸۷۱ ء میں ۱۰۲۰۰۰ ، ۱۸۷۴ ء میں ۳۵۲۰۰۰ اور ۱۸۷۷ ء میں ۴۹۳۰۰۰ - اس ترقی کو صاحبان اقتدار و اختیار نے سوشلسٹ دشمن ہنگاسی قانون (۳۷) بنا کر تسلیم بھی کیا - پارٹی عارضی طور پر ٹوٹ گئی اور ۱۸۸۱ ء میں اس کے ووٹوں کی تعداد گر کر ۳۱۲۰۰۰ رہ گئی - لیکن اس پر جلد ھی قابو پا لیا گیا اور ہنگاسی قانون کے دباؤ کے باوجود، پریس ، قانونی تنظیم اور اتحاد و اجتماع کے حق کے بغیر پھر واقعی تیزرفتار توسیع شروع ہو گئی : ۱۸۸۴ ء میں ۵۵۰۰۰۰ ، ۱۸۸۷ ء میں ۷۶۳۰۰۰ اور ۱۸۹۰ ء میں ۱۴۲۷۰۰۰ ووٹ ملے - اب ریاست کے ہاتھ مفلوج ہو گئے اور سوشلسٹ‌دشمن قانون غائب ہوگیا - سوشلسٹ ووٹ بڑھکر ۱۷۸۷۰۰۰ تک پہنچ گئے جو تمام دئے گئے ووٹوں کے ایک چوتھائی سے زیادہ تھے - حکومت اور حکمراں طبقوں نے اپنے سارے ہتھکنڈے استعمال کئے لیکن وہ سب بےسود ، بیکار اور ناکام ثابت ہوئے - صاحبان اختیار کی لاچاری کے وہ ٹھوس ثبوت جو ذلیل و حقیر مزدوروں نے پیش کئے دسیوں لاکھ میں گنے گئے اور انھیں چوکیدار سے لیکر ریاستی چانسلر تک کو ماننا پڑا - ریاست کا نزع کا عالم تھا اور مزدور اب اپنے راستے کی ابتدا کر رہے تھے -

لیکن جرمن مزدوروں نے اس کے علاوہ تمام مزدور طبقے کے کاز کے لئے ایک اور خدمت کی - پہلی خدمت ان کی انتہائی مستحکم ، بہت ھی منضبط اور تیزی سے بڑھتی ہوئی سوشلسٹ پارٹی کا وجود تھا - اور اب انھوں نے یہ دکھا کر کہ عام حق رائے دھندگی کو کیسے استعمال کرنا چاھئے دنیا کے سارے ملکوں میں اپنے رفیقوں کو ایک نیا اور بہت ھی تیز ہتیار فراہم کیا -

عام حق رائے دھندگی فرانس میں تو بہت زمانے سے تھا لیکن بوناپارٹ

کی حکومت نے جس غلط طریقے سے اس کو استعمال کیا اس کی وجہ سے وہ بدنام ہو گیا۔ کمیون کے بعد مزدوروں کی کوئی پارٹی ہی نہ تھی جو اس کا استعمال کر سکتی۔ اسپین میں بھی یہ ریپبلک کے زمانے سے تھا لیکن وہاں انتخابات کا بائیکاٹ تمام سنجیدہ مخالف پارٹیوں کےلئے ایک معمول بن گیا تھا۔ سوئٹزرلینڈ میں عام حق رائے دھندگی کا تجربہ بھی مزدور پارٹی کےلئے ہمت‌افزا نہ تھا۔ لاطینی ممالک کے انقلابی مزدور عام حق رائے دھندگی کو جال اور حکومت کی چال سمجھتے تھے۔ لیکن جرمنی میں صورت دوسری تھی۔ ”کمیونسٹ مینی‌فسٹو“ عام حق رائے‌دھندگی اور جمہوریت کے حصول کو مجاہد پرولتاریہ کا پہلا اور اہم‌ترین فریضہ قرار دے چکا تھا۔ اور لاسال نے اس نکتے پر پھر زور دیا تھا۔ جبکہ بسمارک عام حق رائے دھندگی (۴۸) رائج کرنے پر مجبور ہوا کیونکہ یہی ایسا طریقہ تھا جس کے ذریعہ وہ کثیر تعداد لوگوں کو اپنے منصوبوں میں دلچسپی لینے کی ترغیب دے سکتا تھا، تو ہمارے مزدوروں نے فوراً اس پر سنجیدہ رویہ اختیار کیا اور آگسٹ بیبل کو پہلے آئین‌ساز رائخ‌ستاگ میں بھیجا۔ اور اس دن کے بعد سے انہوں نے عام حق رائے دھندگی کو اس طرح استعمال کیا جس سے ان کو ہزار گنا فائدہ ہوا اور تمام ملکوں کے مزدوروں کےلئے ایک مثال قائم ہو گئی۔ فرانسیسی مارکسی پروگرام کے الفاظ میں مزدوروں نے عام حق رائے دھندگی کو دھوکہ‌بازی کی ایک چال کے بجائے جو وہ ابھی تک تھی اپنی نجات کے آلے میں بدل دیا (۴۹)۔ اور اگر عام حق رائے‌دھندگی سے ہمیں اس کے سوا اور کوئی فائدہ نہ ہوتا کہ اس نے ہمیں ہر تین سال میں اپنی تعداد شمار کرنے کی سہولت دی، کہ ہمارے ووٹوں کی تعداد میں پائدار اور غیر متوقع اضافے کی بدولت عام حق رائے‌دھندگی نے اتنے ہی پیمانے پر مزدوروں میں فتح کا یقین بڑھایا جتنی ان کے مخالفین میں گھبراہٹ، اور اس طرح ہمارے لئے پروپیگنڈے کا بہترین ذریعہ بن گئی، کہ اس نے صحیح طریقے پر ہمیں اپنی اور سب مخالف پارٹیوں کی طاقت سے مطلع کیا اور اس طرح اس نے ہمارے اقدامات کے تناسب کےلئے بہترین پیمانے کا کام کیا اور ہم کو بے‌موقع بزدلی اور اس کے ساتھ بے‌موقع بہادری سے بچایا — اگر عام حق رائے‌دھندگی سے صرف یہی

سہولت ملی ہوتی تو یہ بھی کافی سے زیادہ ہوتی۔ لیکن اس نے اس سے زیادہ بہت کچھ کیا۔ انتخابی پرچار کے دوران اس نے یہ موقع دیا کہ ہم وہاں عوام سے رابطہ قائم کر سکیں جہاں وہ ابھی تک الگ تھلگ تھے، کہ تمام پارٹیاں ہمارے حملوں کے خلاف سارے عوام کے سامنے اپنے خیالات اور اقدامات کی صفائی دینے پر مجبور ہوں اور مزیدبرآں اس نے رائخ‌ستاگ میں ہمارے نمائندوں کےلئے ایک ایسا پلیٹ‌فارم فراہم کیا جس سے وہ پارلیمنٹ کے اندر اپنے مخالفین کے خلاف اظہار رائے کر سکیں اور باہر کثیر تعداد عوام کے سامنے اس اعتماد اور آزادی کے ساتھ اپنی بات کہہ سکیں جو پریس یا جلسوں کے ذریعہ ممکن نہ تھی۔ بھلا حکومت اور بورژوازی کے لئے سوشلسٹ‌دشمن قانون کس کام کا تھا جب انتخابی مہموں اور رائخ‌ستاگ میں سوشلسٹ تقریریں متواتر اس کو توڑتی ہوئی گونجتی تھیں؟

لیکن عام حق رائے دہندگی کے اس کارآمد استعمال کے ساتھ ساتھ پرولتاری جدوجہد کا ایک نیا طریقہ بروئےکار آیا اور اس طریقے نے بڑی تیزی کے ساتھ مزید فروغ حاصل کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ریاستی ادارے جن کے ذریعہ بورژوازی اپنی حکمرانی منظم کرتی ہے مزدور طبقے کو ان ہی ریاستی اداروں کے خلاف لڑنے کے لئے مزید مواقع فراہم کرتے ہیں۔ مزدور بعض قانون‌ساز اسمبلیوں، میونسپل کونسلوں اور حرفتی عدالتوں کے انتخابوں میں حصہ لینے لگے، انھوں نے بورژوازی سے ہر اس انتخابی جگہ کے لئے مقابلہ کیا جس میں پرولتاریہ کے کافی حصے کی آواز تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بورژوازی اور حکومت، مزدور پارٹی کے غیرقانونی اقدام کے مقابلے میں اس کی قانونی کارروائیوں سے اور بغاوت کے مقابلے میں انتخابات کے نتائج سے زیادہ خوفزدہ ہو گئیں۔

اس کا سبب یہ تھا کہ یہاں بھی جدوجہد کے حالات بنیادی طور پر بدل گئے تھے۔ پرانے طرز کی بغاوت اور سڑکوں پر مورچے کھڑے کرکے لڑائی جو ۱۸۴۸ء تک معاملات کو طے کرنے کےلئے ہر جگہ ہوتی تھی اب کافی حد تک فرسودہ ہو چکی تھیں۔

ہمیں اس کے متعلق کسی مغالطے میں نہ رہنا چاہئے: سڑکوں پر لڑائی میں فوج پر کسی بغاوت کی حقیقی فتح اس طرح بہت کم ہوتی

ہے جیسے دو فوجوں کی ٹکر میں حاصل ہونےوالی فتح ۔ اور مسلح باغی بھی اس پر شاذ و نادر ہی بھروسہ کرتے ہیں ۔ وہ محض اس پر امید کرتے ہیں کہ اخلاقی اثر کے ذریعہ فوجوں کو سر جھکا دینے پر مجبور کر دیں حالانکہ دو لڑنےوالے ملکوں کی فوجوں کے درمیان جنگ میں اخلاقی اثر بالکل ہی بروئے کار نہیں آتا یا پھر بہت ہی معمولی حد تک ہوتا ہے ۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہوتے ہیں تو فوجیں حکم نہیں مانتیں یا کمانڈر سر پھرے ہو جاتے ہیں اور بغاوت فتحیاب ہوتی ہے ۔ اگر باغیوں کو اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو اگر فوج اقلیت میں بھی ہو تب بھی اس کے ہتیاروں اور تربیت ، واحد قیادت ، فوجی طاقت اور ضابطے کا منصوبہبند استعمال مؤثر ثابت ہوتے ہیں ۔ حقیقی مورچہبندی کے سلسلے میں کوئی بغاوت عملی طریقۂ کار میں زیادہ سے زیادہ جو حاصل کر سکتی ہے وہ واحد مورچے کا مناسب استحکام اور اس کا دفاع ہے ۔ باہمی امداد ، محفوظ فوجی طاقت کی تقسیم اور استعمال ، مختصر یہ کہ منفرد دستوں کا مرکوز اور مربوط اقدام جو شہر کے کسی ایک حصے کےلئے بھی ضروری ہے (پورے شہر کی بات تو جانے دیجئے) صرف بہت ہی محدود حد تک ممکن ہے اور اکثر ممکن ہی نہیں ہے ۔ درحقیقت یہاں کسی فیصلہ کن جگہ پر فوجی طاقتوں کے مرکوز کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا ۔ اس لئے مجہول مدافعت ، لڑائی کی موجودہ شکل ہے ۔ جگہ بجگہ حملے بھی ہوںگے ، کہیں دھاوے اور بغلی چھاپے مارے جائیںگے لیکن یہ صرف استثنا کی شکل میں ہوںگے ۔ عام طور پر ایسا حملہ پیچھے ہٹتی ہوئی فوج کے چھوڑے ہوئے مورچوں پر قبضہ کرنے تک محدود ہوگا ۔ مزیدبرآں فوج کے پاس توپخانہ ، سامان سے لیس تربیتیافتہ انجنیروں کے دستے ، جنگ کے ایسے وسائل ہوتے ہیں جو تقریباً ہر معاملے میں باغیوں کے پاس نہیں ہوتے ۔ تو پھر اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ پیرس (جون ۱۸۴۸ ء) ، ویآنا (اکتوبر ۱۸۴۸ ء) اور ڈریسڈن (مئی ۱۸۴۹ ء) میں بڑی بہادری کے ساتھ لڑی جانےوالی سڑکوں کے مورچوں پر لڑائیوں کا انجام باغیوں کی شکست ہوا ، جیسے ہی حملے کے لیڈر سیاسی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر خالص فوجی نقطۂنظر سے کارروائی کرنے لگے اور انہیں اپنے سپاہیوں پر ہی بھروسہ رہا ۔

۱۸۴۸ء تک باغیوں کی متعدد کامیابیوں کی بہت سی وجوہ تھیں۔ جولائی ۱۸۳۰ء اور فروری ۱۸۴۸ء میں پیرس میں اور اسی طرح اسپین میں زیادہ‌تر سڑکوں کی لڑائیوں کے دوران باغیوں اور فوج کے درمیان شہری گارڈ حائل رہا۔ اس گارڈ نے یا تو براہ‌راست باغیوں کا ساتھ دیا یا پھر ٹھنڈے اور ڈھلمل رویے سے فوج کو بھی مذبذب کر دیا اور اس کے علاوہ باغیوں کو ہتھیار فراہم کئے۔ جب اس شہری گارڈ نے بغاوت کی ابتدا سے مخالفت کی جیسا کہ جون ۱۸۴۸ء میں پیرس میں ہوا تو بغاوت کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ۱۸۴۸ء میں برلن میں عوام کی فتح کا سبب کچھ تو یہ تھا کہ ۱۹ مارچ کی رات اور صبح کے دوران باغیوں کی صفوں میں کافی نئے لڑنےوالے آ گئے تھے، اور کچھ یہ بھی کہ فوج تھک گئی تھی اور اس کے لئے رسد کا انتظام اچھا نہ تھا اور سب سے آخر میں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فوجی کمان مفلوج ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن تمام صورتوں میں باغیوں کی جیت اس لئے ہوئی کہ فوج نے حکم ماننے سے انکار کر دیا، کہ کمانڈر افسروں کی قوت فیصلہ مفلوج ہو گئی یا پھر وہ لاچار تھے۔

اس لئے سڑکوں پر لڑائی کے کلاسیکی زمانے میں بھی سڑکوں کی مورچہ‌بندی کا اثر مادی سے زیادہ اخلاقی تھا۔ یہ فوج کے استقلال کو متزلزل کرنے کا ذریعہ تھی۔ اگر مورچہ‌بندی لڑائی کو اس وقت تک جاری رکھ سکی جب تک یہ مقصد حاصل نہ کر لیا گیا تو جیت اس کی ہوئی اور اگر ایسا نہ ہوا تو اس کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ھے وہ خاص نکتہ جسے آئندہ سڑکوں پر لڑائی کے امکانات پر غور کرتے وقت پیش‌نظر رکھنا چاہئے۔ *

۱۸۴۹ء میں ھی ایسے امکانات بہت کم رہ گئے تھے۔ ہر جگہ بورژوازی حکومت کا ساتھ دے رہی تھی، بغاوت کے خلاف کارروائی کرنےوالی فوج کو ”ثقافت اور جائداد“ کے نمائندے خوش‌آمدید کہتے تھے اور اس کی خاطر تواضع کرتے تھے۔ سڑکوں کی مورچہ‌بندی

---

* رسالہ «Die Neue Zeit» اور ”فرانس میں طبقاتی جدوجہد“ کے ۱۸۹۵ء کے ایڈیشن میں یہ جملہ نہیں ھے۔ (ایڈیٹر)

کا جادو ٹوٹ چکا تھا۔ اب سپاھیوں کو اس کے پیچھے ''عوام،، نہیں بلکہ باغی، ھنگامہ‌پرور، لوٹ مار کرنے اور تباھی پھیلانےوالے، سماج کے گندے لوگ ھی نظر آتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ فوجی افسر نے سڑکوں کی لڑائی کی چالیں اور پینترے سیکھ لئے تھے۔ اب وہ سیدھے اور اوٹ کے بغیر عارضی مورچوں کی طرف نہیں جھپٹتا تھا بلکہ باغوں، احاطوں اور مکانوں کا چکر کاٹ کر ان تک آتا تھا۔ اور اگر اس کو تھوڑی سی بھی سہارت کے ساتھ کیا جاتا تو دس میں سے نو معاملوں میں کامیابی ھوتی۔

اس وقت سے اب تک مزید تبدیلیاں ھوئی ھیں جو سب کی سب فوج کے حق میں ھیں۔ اگر بڑے شہر کافی زیادہ بڑے ھو گئے ھیں تو فوجیں اور بھی زیادہ بڑی ھو گئی ھیں۔ ۱۸۴۸ء سے پیرس اور برلن کی آبادی چارگنی سے کچھ کم بڑھی ھے لیکن ان کی چھاؤنیوں میں اس سے بھی زیادہ اضافہ ھوا ھے۔ ریلوے کے ذریعہ ان فوجوں کو چوبیس گھنٹے کے اندر دگنا کیا جا سکتا ھے اور ۴۸ گھنٹے میں ان کو زبردست فوجوں میں تبدیل کیا جا سکتا ھے۔ ان کثیر تعداد فوجیوں کی سلحہ‌بندی کہیں زیادہ مؤثر ھو چکی ھے۔ ۱۸۴۸ء میں چکنی نال‌والی توڑےدار بندوق تھی اور اب چھوٹے دھانے اور گولیوں کی پٹی رکھنےوالی رائفل ھے جو پہلےوالی کے مقابلے میں چار گنی دور مار ھے اور دس گنا زیادہ صحیح نشانہ لگاتی ھے اور تیزی سے کام کرتی ھے۔ اس زمانے میں توپوں کے بڑے اور چھوٹے گولے نسبتاً اتنے کارگر نہ تھے لیکن اب ایسے شیل کے گولے ھیں جن میں صرف ایک بہترین سڑک کے مورچے کو توڑ پھوڑ دینے کے لئے کافی ھے۔ اس زمانے میں سرنگ اڑانےوالوں کے پاس آتشی دیوار کو توڑنے کے لئے صرف کدال ھوتی تھی اور آج اس کے پاس ڈائنامائٹ کے کارتوس ھوتے ھیں۔

دوسری طرف باغیوں کے حالات اور زیادہ خراب ھوگئے ھیں۔ ایسی بغاوت کا جس سے لوگوں کے سارے پرتوں کو اتفاق ھو اب مشکل سے ھی ھوگی۔ طبقاتی جدوجہد میں اوسط درجے کے پرت اپنے کو پرولتاریہ کے گرد غالباً اس طرح قطعی طور پر کبھی بھی یکجا نہیں

کرینگے کہ بورژوا کے گرد جمع ہونےوالی رجعت‌پرست پارٹی غائب ہو جائے - اس لئے ''عوام'' ہمیشہ بٹے رہیں‌گے جس کی وجہ سے وہ بہت ہی مضبوط پیچ جو ۱۸۴۸ء میں غیر معمولی طور پر مؤثر تھا اب ختم ہو چکا ہے - اگر فوجی خدمات کا تجربہ رکھنےوالے زیادہ سپاہی باغیوں کے ساتھ ہو جائیں تو ان کو مسلح کرنا کافی دشوار ہوگا- اسلحہ کی دوکانوں پر ملنےوالی شکاری اور خوبصورت بندوقیں، اگر پہلے ہی پولیس کے حکم سے ان کے گھوڑے کا ایک حصہ نکالکر ان کو ناقابل استعمال نہیں بنا دیا گیا ہے، تب بھی وہ قریب کے فاصلے تک کی لڑائی میں فوجیوں کی میگزین‌والی رائفل کا مقابلہ کبھی نہیں کر سکتیں - ۱۸۴۸ء تک کوئی بھی بارود اور سیسے سے کارتوس خود بنا سکتا تھا، آج مختلف بندوقوں کے لئے مختلف کارتوس ہوتے ہیں اور صرف ایک بات میں وہ ہر جگہ یکساں ہوتے ہیں یعنی وہ بڑی صنعت کی پیچیدہ پیداوار ہیں اور اس لئے وہ تیزی سے نہیں بنائے جا سکتے - اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زیادہ‌تر بندوقیں بیکار ہیں اگر ان کے مخصوص کارتوس موجود نہ ہوں - اور آخری بات یہ ہے کہ ۱۸۴۸ء سے بڑے شہروں کے محلوں میں ایسی لمبی‌چوڑی اور سیدھی سڑکیں بنائی گئی ہیں کہ گویا وہ نئی توپوں اور رائفلوں کا خاص‌طور سے نشانہ بن سکیں - اگر کوئی انقلابی سڑکوں پر مورچوں‌والی لڑائی کےلئے شمالی یا مشرقی برلن کے مزدوروں کے نئے محلوں کو انتخاب کرے تو یہ پاگل‌پن ہوگا-

کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ آئندہ سڑکوں کی لڑائی کا کوئی رول نہیں رہ گیا ہے؟ ایسی بات ہرگز نہیں ہے - اس کا صرف مطلب یہ ہے کہ ۱۸۴۸ء سے شہری مجاہدوں کے لئے حالات زیادہ ناسازگار ہو گئے ہیں جبکہ وہ فوج کے لئے زیادہ آسان بن گئے ہیں - اس لئے آئندہ سڑکوں پر لڑائی میں اسی وقت جیت ہو سکتی ہے جب اس ناسازگار صورت حال کا ازالہ دوسرے عناصر سے ہو - چنانچہ ایسی لڑائی کسی بڑے انقلاب کی ابتدا میں شاذونادر ہی ہوگی بمقابلہ اس کے مزید ارتقا کے دور میں اور اس وقت اس میں زیادہ طاقتیں بھی استعمال کرنی ہونگی - ممکن ہے کہ اس وقت یہ طاقتیں سڑکوں کی

سورچہ‌بندی کے دفاعی طریقوں کے مقابلے میں کھلے حملے کو ترجیح دیں جیسا کہ پورے عظیم فرانسیسی انقلاب میں یا ۴ ستمبر اور ۳۱ اکتوبر ۱۸۷۰ء میں پیرس میں (۵۰) ہوا* ۔

کیا اب قاری کی سمجھ میں آگیا کہ صاحب اقتدار لوگ ہمیں کیوں ایسی جگہوں پر دیکھنا چاہتے ہیں جہاں بندوقوں کی باڑیں چل رہی ہوں اور تلواریں چمک رہی ہوں؟ وہ آج ہمیں بزدل کیوں ٹھہراتے ہیں کیونکہ ہم کھلم کھلا سڑکوں پر نہیں کود پڑتے جہاں ہمیں پہلے سے ہی اپنی شکست کا یقین ہے؟ وہ کیوں اتنے خلوص کے ساتھ ہم سے التجا کرتے ہیں کہ صرف ایک بار ہی ہم ان کی توپوں کا چارہ بننے کےلئے تیار ہو جائیں؟

ان حضرات کی التجائیں اور چیلنج بالکل بےسود اور بیکار ہیں۔ ہم اتنے بیوقوف نہیں ہیں۔ وہ اسی طرح آئندہ جنگ میں اپنے دشمن سے بھی سطالبہ کر سکتے ہیں کہ وہ بوڑھے فریتس** کی صف‌آرائی کے طریقے یا واگرام (۵۱) اور واٹرلو (۵۲) کے طریقوں میں پورے پورے ڈویژنوں کے آمنے سامنے ہوکر لڑائی لڑے اور وہ بھی چقماق پتھر سے چلنے والی بندوقوں سے۔ اگر قوموں کے درمیان جنگ کے حالات بدل گئے ہیں تو طبقاتی جدوجہد کے حالات پر بھی یہی صادق ہوتا ہے۔ اچانک حملوں کا زمانہ، چھوٹی باشعور اقلیتوں کی قیادت میں کثیر تعداد شعور نہ رکھنےوالے لوگوں کے انقلابوں کا زمانہ اب ماضی کی بات ہوچکی ہے۔ جہاں سماجی تشکیل کی قطعی تبدیلی کا سوال اٹھتا ہو وہاں عوام کو خود بھی ہونا چاہئے، ان کو پہلے سے ہی یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ کس بات پر تن من کی بازی لگا کر آگے بڑھ رہے ہیں***۔ پچھلے پچاس سال کی تاریخ نے ہمیں یہی سکھایا

---

* «Die Neue Zeit» اور ''فرانس کی طبقاتی جدوجہد،، کے ۱۸۹۵ء والے ایڈیشن میں یہ پیراگراف نہیں ہے۔ (ایڈیٹر)

** فریڈرک دوم — پروشیا کا بادشاہ (۸۶ — ۱۷۴۰ء)۔ (ایڈیٹر)

*** «Die Neue Zeit» اور ''فرانس کی طبقاتی جدوجہد،، کے ۱۸۹۵ء والے ایڈیشن میں ''کس بات پر تن من کی بازی لگا کر آگے

ہے۔ لیکن اس کے واسطے کہ عوام یہ سمجھ سکیں کہ کیا کرنا ہے طویل اور اٹل کام کی ضرورت ہے اور یہی وہ کام ہے جو ہم اب کر رہے ہیں اور ایسی کامیابی سے جس سے دشمن ہراساں ہے۔

لاطینی ممالک میں بھی یہ بات زیادہ سے زیادہ محسوس کی جانے لگی ہے کہ پرانے طریقۂ کار میں تبدیلی کرنی چاہئے۔ ہر جگہ عام حق رائے دھندگی کو استعمال کرنے اور ہماری دسترس میں جتنے عہدے ہیں ان کو حاصل کرنے کی جرمن مثال کی پیروی کی جا رہی ہے۔ ہر جگہ بلا تیاری کئے ہوئے حملے کے خیال کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے*۔ فرانس میں جہاں ایک صدی سے زیادہ سے یکے بعد دیگرے کئی انقلاب ہوتے رہے ہیں، جہاں کوئی بھی ایسی پارٹی نہیں ہے جس نے سازشوں، مسلح بغاوتوں اور تمام دوسرے انقلابی اقدامات میں اپنا پارٹ نہ ادا کیا ہو، جہاں اس کے نتیجے میں حکومت کو کسی طرح فوج پر بھروسہ نہ رہا ہے اور جہاں عام طور پر بمقابلہ جرمنی کے ناگہانی بغاوت کے امکانات زیادہ سازگار ہیں، وہاں بھی سوشلسٹ روزافزوں یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کے لئے کسی پائدار فتح کے امکانات نہیں ہیں جب تک کہ وہ عوام کی کثیر تعداد کو اپنی طرف نہ کرلیں جو اس صورت میں کسان ہیں۔ یہاں بھی آہستہ آہستہ پروپیگنڈے اور پارلیمانی سرگرمی کو پارٹی کے فوری فریضوں کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس میں کامیابیاں بھی ہوئی ہیں۔ صرف متعدد میونسپل کونسلوں میں ہی کامیابی نہیں حاصل کی گئی ہے بلکہ پچاس سوشلسٹ پارلیمانی ایوانوں میں بھی پہنچ گئے ہیں اور وہ ریپبلک کی تین وزارتوں اور ریپبلک کے ایک صدر کا تختہ الٹ چکے ہیں۔ پچھلے سال بلجیم میں مزدوروں نے

بڑھ رہے ہیں،، کی جگہ ''وہ کس بات کے لئے لڑ رہے ہیں،، دیا گیا ہے۔ (ایڈیٹر)

* «Die Neue Zeit» اور ''فرانس کی طبقاتی جدوجہد،، کے ۱۸۹۵ء والے ایڈیشن میں یہ جملہ نہیں ہے کہ ''ہر جگہ بلا تیاری کئے ہوئے حملے کے خیال کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔،، (ایڈیٹر)

عام حق رائے دهندگی کی منظوری زور ڈال کر کرا لی اور ان کو ایک چوتھائی انتخابی حلقوں میں جیت ہوئی - سوئٹزرلینڈ، اٹلی، ڈنمارک اور ہاں یہاں تک کہ بلغاریہ اور رومانیہ کی پارلیمنٹوں میں بھی سوشلسٹوں کی اپنی نمائندگی ہے - آسٹریا میں تمام پارٹیاں یہ تسلیم کرتی ہیں کہ وہاں کی پارلیمنٹ (Reichsrat) میں ہمارے داخلے کو اب روکنا ممکن نہیں ہے - ہمارا داخلہ وہاں تو قطعی ہے لیکن زیربحث صرف یہ سوال ہے کہ کس دروازے سے؟ اور روس میں بھی جب مشہور ''زیمسکی سوبور،،، یعنی اس نیشنل اسمبلی کا اجلاس ہوگا جس کے خلاف نوجوان زار نکولائی بےسود مزاحمت کررہا ہے، تو ہمارا یقینی خیال ہے کہ وہاں بھی ہماری نمائندگی ہوگی-

یہ واضح ہے کہ اس وجہ سے ہمارے غیرملکی رفقاء اپنے انقلاب کرنے کے حق سے ذرا بھی دست‌بردار نہیں ہوتے - آخر کو، انقلاب کا حق ہی حقیقی ''تاریخی حق،، ہے، وہ واحد حق جس پر موجودہ زمانے کی ساری ریاستیں بلا استثنا تکیہ کرتی ہیں جن میں میکلین‌برگ بھی شامل ہے جس کا امیر طبقےوالا انقلاب ۱۷۵۵ء میں ''پشتینی بندوبست،، (erbvergleich) نے ختم کر دیا تھا- وہاں جاگیردارانہ نظام کا یہ شاندار منشور (۵۳) آج بھی رائج ہے - انقلاب کے حق کو اب اتنا مسلمہ سمجھا جانے لگا ہے کہ جنرل فون بوگوسلافسکی تک محض اس عوامی حق کی بنا پر اپنے شہنشاہ قیصر کےلئے حکومت کا تختہ الٹنے کو جائز ٹھہراتا ہے -

لیکن دوسرے ملکوں میں جو کچھ بھی پیش آئے، جرمن سوشل ڈیموکریسی کا ایک مخصوص مقام ہے اور اس سے ہی کم از کم مستقبل قریب میں اس کے ذمے ایک مخصوص فریضہ ہے - وہ بیس لاکھ ووٹر جن کو وہ ووٹ دینے بھیجتی ہے اور ان کے ساتھ وہ نوجوان مرد اور عورتیں جو ان کی پشت پر ووٹ نہ دینےوالوں کی حیثیت سے کھڑے ہیں، یہ سب ملکر انتہائی کثیر تعداد، انتہائی ٹھوس عوام اور بین‌اقوامی پرولتاری فوج کے آگے بڑھ کر فیصلہ کن ''چوٹ کرنےوالے دستے،، ہیں - یہ عوام اس وقت بھی تمام ووٹوں کا ایک چوتھائی سے زیادہ حصہ ہیں - اور جیسا کہ رائخ‌ستاگ کے ضمنی انتخابوں،

الگ الگ ریاستوں میں اسمبلیوں، میونسپل کونسلوں، حرفتی عدالتوں کے انتخابوں نے دکھایا ہے اس حصے میں متواتر اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ اضافہ اتنا فطری، اتنا مسلسل اور اتنا ناگزیر ہے اور ساتھ ہی ایسا پرسکون بھی جیسا کسی قدرتی عمل کو ہونا چاہئے۔ اس کے خلاف حکومت کی ساری مداخلت بیکار ثابت ہوئی ہے۔ آج بھی ہم ساڑھے بائیس لاکھ ووٹروں پر تکیہ کر سکتے ہیں۔ اگر یہ بات اسی طرح چلتی رہی تو ہم اس صدی کے خاتمے تک سماج کے درمیانی پرتوں کے زیادہ‌تر حصے کو بورژوازی اور چھوٹے کسانوں کو اپنی طرف کھینچ لیں‌گے اور ملک میں ایسی فیصلہ‌کن طاقت بن جائیں‌گے جس کے سامنے تمام دوسری طاقتوں کو جھکنا پڑیگا خواہ وہ اس کو پسند کریں یا نہ کریں۔ اس اضافے کو مسلسل جاری رکھنا یہاں تک کہ وہ خودبخود موجودہ نظام حکومت کے بس سے باہر ہو جائے، اس روزافزوں بڑھتی ہوئی زبردست طاقت کو محض ہراولی جھڑپوں میں ضائع نہ کرنا بلکہ اس کو فیصلہ‌کن دن تک برقرار رکھنا*، یہی ہمارا خاص فریضہ ہے۔ اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے جس سے جرمنی میں مسلسل بڑھتی ہوئی سوشلسٹ مجاہدانہ طاقتوں کو عارضی طور پر روکا جا سکتا ہے، حتی کہ ان کو کچھ وقت کےلئے پیچھے بھی ڈھکیلا جا سکتا ہے: یہ ہے فوج سے ایک بڑا تصادم جیسا کہ پیرس میں ۱۸۷۱ء کے خون آشام تصادم میں ہوا تھا۔ بہرحال آخرکار اس پر بھی قابو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ایسی پارٹی کو جو دسیوں لاکھ ممبروں پر مشتمل ہو گولیوں سے اڑا دینا یورپ اور امریکہ کی ساری میگزین‌والی رائفلوں کےلئے بھی ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن اس سے ترقی کی معتدل تحریک میں رکاوٹ پیدا ہوگی، شاید سنگین لمحے میں

---

* «Die Neue Zeit» اور ''فرانس میں طبقاتی جدوجہد،، کے ۱۸۹۵ء والے ایڈیشن میں یہ جملہ کہ ''روزافزوں بڑھتی ہوئی زبردست طاقت کو محض ہراولی جھڑپوں میں ضائع نہ کرنا بلکہ اس کو فیصلہ‌کن دن تک برقرار رکھنا،، نہیں ہے۔ (ایڈیٹر)

ہمیں یہ زبردست طاقت نہ مل سکےگی اور فیصلہ کن لڑائی * میں تاخیر اور طوالت ہوگی اور زیادہ بھاری قربانیاں دینی ہونگی۔

عالمی تاریخ کی ستم ظریفی سب کچھ الٹ پلٹ کر رکھ دیتی ہے۔ ہم ''انقلابی،، اور ''تختہ الٹنےوالے،، غیرقانونی طریقوں اور حتی کہ تختہ الٹنے کے مقابلے میں قانونی طریقوں میں زیادہ کامیاب ہو رہے ہیں۔ وہ پارٹیاں جو اپنے کو ضابطے کی پارٹیاں کہتی ہیں وہ قانونی حالات کے تحت تباہ ہو رہی ہیں جو خود ان کی تخلیق ہیں۔ وہ اودی‌لون بارو کے ساتھ آواز ملا کر نااسیدی سے چیخ رہے ہیں: la légalité nous tue یعنی قانونیت ہماری موت ہے جبکہ اسی قانونیت کے تحت ہمارے بازو مضبوط ہو رہے ہیں، ہمارے رخسار گلابی ہو رہے ہیں اور ہم ابدی زندگی کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم اتنے بیوقوف نہ بن جائیں کہ ان پارٹیوں کو خوش کرنے کےلئے سڑکوں پر لڑائی میں کود پڑیں تو آخر میں ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہےگا کہ وہ خود اس مہلک قانونیت کو توڑ دیں۔

اسی زمانے میں وہ حکومت کا تختہ الٹنے کے خلاف قانون بناتے ہیں۔ پھر ہر چیز الٹ پلٹ جاتی ہے۔ یہ تنگ‌نظر لوگ جو آج حکومت کا تختہ الٹنے کے دشمن ہیں کیا وہ کل تک خود حکومتوں کا تختہ الٹنےوالے نہیں تھے؟ کیا یہ ہم تھے جنھوں نے ۱۸۶۶ء کی خانہ‌جنگی بھڑکائی تھی؟ کیا یہ ہم تھے جنھوں نے ہنوویر کے بادشاہ، ہیسن کے شہزادے اور نساؤ کے ڈیوک کو ان کی پشتینی اور قانونی قلمروؤں سے نکال کر ان قلمروؤں پر قبضہ کر لیا؟ اور جرمن یونین اور تین سلطنتوں کا خدا کی عنایت سے تختہ الٹ دینےوالے یہ لوگ

---

* «Die Neue Zeit» اور ''فرانس میں طبقاتی جدوجہد،، کے ۱۸۹۵ء والے ایڈیشن میں یہ جملہ نہیں ہے کہ ''شاید سنگین لمحے میں ہمیں یہ زبردست طاقت نہ مل سکےگی،، اور ''فیصلہ کن لڑائی،، کے بجائے صرف لفظ ''فیصلہ،، دیا گیا ہے۔ (ایڈیٹر)

حکومت کا تختہ الٹنے کے خلاف شاکی ہیں! Quis tulerit Gracchos de seditione querentes?* بھلا بسمارک کی پوجا کرنےوالوں کو کون حکومت کا تختہ الٹنے کے بارے میں برابھلا کہنے کی اجازت دیگا؟

بہرحال انہیں حکومت کا تختہ الٹنے کے خلاف قوانین منظور کرنے دیجئیے، انہیں اور بھی سخت بنانے دیجئیے، سارے ضابطۂ فوجداری کو ربر کی طرح لوچدار بنانے دیجئیے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ ان کی لاچاری کا نیا ثبوت ملےگا۔ اگر انہیں سوشل ڈیموکریسی پر کوئی کاری ضرب لگانی ہے تو انہیں اس کے علاوہ بالکل دوسرے اقدامات کرنے ہوں‌گے۔ وہ سوشل ڈیموکریسی کے ھاتھوں حکومت کا تختہ الٹنے کا مقابلہ جو اس وقت قانون پر عمل درآمد کرکے کامیاب ہو رہی ہے صرف اسی طرح کر سکتے ہیں کہ باقاعدہ اور منضبط پارٹیاں خود تختہ الٹیں اور یہ قانون کی خلاف‌ورزی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پروشیائی نوکرشاہ ہیر ریوسلر اور پروشیائی جنرل ہیر فون بوگوسلافسکی نے ان کو مزدوروں کے خلاف جو سڑکوں پر لڑائی کے بہکاوے میں آنےوالے نہیں ہیں اقدام کا واحد ممکن راستہ دکھایا ہے۔ یہ ہے آئین‌شکنی، آمریت اور مطلق‌العنانی کی طرف واپسی اور regis voluntas suprema lex!** اسی لئے حضرات ذرا ہمت سے کام لیجئیے، یہاں ادھورے اقدامات سے کچھ نہ ہوگا، یہاں تو سب کچھ بھرپور کرنا پڑےگا!

لیکن یہ نہ بھولئے کہ جرمن سلطنت، تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی طرح اور عام طور پر تمام جدید ریاستوں کی طرح سمجھوتے کی پیداوار ہے: اول شہزادوں کے درمیان اور پھر شہزادوں اور عوام کے درمیان سمجھوتوں کی۔ اگر ایک فریق سمجھوتے کی خلاف‌ورزی کرتا ہے تو پورا سمجھوتہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر دوسرا فریق بھی اس کا پابند

*بھلا اسکو کون برداشت کریگا کہ گراخی بغاوت کی شکایت کرے؟ (جووینال کا طنزیہ ۲)۔ (ایڈیٹر)

** بادشاہ کی مرضی ہی قانون اعلی ہے! (ایڈیٹر)

نہیں رہتا جیسا کہ بسمارک نے ہمیں ۱۸۶۶ء میں بڑی خوبصورتی سے دکھا دیا۔ اس لئے اگر آپ ریاست کا آئین توڑتے ہیں تو سوشل ڈیموکریسی بھی آزاد ہے اور وہ جو چاہے آپ کے بارے میں کر سکتی ہے۔ لیکن وہ آج کبھی آپ کے سامنے منہ نہیں کھولےگی کہ وہ کیا کرنےوالی ہے۔ *

کوئی سولہ صدی پہلے رومن سلطنت میں بھی ایک خطرناک پارٹی نے حکومت کا تختہ الٹنے کےلئے کارروائیاں کی تھیں۔ اس نے مذہب اور ریاست کی تمام بنیادوں کو ہلاکر رکھ دیا اور یہ ماننے سے قطعی انکار کردیا کہ شہنشاہ کی مرضی ہی قانون اعلی ہے۔ اس کا کوئی وطن نہ تھا، وہ بین‌اقوامی تھی اور رومن سلطنت کے تمام ملکوں میں گل سے لیکر ایشیا تک اور سلطنت کی سرحدوں کے باہر بھی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے طویل عرصے تک خفیہ طور سے باغیانہ سرگرمیاں کی تھیں لیکن کافی زمانے سے وہ اپنے کو اتنا مضبوط محسوس کرنےلگی تھی کہ کھل کر میدان میں آجائے۔ یہ تختہ الٹنےوالی پارٹی جس کا نام عیسائی (کرسچین) تھا اس کی فوج میں بھی کافی مستحکم نمائندگی تھی اور پورے کے پورے فوجی دستے عیسائی تھے۔ جب ان سپاہیوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ کافروں کے مندر میں قربانی کی رسوم میں شریک ہوکر فوج کی طرف سے اعزاز پیش کریں تو باغی سپاہیوں نے یہ جرأت کی کہ انھوں نے اپنے خودوں پر بطور احتجاج مخصوص نشان یعنی صلیبیں لگا لیں۔ بارکوں میں ان کے اعلی افسروں کی سختیاں بھی بیکار ثابت ہوئیں۔ شہنشاہ ڈایوکلیشین نظم و ضبط، فرماں برداری اور ڈسپلن کی اس خلاف‌ورزی کو زیادہ نہ برداشت کرسکا اور اس نے بروقت اور زبردست مداخلت کی۔ اس نے ایک سوشلسٹ‌دشمن (معاف کیجئےگا میں عیسائی‌دشمن کہنا چاہتا تھا) قانون نافذ کر دیا۔ تختہ الٹنے والوں کے جلسے ممنوع قرار دئے گئے۔ ان کے جلسوں کے ہال

* «Die Neue Zeit» اور ''فرانس میں طبقاتی جدوجہد،، کے ۱۸۹۵ء والے ایڈیشن میں ''جیسا کہ بسمارک نے...،، سے پیرا گراف کے آخر تک عبارت نہیں دی گئی ہے۔ (ایڈیٹر)

بند کر دئے گئے اور مسمار بھی کئے گئے، عیسائیت کے نشانات مثلاً صلیبیں وغیرہ جو سیکسونیا کے سرخ رومالوں کی طرح تھیں، ممنوع قرار دی گئیں۔ عیسائیوں کو سرکاری عہدوں سے محروم کر دیا گیا، ان کو کارپورل تک مقرر کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ چونکہ اس زمانے میں ''بااختیار لوگوں کی جانداری،، کا خیال رکھنے والے ایسے اچھے تربیت‌یافتہ جج نہ تھے جن کا تصور تختہ الٹنےوالوں کے خلاف ہیر فون کیولیر کے مسودہ قانون میں موجود ہے (۵۴)، اس لئے عیسائیوں کےلئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ممانعت کر دی گئی۔ لیکن یہ غیرمعمولی قانون بھی بے اثر ثابت ہوا۔ عیسائیوں نے اس کو حقارت کے ساتھ دیواروں سے پھاڑ کر پھینک دیا۔ ان کے بارے میں یہاں تک کہا جاتا ہے کہ نکومیدیا میں انھوں نے شہنشاہ کی موجودگی میں اس کے محل میں آگ لگادی۔ اور شہنشاہ نے ۳۰۳ء میں اس کا انتقام عیسائیوں پر شدید مظالم توڑ کر لیا۔ یہ اپنی قسم کا آخری ظلم تھا اور اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ سترہ سال بعد فوج میں عیسائیوں کی غالب اکثریت ہو گئی اور سلطنت روما کے جانشین ہونےوالے مطلق العنان حکمراں کونستانتین نے جسے پادریوں نے اعظم کا خطاب دیا تھا عیسائیت کو ریاست کا مذہب قرار دیدیا۔

لندن، ۶ مارچ ۱۸۹۵ء ف۔ اینگلس

اختصار کے ساتھ رسالہ «Die Neue Zeit» حصہ ۲، شمارہ ۲۷، ۲۸ (۹۵ — ۱۸۹۴ء) اور کارل مارکس کی کتاب «Die Klassenkämpfe in Frankreich 1848 bis 1850» برلن ۱۸۹۵ء میں شایع ہوا۔

مسودے سے مقابلہ کرکے کتاب کے پروف کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

خطوط

پیرس میں مقیم آنینکوف کے نام
مارکس کا خط

بروسلز،

۲۸ دسمبر ۱۸۴۶ء

محترم آنینکوف صاحب!

آپ کو اپنے یکم نومبر کے خط کا جواب بہت پہلے مل گیا ہوتا لیکن میرے کتب‌فروش نے مجھے پرودھوں صاحب کی کتاب ''افلاس کا فلسفہ،، ابھی پچھلے ہفتے بھیجی ہے۔ میں نے اسکو دو دن میں پڑھ ڈالا تاکہ آپ کو اس کے بارے میں فوراً اپنی رائے لکھ سکوں۔ چونکہ میں نے کتاب بڑی عجلت میں پڑھی ہے اس لئے میں تفصیلات میں نہیں جا سکتا اور صرف ان عام تاثرات کے بارے میں آپ کو بتا سکتا ہوں جو مجھ پر ہوئے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں دوسرے خط میں اس کے بارے میں تفصیل سے لکھ سکتا ہوں۔

بغیر کسی تامل کے یہ کہتا ہوں کہ یہ کتاب مجموعی طور پر خراب اور بہت خراب ہے۔ آپ خود اپنے خط میں ''جرمن فلسفے کے اس چیتھڑے،، پر ہنستے ہیں جس کی نمائش پرودھوں صاحب نے اپنی اس بےڈھنگی اور بلندبانگ تصنیف میں کی ہے لیکن آپ کا خیال ہے کہ ان کی معاشی دلیل کو فلسفے کے زہر نے نہیں بگاڑا ہے۔ میرا بھی ایسا ہی خیال ہے کہ معاشیات کی تحقیقات میں پرودھوں صاحب کی جو غلطی ہے اس کا سبب ان کا فلسفہ نہیں ہے۔ پرودھوں صاحب سیاسی معیشت کی جھوٹی تنقید پیش کرتے ہیں اس لئے نہیں کہ وہ ایک لغو فلسفیانہ نظرئے کے حامی ہیں بلکہ وہ لغو فلسفیانہ نظریہ پیش کرتے

ہیں اس لئے کہ وہ آج کے سماجی نظام کو اس کے engrènement یعنی جزویات میں (اگر یہ لفظ استعمال کیا جائے جو اور بہت سی باتوں کی طرح پرودھوں نے فورئے سے لیا ہے) نہیں سمجھتے۔

پرودھوں صاحب خدا یعنی عقل کل، انسانیت کی ایسی غائبانہ‌عقل کے بارے میں کیوں باتیں بناتے ہیں، جو کبھی غلطی نہیں کرتی، جو تمام دوروں میں لاجواب رہی ہے اور جس کے بارے میں کسی کو صرف صحیح تصور کی ضرورت ہے تاکہ سچائی کو جانا جاسکے؟ وہ اپنے کو دلیر مفکر ظاہر کرنے کے لئے کمزور ہیگلین‌ازم کا سہارا کیوں لیتے ہیں؟

وہ خود ہی آپ کو اس بیماری کی تشخیص فراہم کرتے ہیں۔ جناب پرودھوں تاریخ میں سماجی ترقیوں کا ایک سلسلہ دیکھتے ہیں، وہ تاریخ میں ترقی پاتے ہیں اور آخر میں وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ، افراد کی حیثیت سے، یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور وہ خود اپنی تحریک کے بارے میں غلطی پر تھے یعنی پہلی نظر میں تو ان کی سماجی ترقی ان کی انفرادی ترقی سے ممیز، علحدہ اور خودمختار معلوم ہوتی ہے۔ وہ ان واقعات کی وضاحت نہیں کر سکتے، اسی لئے عقل کل کے مفروضے کا ظہور بہت آسان ہوتا ہے۔ جب عام‌فہم وضاحت مشکل ہوتی ہے تب پراسرار اسباب کی اختراع یعنی بےمعنی فقرے گھڑلینے سے زیادہ آسان اور کوئی کام نہیں ہے۔

لیکن جب پرودھوں صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ انسانیت کے تاریخی ارتقا کے بارے میں کچھ نہیں سمجھتے (وہ اس کو خدا اور عقل کل وغیرہ جیسے بلند بانگ الفاظ استعمال کرکے تسلیم کرتے ہیں) تو کیا وہ اشارتاً اور لازمی طور پر یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ معاشی ارتقا کو سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے؟

سماج، خواہ اس کی شکل جو بھی ہو، کیا ہے؟ وہ انسانوں کے باہمی اقدام کا نتیجہ ہے۔ کیا لوگ سماج کی ایک یا دوسری شکل کا انتخاب کرنے کے لئے آزاد ہیں؟ نہیں، کسی طرح نہیں۔ انسان کی پیداواری طاقتوں کے ارتقا میں کسی بھی مرحلے کو لیجئے — آپ کو لین‌دین (commerce) اور کھپت کی مخصوص شکل مل‌جائےگی۔ پیداوار،

لین دین اور کھپت کے ارتقا میں کسی خاص مرحلے کو لیجئے — آپ کو خاص سماجی ساخت، طبقوں، حلقوں اور خاندان کی خاص تنظیم یعنی ایک مخصوص انسانی سماج ضرور مل جائےگا۔ کسی خاص سماج کو لےلیجئے اور آپ کو ایک خاص سیاسی نظام مل جائےگا جو سماج کا صرف سرکاری اظہار ھے۔ پرودھوں صاحب یہ کبھی نہیں سمجھیںگے کیونکہ وہ ریاست کی طرف سے سماج کو یعنی سماج کے سرکاری چنیدہ لوگوں کی طرف سے سماج کو اپیل کرکے اپنے خیال میں بڑا کام کر رہے ھیں۔

یہ بات کہنا زائد از ضرورت ھے کہ لوگ اپنی پیداواری طاقتوں کا (جو ان کی ساری تاریخ کی بنیاد ھیں) انتخاب کرنے کےلئے آزاد نہیں ھیں کیونکہ ہر پیداواری طاقت ایک حاصل کی ھوئی طاقت ھے جو پچھلی نسل کی سرگرمیوں کا پھل ھے۔ اس طرح پیداواری طاقتیں انسان کی عملی قوت کا نتیجہ ھوتی ھیں۔ لیکن یہ قوت خود پابند ھوتی ھے ان حالات کی جن میں لوگ اپنے کو پاتے ھیں، اور ان پیداواری طاقتوں کی جو حاصل کی جا چکی ھیں، اس سماجی ڈھانچے کی جس کا وجود ان لوگوں سے پہلے ھوچکا ھوتا ھے اور جس کو وہ نہیں پیدا کرتے بلکہ ان سے پہلی والی نسل پیدا کرتی ھے۔ اس سیدھے سادے واقعہ کی بنا پر کہ ہر آنےوالی نسل ان پیداواری طاقتوں کی مالک ھوتی ھے جو پچھلی نسل نے حاصل کی تھیں اور جو اسکے لئے نئی پیداوار کے واسطے خام اشیا کا کام دیتی ھیں، — تاریخ انسانی میں ایک ربط پیدا ھو جاتا ھے اور انسانیت کی تاریخ واضح شکل اختیار کر لیتی ھے جو مزیدبرآں اتنی ھی زیادہ انسانیت کی تاریخ ھوتی جاتی ھے جتنا انسان کی پیداواری طاقتوں اور اس کے سماجی تعلقات میں اضافہ ھوتا ھے۔ اور یہاں سے ھی لازمی طور پر یہ نتیجہ برآمد ھوتا ھے کہ انسانوں کی سماجی تاریخ ان کے انفرادی ارتقا کی تاریخ کے سوا اور کچھ نہیں ھے خواہ وہ اس کا شعور رکھتے ھوں یا نہ رکھتے ھوں۔ ان کے مادی تعلقات ان کے سارے تعلقات کی بنیاد ھیں۔ یہ مادی تعلقات وہ ضروری شکلیں ھیں جن کے اندر انسانوں کی مادی اور انفرادی سرگرمی ھوتی ھے۔

پرودھوں صاحب خیالات اور اشیا کو گڈمڈ کرتے ھیں۔ لوگ اس سے کبھی دستبردار نہیں ھوتے جن پر انھوں نے قابو حاصل کرلیا

ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اس سماجی ڈھانچے کو نہیں چھوڑینگے جس کے تحت انہوں نے کچھ پیداواری طاقتیں حاصل کی تھیں ۔ اس کے برعکس، حاصل‌شدہ نتائج کو کھونے اور تہذیب کے پھلوں سے دست‌بردار ہونے سے بچنے کے لئے وہ اسی لمحے اپنے یہاں رائج‌شدہ سماجی ڈھانچوں کو بدلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جب ان کے لین‌دین کے طریقے (commerce) حاصل‌شدہ پیداواری طاقتوں کے مطابق نہیں رہتے ۔ میں یہاں لفظ «commerce» اس کے وسیع‌ترین معنی میں استعمال کر رہا ہوں جیسے ہم لفظ «Verkehr» جرمن زبان میں استعمال کرتے ہیں ۔ مثلاً مراعات، گلڈوں اور کارپوریشنوں کی تنظیم اور قرون وسطی کے ضابطوں کا پورا نظام ایسے سماجی تعلقات تھے جو حاصل‌شدہ پیداواری طاقتوں سے اور اس سماجی نظام سے جو پہلے تھا اور جس سے یہ ادارے پیدا ہوئے تھے، واحد طور پر مطابقت رکھتے تھے ۔ گلڈوں کے ضابطوں کی حکومت کے تحفظ میں سرمایہ اکٹھا ہوا، سمندر پار کی تجارت کو فروغ دیا گیا اور نوآبادیاں بنائی گئیں ۔ لیکن لوگ اس کے پھلوں سے محروم رہتے اگر یہ کوشش کرتے کہ وہ ڈھانچے برقرار رہیں جن کی حفاظت میں یہ پھل پکے تھے ۔ اسی لئے دو طوفان پھوٹ پڑے — یہ تھے ۱۶۴۰ء اور ۱۶۸۸ء کے انقلاب ۔ انگلستان میں سارے پرانے معاشی ڈھانچے، ان سے مطابقت رکھنے‌والے سماجی تعلقات اور وہ سیاسی نظام جو پرانے سماج کا سرکاری اظہار تھا، — یہ سب تباہ ہو گئے ۔ اس طرح وہ معاشی ڈھانچے جن کے تحت لوگ پیداوار کرتے ہیں، اس کا استعمال اور تبادلہ کرتے ہیں تغیرپذیر اور تاریخی ہوتے ہیں ۔ نئی پیداواری طاقتیں حاصل کرکے لوگ پیداوار کا طریقہ بدل دیتے ہیں اور پیداواری طریقے کے ساتھ ساری معاشی تعلقات بھی جو ایک مخصوص طریقۂ‌پیداوار کے لازمی تعلقات تھے ۔

پرودھوں صاحب یہ بات نہیں سمجھے ہیں اور اس کا اظہار اس سے بھی کم کیا ہے ۔ پرودھوں صاحب تاریخ کی حقیقی رفتار کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ۔ اس کے بجائے وہ ایک فریب نظریہ پیدا کرکے برخود غلط انداز میں اس کے جدلیاتی ہونے کا دعوی کرتے

ھیں - وہ سترھویں، اٹھارھویں یا انیسویں صدی کا ذکر ضروری نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی تاریخ تو تصور کے دھندلے قلمرو میں رھتی ھے اور زمان و مکان کی قید سے بہت بالاتر ھے - مختصر طور پر یہ تاریخ نہیں بلکہ ھیگلیائی کوڑا کباڑ ھے - یہ دینوی تاریخ، انسان کی تاریخ نہیں ھے بلکہ مقدس تاریخ، خیالات کی تاریخ ھے - ان کے خیال کے مطابق آدمی محض ایک آلہ‌کار ھے جس کو ابدی عقل یا خیال اپنے نشوونما کے لئے استعمال کرتا ھے - پرودھوں صاحب جن ارتقاؤں کا ذکر کرتے ھیں وہ ان کی رائے میں ایسے ارتقا معلوم ھوتے ھیں جو مطلق خیال کی پراسرار گہرائیوں میں ھی تکمیل تک پہنچتے ھیں - اگر آپ اس پراسرار زبان کا نقاب چاک کر دیں تو پتہ چلے گا کہ پرودھوں صاحب کی پیش کش وہ ترتیب ھے جسمیں معاشی باتیں ان کے ذھن میں مرتب ھوتی ھیں - میرے لئے آپ کے سامنے یہ ثابت کرنے میں مشکل نہ ھوگی کہ یہ ترتیب بہت ھی غیرمنظم ذھن کی پیداوار ھے -

پرودھوں صاحب قدر پر ایک مقالے سے اپنی کتاب شروع کرتے ھیں جو ان کا بہت ھی من‌بھاتا موضوع ھے - میں آج اس مقالے کا جائزہ نہیں لونگا -

ابدی عقل کی معاشی ارتقاؤں کا سلسلہ محنت کی تقسیم سے شروع ھوتا ھے - پرودھوں صاحب کے لئے محنت کی تقسیم بالکل معمولی بات ھے - لیکن کیا ذاتوں کا نظام محنت کی تقسیم کا ایک خاص طریقہ نہیں تھا؟ کیا گلڈوں کا نظام محنت کی تقسیم کا ایک اور طریقہ نہ تھا؟ اور کیا چھوٹی کارخانےداری کے نظام کے تحت (جو انگلستان میں ۱۷ ویں صدی کے وسط میں شروع ھوتا ھے اور ۱۸ ویں صدی کے آخری حصے میں ختم ھوتا ھے) محنت کی تقسیم بڑے پیمانے کی جدید صنعت کی محنت کی تقسیم سے بالکل مختلف نہیں ھے؟

پرودھوں صاحب حقیقت کو سمجھنے سے اتنے دور ھیں کہ وہ ایسی باتوں کو بھی نظرانداز کر جاتے ھیں جنکی طرف معمولی ماھرین معاشیات کی توجہ جاتی ھے - محنت کی تقسیم کا ذکر کرتے ھوئے وہ عالمی منڈی کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتے - بہت اچھا! لیکن کیا، چودھویں اور پندرھویں صدیوں میں، جب نوآبادیاں نہیں تھیں،

جب یورپ کے لئے امریکہ کا وجود نہیں تھا اور مشرقی ایشیا کا وجود اس کے لئے صرف قسطنطنیہ کے ذریعے تھا، محنت کی تقسیم بنیادی طور پر اس سے مختلف نہ رہی ہوگی جو وہ سترھویں صدی میں تھی جب نوآبادیوں کو ترقی دی جا چکی تھی۔

اور یہی نہیں۔ کیا قوموں کی پوری اندرونی تنظیم، ان کے سارے بین‌اقوامی تعلقات ایک خاص قسم کی محنت کی تقسیم کے سوا کچھ اور ہیں؟ اور کیا ان سب کو محنت کی تقسیم میں تبدیلی کے ساتھ نہ بدلنا چاہئے؟

پرودھوں صاحب نے محنت کی تقسیم کے مسئلے کو اتنا کم سمجھا ہے کہ وہ شہروں اور دیہات کے درمیان اس علحدگی کا ذکر بھی نہیں کرتے جو مثال کے لئے جرمنی میں نویں صدی سے بارھویں صدی تک ہوئی ہے۔ اس طرح پرودھوں صاحب کے لئے یہ علحدگی ابدی قانون کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ وہ نہ تو اس کے آغاز سے ہی واقف ہیں اور نہ ہی اس کے ارتقا کے بارے میں جانتے ہیں۔ اپنی پوری کتاب میں وہ اس طرح لکھتے ہیں جیسے مخصوص طریقۂ پیداوار کی یہ تخلیق تاحشر برقرار رہےگی۔ پرودھوں صاحب نے محنت کی تقسیم کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ محض اختصار ہے اور وہ بھی بہت سطحی اور ناسکمل اختصار ہے اس کا، جو اس‌سے پہلے آدم اسمتھ اور ہزاروں دوسرے کہہ چکے ہیں۔

دوسرا ارتقا مشینری ہے۔ محنت کی تقسیم اور مشینری کا تعلق پرودھوں صاحب کے لئے قطعی پراسرار ہے۔ محنت کی تقسیم کی ہر قسم اپنے مخصوص پیداواری آلات رکھتی ہے۔ مثلاً سترھویں صدی کے وسط اور اٹھارھویں صدی کے وسط کے درمیان لوگ ہر چیز ہاتھ سے نہیں بناتے تھے۔ ان کے پاس آلات تھے اور وہ بھی کافی پیچیدہ جیسے کرگھے، جہاز اور بیرم وغیرہ۔

اس طرح یہ سمجھنا قطعی فضول بات ہے کہ مشینوں کا وجود عام طور پر محنت کی تقسیم کا نتیجہ تھا۔

برسبیل تذکرہ میں یہ بھی کہہ دوں کہ پرودھوں صاحب مشینری کے آغاز کی تاریخ کے بارے میں بہت کم سمجھے ہیں اور اس کے

ارتقا کے بارے میں اس سے بھی کم۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۱۸۲۵ء تک (جو پہلے عام بحران کا دور تھا) عام طور پر چیزوں کی مانگ بمقابلہ پیداوار کے زیادہ تیزی سے بڑھی اور منڈی کی ضرورتوں کا لازمی نتیجہ مشینری کا ارتقا ہوا۔ ۱۸۲۵ء سے مشینری کی ایجاد اور استعمال مزدوروں اور مالکوں کے درمیان لڑائی کا نتیجہ تھے۔ لیکن یہ صرف انگلستان کےلئے کہا جا سکتا ہے۔ جہاں تک یورپی قوموں کا سوال ہے تو وہ اپنی اندرونی منڈیوں اور عالمی منڈی دونوں میں انگلستان کے مقابلے کیوجہ سے مشینری کو اختیار کرنے پر مجبور ہوئیں۔ اور آخرکار پھر شمالی امریکہ میں مشینری کا رواج دوسرے ملکوں کے ساتھ مقابلے اور کام کرنےوالوں کی کمی دونوں کیوجہ سے ہوا یعنی شمالی امریکہ کی آبادی اور اس کی صنعتی ضروریات کے درمیان تناسب نہ تھا۔ ان واقعات سے ہی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ پرودھوں صاحب کس عقل و دانش کا مظاہرہ کرتے ہیں جب وہ مقابلے کے بھوت کو تیسرے ارتقا، مشینری کے تضاد کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

آخرکار، عام طور پر یہ کہنا بےعقلی کی بات ہوگی کہ مشینیں معیشت میں ایسی ہی حیثیت رکھتی ہیں جیسی کہ محنت کی تقسیم، مقابلہ، سود پر قرض۔

مشینری ویسا ہی کم معاشی درجہ رکھتی ہے جیسے ہل کشی کرنےوالا بیل۔ مشینری کا استعمال موجودہ زمانے میں ہمارے معاشی نظام کے تعلقات میں سے ایک ہے لیکن مشینری استعمال کرنے کا طریقہ بالکل الگ چیز ہے اور خود مشینری دوسری چیز۔ سفوف تو سفوف ہی رہتا ہے خواہ وہ آدمی کو زخمی کرنے کے لئے استعمال کیا جائے یا اس کے زخم کو مندمل کرنے کے لئے۔

پرودھوں صاحب تو اپنی حد سے گذر جاتے ہیں جب وہ مقابلے، اجارےداری، ٹیکس یا پولیس، تجارت کے توازن، قرض اور ملکیت کو اپنے دماغ میں اسی طرح ترتیب دینے کی کوشش کرتے ہیں جس ترتیب سے میں نے ان کو یہاں پیش کیا ہے۔ قرض دینے کے تقریباً سارے اداروں کو انگلستان میں اٹھارویں صدی کی ابتدا میں، مشینری کی ایجاد سے پہلے ترقی دی گئی تھی۔ پبلک قرض ٹیکسوں کو بڑھانے

اور ان نئی مانگوں کو پورا کرنے کا ایک نیا طریقه تھا جو بورژوازی کے برسرِ اقتدار آنے سے پیدا ہوئی تھیں۔

آخر میں، پرودھوں صاحب کے نظام میں آخری درجه ملکیت پر مشتمل ہے۔ حقیقی دنیا میں اسکے برعکس ہے: محنت کی تقسیم اور پرودھوں صاحب کے دوسرے مدارج ایسے سماجی تعلقات ہیں جو مجموعی طور پر اس کی تشکیل کرتے ہیں جو آجکل ملکیت کہلاتی ہے۔ ان تعلقات سے الگ ہوکر بورژوا ملکیت ایک مابعدالطبیعی یا قانونی دھوکے کے سوا اور کچھ نہیں رہتی۔ ایک مختلف دور کی ملکیت یعنی جاگیردارانه ملکیت بالکل مختلف سماجی تعلقات کے سلسلے کی پیداوار ہے۔ پرودھوں صاحب ملکیت کو ایک خودمختار چیز ثابت کرکے طریقے میں غلطی سے بھی متجاوز کر جاتے ہیں — وہ صاف طور پر یه دکھا دیتے ہیں که اس رابطے پر ان کی گرفت نہیں ہے جو بورژوا پیداوار کی تمام شکلوں کو یکجا رکھتا ہے، که انھوں نے کسی معینه دور میں پیداوار کی شکلوں کے تاریخی اور تغیرپذیر کردار کو نہیں سمجھا ہے۔ پرودھوں صاحب جو ہمارے سماجی اداروں کو تاریخ کی پیدا کی ہوئی چیزیں نہیں سمجھتے، جو نه تو ان کے آغاز کے بارے میں سمجھتے ہیں اور نه ہی ان کے ارتقا کے بارے میں، وہ محض ان پر ڈھرے کی تنقید کر سکتے ہیں۔

اسی لئے پرودھوں صاحب ارتقا کی وضاحت کے لئے من گڑھت باتوں کا سہارا لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ان کا خیال ہے که محنت کی تقسیم، قرض اور مشینری وغیرہ سب ان کے معینه نظرئے، مساوات کے نظرئے کی خدمت کے لئے ایجاد کئے گئے ہیں۔ ان کی وضاحت انتہائی بھولےپن کی ہے۔ یه چیزیں مساوات کے مفاد میں بنائی گئی تھیں لیکن بدقسمتی سے وہ مساوات کے خلاف پڑیں۔ یه ہے ان کی پوری دلیل۔ دوسرے الفاظ میں وہ ایک دعوے بےدلیل پیش کرتے ہیں اور جب حقیقی ارتقا ہر قدم پر انکے من گڑھت کی تردید کرتا ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں که یہاں تضاد ہے۔ وہ آپ سے یه بات چھپاتے ہیں که یه تضاد کلی طور پر ان کے معینه خیالات اور حقیقی تحریک کے درمیان ہے۔

پرودھوں صاحب، زیادہ‌تر اسوجہ سے کہ وہ تاریخی معلومات نہیں رکھتے، یہ نہیں دیکھ سکے کہ جب لوگ اپنی پیداواری طاقتوں کو ترقی دیتے ہیں یعنی جب وہ رہتے سہتے ہیں تو ایک دوسرے سے خاص قسم کے تعلقات بڑھاتے ہیں اور یہ کہ پیداواری طاقتوں میں تبدیلی اور اضافے کے ساتھ ساتھ ان تعلقات کی نوعیت لازمی طور پر بدلتی جاتی ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکے کہ معاشی مدارج ان حقیقی تعلقات کے صرف مجرد مظاہر ہیں اور ان تعلقات کے وجود تک حقیقی رہتے ہیں۔ اسی لئے وہ بورژوا ماہرین‌معاشیات‌والی غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان معاشی مدارج کو ابدی قوانین سمجھتے ہیں نہ کہ ایسے تاریخی قوانین جو ارتقا کے کسی مخصوص تاریخی منزل، پیداواری قوتوں کی معینہ ترقی کے قوانین ہیں۔ اسی لئے بجائے اس کے کہ پرودھوں صاحب سیاسی معاشی مدارج کو حقیقی، تغیرپذیر تاریخی سماجی تعلقات کے مجرد مظاہر سمجھیں وہ اپنے صوفیانہ اوندھے‌پن کیوجہ سے حقیقی تعلقات کو ان تجریدوں کی مجسم شکل سمجھ بیٹھے ہیں اور یہ تجریدیں ایسے فارمولے ہیں جو اس دنیا کے آغاز سے خدا کے قلب میں خفیہ رہے ہیں۔

لیکن یہاں ہمارے نیک صفت پرودھوں صاحب بڑے دانش‌ورانہ بھنور میں پھنس جاتے ہیں۔ اگر یہ تمام معاشی مدارج خدا کے قلب سے ظہور میں آئے ہیں اور انسان کی پنہاں اور ابدی زندگی ہیں تو یہ کیسے ہوتا ہے — اول، یہ کہ ارتقا جیسی چیز کیوں ہے، دوسرے، یہ کہ کیا پرودھوں صاحب قدامت‌پرست نہیں ہیں؟ وہ ان نمایاں تضادوں کی وضاحت متضادباتوں کے ایک پورے سسٹم کے ذریعے کرتے ہیں۔

ان متضادباتوں کے سسٹم پر روشنی ڈالنے کے لئے ہم ایک مثال پیش کریں گے۔

اجارےداری اچھی چیز ہے کیونکہ یہ ایک معاشی درجہ ہے اور اس لئے اسکا ظہور خدا سے ہوا ہے۔ مقابلہ بھی اچھی چیز ہے کیونکہ یہ بھی ایک معاشی درجہ ہے۔ لیکن اجارےداری کی حقیقت اور مقابلے کی حقیقت اچھی نہیں ہیں۔ اور اس سے بھی بری بات یہ ہے کہ مقابلہ اور اجارےداری ایک دوسرے کو نگل جاتے ہیں۔ تو پھر کیا کیا جائے؟ چونکہ خدا کے یہ دونوں ابدی خیالات ایک دوسرے

کی کاٹ کرتے ھیں اس لئے پرودھوں صاحب کے لئے یہ بات صاف ھے
کہ خدا کے سینے میں بھی ان دونوں کا امتزاج ھے، جسمیں اجارےداری
کی برائیوں کو مقابلہ "متوازن رکھتا ھے اور اسکے برعکس بھی ایساھی
ھوتا ھے۔ دو خیالوں کے درمیان جدوجہد کیوجہ سے صرف انکا اچھا
رخ سامنے آتا ھے۔ اس پراسرار خیال کو خدا سے چھین کر استعمال
کرنا چاھئے اور پھر سب کچھ ٹھیک ھو جائےگا۔ اس استزاجی فارمولے
کا جو انسان کے غیرشخصی شعور کی تاریکیوں میں چھپا ھوا ھے
انکشاف کر دینا چاھئے۔ پرودھوں صاحب انکشاف کرنےوالے کی حیثیت
سے سامنے آنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی باک نہیں کرتے۔

لیکن ایک لمحے کے لئے حقیقی زندگی کو دیکھئے۔ موجودہ زمانے
کی معاشی زندگی میں آپ نہ صرف مقابلہ اور اجارےداری پاتے ھیں بلکہ
ان کا امتزاج بھی پاتے ھیں، جو کوئی فارمولا نہیں — تحریک ھے۔
اجارےداری مقابلے کو جنم دیتی ھے اور مقابلہ اجارےداری کو۔
لیکن یہ مساواتی مشق موجودہ حالات کی دشواریوں کو دور کرنے کے
بجائے (جیساکہ بورژوا ماھرین معاشیات کا خیال ھے) ایسی صورت حال
پیدا کر دیتی ھے جو اور زیادہ مشکل اور گڈمڈ ھوتی ھے۔ اس لئے
اگر وہ بنیاد بدل دی جائے جس پر موجودہ زمانے کے معاشی تعلقات
قائم ھیں، اگر پیداوار کے موجودہ طریقے بدل دئے جائیں تو نہ صرف
مقابلہ، اجارےداری اور انکا تضاد ختم ھو جائےگا بلکہ انکا اتحاد،
ان کا امتزاج یعنی وہ تحریک بھی ختم ھو جائےگی جو مقابلے اور
اجارےداری میں حقیقی توازن رکھتی ھے۔

اب میں آپ کے سامنے پرودھوں صاحب کی جدلیات کی ایک مثال
پیش کرونگا۔

آزادی اور غلامی متضاد ھیں۔ مجھے نہ تو آزادی کی خوبیوں اور
برائیوں کے بارے میں کہنے کی ضرورت ھے اور نہ ھی غلامی کی
برائیوں کے بارے میں، صرف اس کے اچھے رخ کی وضاحت کرنی ھے۔
ھم بالواسطہ غلامی یا پرولتاریہ کی غلامی کو نہیں لے رھے ھیں بلکہ
براہ‌راست سیاہ نسلوں کی غلامی کو، جو کہ سوری‌نام، برازیل اور
شمالی امریکہ کی جنوبی ریاستوں میں ھے۔

آجکل براہ‌راست غلامی ہماری صنعت‌کاری کی اسی طرح بنیاد ہے جسطرح مشینری اور قرض وغیرہ۔ غلامی کے بغیر کپاس نہیں اور کپاس کے بغیر جدید صنعت نہیں ہے۔ غلامی نے نوآبادیوں کی قدر و قیمت بڑھائی ہے، نوآبادیوں نے عالمی تجارت کو جنم دیا ہے اور عالمی تجارت بڑے پیمانے کی مشین‌کار صنعت کی ضروری شرط ہے۔ غلاموں کی شکل میں نیگروؤں کی خرید و فروخت شروع ہونے سے پہلے نوآبادیاں پرانی دنیا کو صرف چند صنعتی چیزیں فراہم کرتی تھیں اور کرۂارض کے حالات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح غلامی اعلی اہمیت رکھنےوالا معاشی درجہ ہے۔ غلامی کے بغیر شمالی امریکہ جو سب سے زیادہ ترقی‌یافتہ ملک ہے ایک سرقبیلی ملک بن جاتا۔ شمالی امریکہ کو قوموں کے نقشے سے مٹا دیجئے تو بس نراج ہو جائیگا، تجارت اور جدید تہذیب بالکل تباہ ہو جائےگی۔ لیکن غلامی کے خاتمے کا مطلب ہوگا دنیا کے نقشے سے امریکہ کو مٹا دینا۔ اور اسی لئے کہ غلامی ایک معاشی درجہ ہے، ہمیں وہ ہر قوم میں دنیا کے آغاز سے ملتی ہے۔ جدید قومیں اپنے ملکوں کی غلامی کو بھیس بدل کر چھپانا جانتی ہیں جبکہ وہ اس کو نئی دنیا میں علانیہ درآمد کرتی ہیں۔ غلامی کے بارے میں یہ باتیں کہنے کے بعد ہمارے لائق پرودھوں صاحب کیسے آگے بڑھیں‌گے؟ وہ آزادی اور غلامی کے درمیان امتزاج، غلامی اور آزادی کے درمیان سنہرا اوسط یا توازن تلاش کریں‌گے۔

پرودھوں صاحب نے اس واقعہ کو تو بہت اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ لوگ کپڑا، کتان اور ریشم بناتے ہیں اور یہ قابل‌تعریف بات ہے کہ انہوں نے یہ چھوٹی سی بات سمجھ لی ہے! لیکن جو بات وہ نہیں سمجھے وہ یہ ہے کہ لوگ اپنی پیداواری طاقتوں کے مطابق سماجی تعلقات بھی پیدا کرتے ہیں جنکے تحت وہ کپڑا اور کتان تیار کرتے ہیں۔ اور اس سے بھی کم انہوں نے یہ بات سمجھی ہے کہ وہ لوگ جو اپنی مادی پیداوار کے مطابق اپنے سماجی تعلقات پیدا کرتے ہیں وہ خیالات اور مدارج بھی پیدا کرتے ہیں یعنی انھی سماجی تعلقات کے مجرد اور معیاری مظاہر۔ اس لئے مدارج ان تعلقات سے زیادہ ابدی

نہیں ہیں جن کا وہ اظہار کرتے ہیں ۔ وہ تاریخی اور تغیرپذیر ہیں جب کہ پرودھوں صاحب کے لئے اس کے برعکس تجریدیں اور مدارج ابتدائی سبب ہیں ۔ ان کے خیال کے مطابق لوگ نہیں بلکہ تجریدیں اور مدارج تاریخ‌ساز ہوتے ہیں ۔ تجرید یا درجے کو اگر اصلی معنوں میں لیا جائے یعنی لوگوں اور ان کی ٹھوس سرگرمیوں سے الگ کرکے، تو وہ یقیناً لافانی، غیرتغیرپذیر اور غیرمتحرک ہے ۔ وہ خالص عقل کے وجود کی صرف ایک شکل ہے جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ تجرید اپنی جگہ پر مجرد ہے ۔ کیسی لاجواب تکرار معنی ہے ۔

اس طرح پرودھوں صاحب معاشی تعلقات کو مدارج سمجھتے ہیں جو بلاکسی آغاز یا ارتقا کے ابدی فارمولے ہیں ۔

دوسرے الفاظ میں پرودھوں صاحب براہ‌راست یہ نہیں کہتے کہ بورژوا زندگی ان کے لئے ایک ابدی حقیقت ہے ۔ وہ مدارج کی پرستش کرکے جو خیال کی شکل میں بورژوا تعلقات کا اظہار کرتے ہیں، اس بات کی تصدیق بالواسطہ کرتے ہیں ۔ وہ بورژوا سماج کی تیار کی ہوئی چیزوں کو اچانک ظہور میں آنے والی ابدی ہستیاں سمجھتے ہیں جو ان کے دماغ میں مدارج کی شکل میں، خیال کی شکل میں آتے ہی جاندار ہو جاتی ہیں ۔ اس طرح وہ بورژوا افق سے اوپر نہیں اٹھتے ۔ چونکہ وہ بورژوا خیالات کو لیکر سوچ رہے ہیں جن کی ابدی سچائی کو پہلے سے ہی مان لیتے ہیں، وہ ان خیالات کا امتزاج، توازن ڈھونڈھتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ موجودہ طریقہ جسکے ذریعہ یہ خیالات توازن تک پہنچتے ہیں واحد ممکن طریقہ ہے ۔

حقیقت میں وہ بھی وہی کرتے ہیں جو سب اچھے بورژوا لوگ کرتے ہیں ۔ وہ آپ سے کہتے ہیں کہ اگر اصولی طور پر یعنی مجرد خیالات کی حیثیت سے غور کیا جائے تو مقابلہ اور اجارےداری وغیرہ زندگی کی واحد بنیاد ہیں لیکن عملی طور پر ان میں بڑی کمی ہے ۔ وہ سب مقابلہ تو چاہتے ہیں لیکن اس کے مہلک اثرات کے بغیر ۔ وہ ایک نا ممکن بات چاہتے ہیں یعنی بورژوا وجود کے حالات لیکن ان حالات کے لازمی نتائج کے بغیر ۔ ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ بورژوا طریقۂ‌پیداوار تاریخی اور تغیرپذیر ہے جیسے

جاگیردارانہ طریقہ تھا۔ اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں بورژوا انسان ہی ہر سماج کی ممکن بنیاد ہو سکتا ہے۔ وہ ایسے سماج کا تصور ہی نہیں کرسکتے جسمیں لوگ بورژوا نہ رہیں۔

اسی لئے پرودھوں صاحب لازمی طور پر اصول پرست ہیں۔ ان کے خیال میں وہ تاریخی تحریک جو آج دنیا کو الٹ‌پلٹ کر رہی ہے دو بورژوا خیالوں کا صحیح توازن یا امتزاج دریافت کرنے کے مسئلے تک محدود ہوگئی ہے۔ اسی لئے یہ چالاک آدمی اپنی باریک بینی سے خدا کے پنہاں خیالات، دو الگ الگ خیالات کے اتحاد کا انکشاف کرتا ہے جو صرف اس لئے الگ الگ ہیں کہ پرودھوں صاحب نے ان کو عملی زندگی، موجودہ زمانے کی پیداوار سے الگ کر دیا ہے جو ان حقیقتوں کا مجموعہ ہے جنکا اظہار یہ خیالات کرتے ہیں۔ اس زبردست تاریخی تحریک کی جگہ جو لوگوں کی حاصل کی ہوئی پیداواری طاقتوں اور ان کے ایسے سماجی تعلقات کے درمیان تصادم سے پیدا ہوتی ہے جن کی مطابقت ان پیداواری طاقتوں سے ختم ہو جاتی ہے؛ ان خوفناک جنگوں کی جگہ جنگی تیاری ہر قوم کے مختلف طبقوں کے درمیان اور مختلف قوموں کے درمیان ہو رہی ہے؛ کثیر تعداد عوام کے اس عملی اور انقلابی سرگرمی کی جگہ جس کے ذریعے ہی ایسے تصادموں کا حل ہو سکتا ہے — اس وسیع، مسلسل اور پیچیدہ تحریک کی جگہ پرودھوں صاحب اپنے ذہن کی من مانی اختراعات [mouvement cacadouphin] پیش کرتے ہیں۔ اس طرح صاحبان علم تاریخ کی تخلیق کرتے ہیں، ایسے لوگ جو خدا کے خفیہ خیالات کو چرانا جانتے ہیں۔ عام لوگوں کو یہ انکشافات صرف اپنے استعمال میں لانے ہوتے ہیں۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں‌گے کہ پرودھوں صاحب ہر سیاسی تحریک کے علانیہ دشمن کیوں ہیں؟ ان کے لئے موجودہ مسائل کا حل عوامی اقدام نہیں بلکہ ان کے اپنے دماغ کی جدلیاتی گردش ہے۔ چونکہ ان کے لئے مدارج ہی محرک طاقتیں ہیں اسلئے مدارج کو بدلنے کے لئے عملی زندگی کو بدلنا ضروری نہیں ہے۔ اس کے برعکس، بس مدارج کو بدل دینا چاہئے اور اس کا نتیجہ موجودہ سماج میں تبدیلی ہوگی۔

تضادوں کو ہم‌آہنگ کرنے کے شوق میں پرودھوں صاحب یہ تک

نہیں پوچھتے کہ کیا ان تضادوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنا چاہئیے؟ وہ بالکل اس سیاسی اصول‌پرست کی طرح ہیں جو سماجی زندگی کے لازمی اجزا کی حیثیت سے، ابدی مدارج کی حیثیت سے بادشاہ، ایوان نائبین اور دارالامرا رکھنا چاہتا ہو ۔ بس وہ ایک نیا فارمولا تلاش کر رہا ہے جس کے ذریعے ان طاقتوں کے درمیان توازن قائم کر سکے جنکا توازن ٹھیک اس تحریک پر مشتمل ہے جسمیں ایک طاقت ابھی فاتح ہے اور ابھی دوسرے کی غلام ہے ۔ اس طرح اٹھارھویں صدی میں بعض معمولی دماغ‌والوں نے ایسا فارمولا تلاش کرنے کی کوشش کی جو سماجی حلقوں، امرا، بادشاہ اور پارلیمنٹ وغیرہ میں توازن قائم کر سکے اور ایک صبح جب ان کی آنکھ کھلی تو انھوں نے دیکھا کہ بادشاہ، پارلیمنٹ یا امرا سب غائب تھے ۔ اس تضاد میں حقیقی توازن ان سماجی تعلقات کا خاتمہ تھا جو ان جاگیردارانہ ہستیوں اور ان کے تضادوں کے لئے بنیاد تھے ۔

کیونکہ پرودھوں صاحب ابدی خیالات، خالص عقل کے مدارج کو ایک پلڑے میں اور انسانوں اور ان کی عملی زندگی کو جو ان کے خیال میں ان مدارج کا استعمال ہے دوسرے پلڑے میں رکھتے ہیں اس لئے آپ کو ان کے یہاں ابتدا سے زندگی اور خیالات کے درمیان، روح اور جسم کے درمیان ایک ثنویت‌پسندی (dualism) نظر آتی ہے، ایسی ثنویت جو بہت سی شکلوں میں بار بار ظاہر ہوتی ہے ۔ اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ تضاد پرودھوں صاحب کی اس نااہلی کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ان مدارج کا جن کی وہ پرستش کرتے ہیں، معمولی آغاز اور معمولی تاریخ نہیں سمجھتے ۔

میرا خط اس کے لئے کافی طویل ہو چکا ہے کہ میں اس فضول بکواس کے بارے میں کہوں جو پرودھوں صاحب نے کمیونزم کے خلاف کی ہے ۔ فی الحال آپ میری یہ بات مان لیں‌گے کہ ایسے آدمی سے، جس نے سماج کی موجودہ حالت کو نہیں سمجھا ہے، اس کی اور کم توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اس تحریک کو سمجھیگا جو اس سماج کو الٹ دینے کے لئے ہے، اور انقلابی تحریک کے ادبی مظاہر کو سمجھیگا ۔

واحد نکته جس پر میں پرودھوں صاحب سے قطعی متفق ہوں وہ جذباتی سوشلسٹ خوابوں سے ان کی نفرت ہے۔ میں ان سے پہلے اس جذباتی، یوتوپیائی اور احمقانہ سوشلزم کا مذاق اڑا کر بہت دشمنی مول لے چکا ہوں۔ لیکن کیا پرودھوں صاحب اپنے کو عجیب طور سے دھوکہ نہیں دیتے جب وہ اپنی پیٹی بورژوا جذباتیت کو (میں خاندان، ازدواجی محبت اور اسی طرح کی معمولی سی باتوں کے بارے میں ان کی زوردار باتوں کا ذکر کر رہا ہوں) اس سوشلسٹ جذباتیت کے مدمقابل رکھتے ہیں جو مثال کے طور پر فورئیے کے یہاں ہمارے لائق پرودھوں کے بلند بانگ دعووں سے کہیں زیادہ گہری ہے؟ پرودھوں صاحب خود اپنی دلیلوں کی تہی دامنی، ان چیزوں کے بارے میں بات کرنے کی سخت نااہلی کا اتنا مکمل شعور رکھتے ہیں کہ اچانک وہ غصے میں ابل پڑتے ہیں، چیختے دھاڑتے ہیں، اور راست بازانہ غیض و غضب کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے منہ میں جھاگ آجاتا ہے، وہ گالیاں دیتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں، شرمناک اور خون خرابے کی باتیں کرتے ہیں اور سینہ کوبی کرکے خدا اور انسان کے سامنے یہ ڈینگ مارتے ہیں کہ وہ سوشلسٹ جذباتیت سے پاک ہیں بلکہ ایسی چیزوں پر جنھیں وہ سوشلسٹ جذباتیت سمجھتے ہیں سنجیدہ تنقید نہیں کرتے۔ وہ کسی مقدس آدمی، پوپ کی طرح غریب گنہگاروں کو نکال باہر کرتے ہیں اور پیٹی بورژوازی اور گھربار کے سرقبیلی اور رومانی فریبوں کے گن گاتے ہیں۔ اور یہ کوئی اتفاق کی بات نہیں ہے۔ پرودھوں صاحب سر سے پیر تک پیٹی بورژوا کے فلسفی اور معاشیات‌داں ہیں۔ ترقی‌یافتہ سماج میں پیٹی‌بورژوا آدمی لازمی طور پر اپنی پوزیشن کی وجہ سے ایک طرف سوشلسٹ ہوتا ہے تو دوسری طرف معاشیات‌داں یعنی وہ بڑی بورژوازی کی شان و شوکت سے چوندھیا جاتا ہے اور عام لوگوں کی مصیبتوں سے ہمدردی رکھتا ہے۔ وہ بیک وقت بورژوا اور عوام کا آدمی ہوتا ہے۔ اپنی دل کی گہرائیوں میں وہ اس کی داد دیتا ہے کہ وہ غیرجانبدار ہے اور اس نے وہ صحیح توازن پالیا ہے جو سنہرے اوسط سے مختلف ہونے کا دعوی رکھتا ہے۔ ایسا پیٹی بورژوا آدمی تضاد کے گن گاتا ہے کیونکہ تضاد ہی تو اس کے وجود کی بنیاد ہے۔ وہ خود اپنے عمل میں سماجی تضاد کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

اس کو اپنے کو تھیوری میں بھی وھی ثابت کرنا چاھئے جو وہ عمل میں ھے اور پرودھوں صاحب کو تو فرانسیسی پیٹیبورژوازی کا ترجمان ھونے کی عزت حاصل ھے جو ایک حقیقی عزت ھے کیونکہ پیٹی بورژوازی تمام آنےوالے سماجی انقلابوں کا لازمی جز ھوگی۔

میں چاھتا تھا کہ اس خط کے ساتھ میں آپ کو سیاسی معاشیات پر اپنی کتاب (۵۵) بھیجوں لیکن میں ابھی اس تصنیف اور جرمن فلسفیوں اور سوشلسٹوں پر اس تنقید کو* نہیں چھپوا سکا ھوں جسکا ذکر میں نے آپ سے بروسلز میں کیا تھا۔ آپ یقین نہیں کریں گے کہ اس قسم کی اشاعت میں جرمنی میں کتنی مشکلات ھوتی ھیں، پہلے تو پولیس کی طرف سے اور پھر کتابفروشوں کی طرف سے جو ان تمام رجحانات سے دلچسپی رکھنےوالے نمائندے ھوتے ھیں جن پر میں حملے کرتا ھوں۔ اور جہاں تک ھماری پارٹی کا سوال ھے وہ نہ صرف غریب ھے بلکہ جرمن کمیونسٹ پارٹی کا ایک بڑا حصہ مجھ سے ناراض ھے کیونکہ میں ان کے ھوائی قلعوں اور جوشیلی تقریروں کی مخالفت کرتا ھوں۔

فرانسیسی زبان میں لکھا ھوا یہ خط پہلی بار ''استاسیولیویچ اور ان کے ھمعصروں کی خط و کتابت،، ناسی کتاب میں شایع ھوا۔

کتاب کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

نیویارک میں مقیم ایوسیف ویڈیمیئر کے نام مارکس کا خط

لندن،
۵ مارچ ۱۸۵۲ء

...اور جہاں تک میرا سوال ھے میں موجودہ سماج میں طبقات کے وجود یا ان کے درمیان جدوجہد کی دریافت کےلئے تعریف کا مستحق

---

* یہاں مارکس نے ''جرمن آئڈیالوجی،، کا حوالہ دیا ھے۔ (ایڈیٹر)

نہیں ہوں۔ مجھ سے بہت پہلے بورژوا مؤرخ اس طبقاتی جدوجہد کے تاریخی ارتقا کے بارے میں بیان کرچکے ہیں اور بورژوا ماہرین معاشیات نے طبقات کی معاشی ساخت کی تشریح کی ہے۔ میں نے یہ ثابت کرکے نئی بات کی: (۱) کہ طبقات کا وجود پیداوار کے ارتقا میں صرف مخصوص تاریخی منزلوں سے مربوط ہے، (۲) کہ طبقاتی جدوجہد لازمی طور پر پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کی طرف لے جاتی ہے، (۳) کہ یہ ڈکٹیٹرشپ خود صرف تمام طبقات کے خاتمے اور غیرطبقاتی سماج تک عبور پر مشتمل ہوتی ہے...

پہلی بار رسالہ «Jungsozialistishe Blätter» میں ۱۹۳۰ء میں شایع ہوا۔ مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

ہانوویر میں مقیم لوڈویگ کوگیلمان کے نام مارکس کا خط

لندن،
۱۲ اپریل ۱۸۷۱ء

...کل ہمیں یہ تشویش‌ناک خبر ملی کہ لافارگ (لاؤرا نہیں*) آجکل پیرس میں ہیں۔

اگر تم میری کتاب ”۱۸ ویں برومیئر،،** کے آخری باب کو دیکھو تو اس میں میں نے یہ کہا ہے کہ فرانسیسی انقلاب کی دوسری کوشش پہلے کی طرح نوکرشاہی فوجی مشین کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں دینے کی نہیں بلکہ اس کو توڑ دینے کی ہوگی اور براعظم یورپ میں ہر حقیقی عوامی انقلاب کےلئے یہ اولین شرط ہے۔ اور ہمارے جری پارٹی کامریڈ پیرس میں اس کےلئے کوشاں ہیں۔ ان پیرس‌والوں میں کیسا لوچ، کیسی تاریخی پیش‌قدمی اور قربانی کی

* لاؤرا — مارکس کی بیٹی، لافارگ کی بیوی۔ (ایڈیٹر)
** دیکھئے اس سلسلے کا حصۂ اول، صفحات ۲۹۸ — ۱۵۰۔ (ایڈیٹر)

صلاحیت ہے ۔ چھ مہینے کی بھکمری اور تباہی کے بعد، جس کا سبب بیرونی دشمن سے زیادہ اندرونی غداری تھی، وہ پروشیائی سنگینوں کے نیچے سے اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جیسے فرانس اور جرمنی کے درمیان کبھی جنگ نہیں ہوئی تھی اور دشمن اب پیرس کے پھاٹکوں پر نہیں ہے! تاریخ میں اس عظمت کی مثال نہیں ملتی! اب اگر ان کو شکست ہو جائے تو یہ ان کی ''نیک طبیعت،، کی خطا ہوگی۔ جب جنرل وینوا اور اس کے بعد پیرس کے نیشنل گارڈ کا رجعت‌پرست حصہ پیرس سے بھاگے اس وقت ہی ان کو وارسائی پر چڑھائی کر دینی تھی۔ انھوں نے اس موقع کو محض اپنی دیانتداری کیوجہ سے کھو دیا۔ انھوں نے خانہ جنگی نہیں شروع کرنی چاہی، جیسے کہ بدمعاش حرامزادہ تیئر پیرس کو نہتا کرنے کے لئے خانہ جنگی شروع نہیں کر چکا تھا۔ دوسری غلطی یہ ہوئی کہ کمیون کو جگہ دینے کےلئے مرکزی کمیٹی (۵۶) اپنے اختیارات سے بہت جلدی دست بردار ہو گئی۔ یہ بھی حد سے زیادہ ہی ''باعزت،، دیانتداری تھی۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو، پیرس کی موجودہ بغاوت (اگر اس کو پرانی سماج کے بھیڑئیے، سور اور ذلیل کتے کچل بھی دیں) پیرس میں جون کی بغاوت کے بعد ہماری پارٹی کا سب سے شاندار کارنامہ ہے۔ ذرا آسمان پر دھاوا بولنےوالے پیرس کے لوگوں کا مقابلہ اس جرمن پروشیائی مقدس رومن سلطنت کے آسمان کے غلاموں سے کرو جس کے دقیانوسی بھروپیوں سے فوجی بارکوں، چرچ، یونکری ذھنیت اور سب سے زیادہ تنگ‌نظری کی بو آتی ہے۔

نوٹ۔ لوئی بوناپارٹ کے خزانے سے براہ‌راست وظیفے پانےوالوں کی سرکاری طور پر شائع‌شدہ فہرست میں ایک نوٹ ہے کہ فوگٹ نے اگست ۱۸۵۹ء میں چالیس ہزار فرانک پائے۔ میں نے آئندہ استعمال کےلئے اس کے بارے میں لیبکنیخت کو مطلع کر دیا ہے۔

تم مجھے ہیکس‌تھاسن (۵۷) بھیج سکتے ہو کیونکہ پچھلے دنوں سے مجھے مختلف پمفلٹ وغیرہ نہ صرف جرمنی سے بلکہ پیٹرسبورگ سے بھی صحیح سلامت مل جاتے ہیں۔

ان مختلف اخباروں کا شکریہ جو تم نے بھیجے ھیں۔ مہربانی کر کے مجھے اور بھیجو کیونکہ میں جرمنی، رائخستاگ وغیرہ کے بارے میں کچھ لکھنا چاھتا ھوں۔

پہلی بار اختصار کے ساتھ رسالے «Die Neue Zeit» Bd. I کے شمارے ۲۳ میں اشٹوٹ گارٹ سے ۱۹۰۱ — ۲ء میں شایع ھوا اور پورا خط روسی زبان کی کتاب ''مارکس کے خط کوگیلمان کے نام،، میں ۱۹۲۸ء میں شایع ھوا۔

اصل مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

هانوویر میں مقیم لوڈویگ کوگیلمان کے نام مارکس کا خط

لندن،
۱۷ اپریل ۱۸۷۱ء

تمہارا خط ملا۔ آجکل میں بہت مصروف ھوں۔ اس لئے صرف مختصر خط لکھ رھا ھوں۔ میری سمجھ میں یہ بالکل نہیں آتا کہ تم ۱۳ جون ۱۸۴۹ء (۵۸) کے پیٹی بورژوا مظاھرے کا مقابلہ پیرس کی موجودہ جدوجہد سے کیسے کر سکتے ھو۔

عالمی تاریخ کی تشکیل بہت ھی آسان ھو جائے اگر جدوجہد محض قطعی سازگار مواقع کی شرط پر کی جائے۔ دوسری طرف یہ بھی ایک پراسرار بات ھوگی اگر ''اتفاقات،، کا کوئی رول ھی نہ ھو۔ یہ اتفاقات قدرتی طور پر ارتقا کے عام دھارے کا نمایاں حصہ ھوتے ھیں اور ان کا توازن دوسرے اتفاقات سے ھوتا ھے۔ لیکن تعجیل و تاخیر کا بہت کچھ انحصار ایسے ھی ''اتفاقات،، پر ھے جن میں تحریک کی پہلے پہل سربراھی کرنے والے لوگوں کے کردار کا ''اتفاق،، بھی شامل ھے۔

اس بار فیصلہ کن ناسازگار ''اتفاق،، کو کسی طرح بھی فرانسیسی

سماج کے عام حالات میں نہیں تلاش کرنا چاہئے بلکہ فرانس میں پروشیاوالوں کی موجودگی میں ڈھونڈھنا چاہئے جن کی فوج ٹھیک پیرس کے سامنے کھڑی ہے۔ اس بات کو پیرس‌والے بخوبی سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے بارے میں وارسائی کے عیار بورژوا لوگ بھی جانتے تھے۔ اسی لئے تو انھوں نے پیرس والوں کے سامنے یہ انتخاب رکھا کہ یا تو وہ لڑائی کو لبیک کہیں یا بغیر لڑے اطاعت قبول کرلیں۔ مؤخرالذکر صورت میں مزدور طبقے کے حوصلے پست ہونا ''لیڈروں،، کی کسی بھی تعداد کے خاتمے سے کہیں زیادہ بڑی مصیبت ہوتی۔ سرمایہ‌دار طبقے اور اس کی ریاست کے خلاف مزدور طبقے کی جدوجہد پیرس کمیون کی بدولت ایک نئی منزل میں داخل ہوگئی ہے۔ اس کا فوری نتیجہ جو بھی ہو لیکن ایک نیا ابتدائی نقطہ حاصل کر لیا گیا ہے جو عالمی اہمیت کا حامل ہے۔

پہلی بار اختصار کے ساتھ رسالے «Die Neue Zeit» کے شمارہ ۲۳ ، اشٹوٹ گارٹ میں ۱۹۰۱—۲ء میں شایع ہوا اور پورا خط روسی زبان کی کتاب ''مارکس کے خطوط کوگیلمان کے نام،، میں ۱۹۲۸ء میں چھاپا گیا۔

مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

نیویارک میں مقیم فریڈرک بولٹے کے نام مارکس کا خط

[لندن]،
۲۳ نومبر ۱۸۷۱ء

...سوشلسٹ اور نیم سوشلسٹ فرقوں کی جگہ مزدور طبقے کی جدوجہد کے لئے ایک حقیقی تنظیم انٹرنیشنل کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ ابتدائی ''قواعد،،*

---

* ''انٹرنیشنل ورکنگ مینس ایسوسی‌ایشن کے عارضی قواعد،، جو مارکس نے مرتب کئے تھے۔ (ایڈیٹر)

اور ''تاسیسی مینیفسٹو''* فوراً ھی اس کی طرف اشارہ کرتے ھیں۔ دوسری طرف انٹرنیشنل اپنے کو نہیں قائم رکھ سکتی اگر تاریخ کے دھارے نے فرقہ واریت کو توڑ پھوڑ کر نہ رکھ دیا ھوتا۔ سوشلسٹ فرقہواریت اور مزدور طبقے کی حقیقی تحریک کا ارتقا ھمیشہ ایک دوسرے کے الٹے ھوتے ھیں۔ فرقوں کا وجود تاریخی لحاظ سے اس وقت تک بجا ھے جب تک کہ مزدور طبقہ ایک آزاد تاریخی تحریک کےلئے پختہ نہیں ھوتا۔ جیسے ھی وہ اس پختگی تک پہنچتا ھے سارے فرقے لازمی طور پر رجعتپرست ھو جاتے ھیں۔ تاھم تاریخ جو کچھ ھر جگہ دکھاتی ھے وھی انٹرنیشنل کی تاریخ میں بھی ھوا۔ پرانی چیزیں نئی حاصلشدہ شکل میں پھر اپنے پیر جمانے اور اپنی پوزیشن قائم کرنے کی کوشش کرتی ھیں۔

انٹرنیشنل کی تاریخ بھی ان فرقوں اور اناڑی تجربوں کے خلاف جنرل کونسل کی متواتر جدوجہد ھے جو انٹرنیشنل کے اندر گھس کر مزدور طبقے کی حقیقی تحریک کا مقابلہ کرکے اپنا اثر بڑھانے کے لئے کوشاں تھے۔ یہ جدوجہد کانگرسوں میں کی گئی لیکن اس سے زیادہ جنرل کونسل اور الگ الگ فرقوں کے درمیان خفیہ باتچیت کے ذریعے ھوئی۔

چونکہ پیرس میں پرودھوں کے حامی — mutualists (۵۹) ایسوسیایشن کی بنیاد ڈالنے میں شریک تھے اس لئے قدرتی طور پر پہلے چند برسوں میں باگ ڈور انھیں کے ھاتھ میں رھی۔ بعد میں وھاں ان کے مقابلے میں کولیکٹیویسٹ (اجتماعیت پسند)، پوزیٹیویسٹ (ثبوتیت پسند) وغیرہ گروہ پیدا ھو گئے۔

جرمنی میں لاسال کا گروہ تھا۔ میں خود دو سال تک بدنام زمانہ شویئتسر کے ساتھ خط و کتابت کرتا رھا اور اس پر ناقابل تردید طور سے یہ بات ثابت کردی کہ لاسال کی تنظیم محض فرقہوارانہ تنظیم تھی اور اسی وجہ سے وہ مزدوروں کی حقیقی تحریک کے خلاف تھی جس

---

* ''انٹرنیشنل ورکنگمینس ایسوسیایشن کا تاسیسی مینیفسٹو''، جو مارکس نے تیار کیا تھا۔ (ایڈیٹر)

کےلئے انٹرنیشنل کوشاں ہے ۔ لیکن اس کو نہ سمجھنے کےلئے شویئتسر کے پاس اپنے ’’اسباب،، تھے ۔

۱۸۶۸ء کے آخر میں روسی باکونین اس مقصد سے انٹرنیشنل میں شامل ہوا کہ اس کے اندر ’’سوشل ڈیموکریسی کا اتحاد،، (۶۰) کے نام سے جس کا وہ خود لیڈر ہو، دوسری انٹرنیشنل بنائے ۔ یہ آدمی نظریاتی معلومات سے قطعی عاری تھا اور یہ دعوی کرتا تھا کہ وہ اس علحدہ تنظیم میں انٹرنیشنل کا سائنسی پروپیگنڈا کریگا اور اس پروپیگنڈے کو انٹرنیشنل کے اندر دوسری انٹرنیشنل کا خاص کام بنانا چاھتا تھا ۔

اس کے پروگرام میں کچھ دائیں بازو سے اور کچھ بائیں بازو سے نوچا ھوا ملغوبہ تھا ۔ مثلاً طبقات کی مساوات (!)، سماجی تحریک کے ابتدائی نکتے کی حیثیت سے وراثت کے حق کا خاتمہ (سین سائمون کی خرافات)، اذعانی اصول کی حیثیت سے انٹرنیشنل کے ممبروں میں بےدینی کا پرچار وغیرہ اور خاص اذعانی اصول کی حیثیت سے (پرودھونی عقیدہ) سیاسی تحریک سے پرھیز وغیرہ ۔

بچوں کی کہانیوں کی طرح کی یہ باتیں اٹلی اور اسپین میں مقبول ھوئیں (جس کا اب بھی کچھ اثر ھے) جہاں مزدوروں کی تحریک کے حقیقی حالات نے ابھی بہت کم فروغ پایا ھے ۔ یہ لاطینی سوئٹزرلینڈ اور بلجیم کے کچھ خودنما، جاہطلب اور خالی الذھن اصول‌پرستوں کو بھی پسند آئیں ۔

باکونین صاحب کےلئے ان کا اصول (وہ بکواس جس کو انھوں نے پرودھوں اور سین سائمون وغیرہ سے لئے ھوئے ٹکڑوں سے تیار کیا ھے) دوسرے درجے کی بات تھی اور اب بھی ھے ۔ وہ محض انکی خودپرستی کا ذریعہ ھے ۔ وہ نظریہ‌داں کے لحاظ سے تو صفر ھیں لیکن سازش کرنےوالے کی حیثیت سے استاد ھیں ۔

برسوں تک جنرل کونسل کو اس سازش کے خلاف لڑنا پڑا (جس کا ایک حد تک پرودھوں کے فرانسیسی حامی ساتھ دے رہے تھے خصوصاً جنوبی فرانس میں) ۔ آخرکار کانفرنس کی قراردادوں ۱، ۲، ۳

اور ۹، ۱۶ اور ۱۷ کے ذریعے جنرل کونسل نے وہ ضرب کاری لگائی جسکی تیاری بہت دنوں سے کی گئی تھی (٦١)۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جنرل کونسل امریکہ میں ان باتوں کی حمایت نہیں کرتی جن کے خلاف وہ یورپ میں لڑتی ہے۔ اب ۱، ۲، ۳ اور ۹ نمبر کی قراردادوں نے نیویارک کی کمیٹی کو وہ قانونی اسلحہ دے دئے ہیں جن کے ذریعے ساری فرقہواریت اور اناڑی گٹوں کو ختم کیا جا سکتا ہے اور اگر ضرورت ہو تو ان کو نکال باہر بھی کیا جا سکتا ہے...

مزدور طبقے کی سیاسی تحریک اپنا سختتم مقصد رکھتی ہے جو درحقیقت اس طبقے کےلئے سیاسی اقتدار جیتنا ہے اور قدرتی طور پر اس کےلئے مزدور طبقے کو ابتدا سے ہی ایسی تنظیم کی ضرورت ہے جو ایک حد تک فروغ پا چکی ہو اور جو اسی طبقے کی معاشی جدوجہد سے پیدا ہوئی ہو۔

دوسری طرف، بہر نوع، ہر وہ تحریک ایک سیاسی تحریک ہے جس میں مزدور طبقہ ایک طبقے کی حیثیت سے حکمراں طبقوں کے مقابلے میں آتا ہے اور ان پر باہر سے دباؤ ڈال کر فتح پانے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ مثلاً کسی خاص فیکٹری یا صنعت کے کسی خاص شعبے میں انفرادی طور پر سرمایہداروں کو ہڑتال وغیرہ کے ذریعے کام کا دن مختصر کرنے پر مجبور کرنا خالص معاشی تحریک ہے۔ دوسری طرف آٹھ گھنٹے کے کام کے دن وغیرہ کا قانون بنانے پر مجبور کرنے کی تحریک سیاسی تحریک ہے۔ اور اس طرح مزدوروں کی الگ الگ معاشی تحریکوں سے ہر جگہ ایک سیاسی تحریک پیدا ہوتی ہے یعنی اس طبقے کی تحریک پیدا ہوتی ہے جس کا مقصد اپنے مفادات کو عام شکل میں رائج کرنا ہوتا ہے یعنی ایسی شکل میں جو سارے سماج کےلئے دباؤ ڈالنےوالی طاقت رکھتی ہو۔ اگرچہ ان تحریکوں کےلئے پہلے سے کچھ تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے لیکن یہ بھی اپنی باری میں اس تنظیم کو ترقی دینےوالا مساوی ذریعہ ہوتی ہیں۔

جہاں مزدور طبقہ اپنی تنظیم میں اتنا آگے نہیں ہے کہ وہ اجتماعی طاقت یعنی حکمراں طبقوں کے سیاسی اقتدار کے خلاف فیصلہ کن

سہم چلا سکے وهاں اس کو هر قیمت پر اس کےلئے متواتر ایجی‌ٹیشن کے ذریعه اور حکمران طبقوں کی پالیسی کے خلاف رویے کے ذریعه تربیت دینی چاهئے۔ نہیں تو مزدور طبقه ان لوگوں کے هاتھ میں کھلونا بن جائےگا جیسا که فرانس کے ستمبر انقلاب نے دکھایا اور ایک حد تک اس کھلواڑ سے بھی ثابت هوا جو گلیڈسٹن اینڈ کمپنی کے حضرات ابھی تک بڑی کامیابی سے انگلستان میں کر رهے هیں۔

پہلی بار مختصر طور پر «Briefe und Auszüge aus Briefen von Jon. Phil. Becker, Yos. Dietzgen, Friedrich Engels, Karl Marx und A. an F. A. Sorge und Andere», Stuttgart میں شایع هوا اور پورا خط روسی میں ''مارکس اور اینگلس کی تصانیف،، کے پہلے ایڈیشن کی ۲۶ ویں جلد (۱۹۳۵ء) میں شایع هوا۔

مسودے کے مطابق ترجمه کیا گیا۔

هوبیرتس‌برگ میں مقیم آگسٹ بیبل کے نام اینگلس کا خط

لندن،
۲۰ جون ۱۸۷۳ء

میں آپ کے خط کا پہلے جواب دے رها هوں کیونکه لیبکنیخت کا خط ابھی مارکس کے پاس هے اور وه اس کو ڈهونڈھ نہیں پا رهے هیں۔

هیپنر نہیں بلکه هیپنر کے نام یورک کے خط نے، جس پر کمیٹی کے دستخط تھے، هم کو خوفزده کردیا که پارٹی کے عمال، جو بدقسمتی سے سارے کے سارے لاسال کے پیرو هیں، «Volksstaat» (۶۲) کو ایک ''سچے،، «Neuer Social-Demokrat» (۶۳) میں بدلنے کےلئے

آپ کی سزائے قید کو استعمال کریں گے۔ یورک نے صاف صاف اس ارادے کا اعتراف کیا اور چونکہ کمیٹی یہ حق رکھنے کا دعوی کرتی ہے کہ وہ ایڈیٹروں کو مقرر اور برخاست کر سکتی ہے اس لئے خطرہ واقعی کافی تھا۔ ہیپنر کی ہونے والی جلاوطنی سے یہ منصوبے اور زیادہ ممکن ہوتے تھے۔ ان حالات میں ہمارے لئے صورت حال جاننا بہت ضروری تھا۔ اسی لئے یہ خط و کتابت ہو رہی ہے۔

جہاں تک لاسال‌ازم کے بارے میں پارٹی کے رویے کا سوال ہے تو آپ اس کا فیصلہ ہم سے بہتر کر سکتے ہیں کہ کون سے طریقۂ کار استعمال کئے جائیں، خصوصاً مخصوص معاسلات میں۔ لیکن ان باتوں پر بھی غور کرنا چاہئے کہ جب آپ کی طرح کوئی ایک حد تک کل جرمن مزدور انجمن (۶۴) کے مدمقابل کی پوزیشن میں ہو تو وہ آسانی سے اپنے مخالف کی طرف زیادہ توجہ دینے لگتا ہے اور اس کی یہ عادت بن جاتی ہے کہ اپنے مخالف کے بارے میں سب سے پہلے سوچے۔ لیکن کل جرمن مزدور انجمن اور مزدوروں کی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی دونوں ابھی تک جرمن مزدور طبقے کی بہت ہی چھوٹی اقلیت رکھتی ہیں۔ ہمارا خیال، جس کی طویل عمل نے تصدیق کی ہے، یہ ہے کہ پروپیگنڈے کا صحیح طریقہ اپنے مخالف کے چند افراد اور ممبروں کو یہاں وہاں سے توڑ لینا نہیں ہے بلکہ ان کثیر تعداد عوام کے درمیان کام کرنا ہے جو ابھی تک تحریک میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ کسی نئے فرد کے خیالات کی طاقت جسکو خود ہم نے ناپختگی کی حالت سے تربیت دی ہو لاسالیائی پارٹی کے ان دس بھاگ کر آنےوالوں سے کہیں بہتر ہے جو ہمیشہ اپنے ساتھ جھوٹے رجحانات کے جراثیم پارٹی کے اندر لاتے ہیں۔ اگر عوام اپنے مقامی لیڈروں کے بغیر ہمیں مل جائیں تو اور بھی اچھا ہے۔ لیکن سودا کرنے میں ایسے لیڈروں کی پوری بھیڑ کو بھی لینا پڑتا ہے جو اگر اپنے پہلے خیالات کے نہیں تو اپنے پہلے پبلک اعلانوں کے ضرور پابند ہوتے ہیں اور اب ان کو سب سے زیادہ یہ بات ثابت کرنی ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے اصول نہیں چھوڑے ہیں بلکہ اس کے برعکس مزدوروں کی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی سچے لاسال‌ازم کا پرچار کر رہی ہے۔

یہی آئزی‌ناخ (٦٥) کی بدقسمتی تھی جس سے اس وقت شاید بچنا ممکن نہ تھا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان عناصر نے پارٹی کو نقصان پہنچایا ہے اور مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ ان لوگوں سے اتحاد کے بغیر پارٹی کم‌از کم اتنی مضبوط نہ ہوتی جتنی آج ہے۔ بہرحال میرے خیال میں یہ بدقسمتی ہوتی اگر ان عناصر نے سہارا پالیا ہوتا۔

آدمی کو ''اتحاد،، کی چیخ پکار سے گمراہ نہ ہونا چاہئے۔ جن لوگوں کے لبوں پر یہ نعرے اکثر رہتے ہیں وہی سب سے زیادہ نفاق کے بیج بوتے ہیں جیسے کہ اس وقت سوئٹزرلینڈ میں پہاڑی علاقے یورا کے باکونین‌والے ہیں جنھوں نے تمام نفاق پیدا کئے ہیں اور اتحاد کےلئے سب سے زیادہ شورو غل کر رہے ہیں۔ اتحاد کے یہ دیوانے یا تو تنگ‌نظر لوگ ہیں جو تمام چیزوں کا ایک عجیب ملغوبہ تیار کرنا چاہتے ہیں جو نتھرنے کے ساتھ ہی پھر سارے اختلافات کو اوپر لاتا ہے اور وہ بھی زیادہ شدت کے ساتھ کیونکہ اب تو سارے اختلافات ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہوتے ہیں (جرمنی میں اس کی اچھی مثال وہ لوگ ہیں جو مزدوروں اور پیٹی بورژوازی کے درمیان مصالحت کی باتیں کرتے ہیں)، یا پھر ایسے لوگ ہیں جو غیرشعوری (مثلاً میولبیر گر) یا شعوری طور پر تحریک کو جعل‌سازی کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے سب سے بڑے فرقہ‌پرست اور سب سے زیادہ شوروغل مچانے‌والے بدمعاش خاص خاص موقعوں پر اتحاد کی بہت زوردار ھانک پکار کرتے ہیں۔ ہماری زندگی کے دوران اتحاد کا شوروغل مچانے‌والوں سے زیادہ کسی نے بھی ہمیں پریشان نہیں کیا اور نہ ہی ان سے زیادہ کسی نے غداری کی۔

ظاہر ہے کہ ہر طرح کی پارٹی کے لیڈر کامیابی کے خواہاں ہوتے ہیں، اور یہ بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن ایسے حالات بھی ہوتے ہیں جب زیادہ اہم باتوں کےلئے فوری کامیابی کو قربان کرنے کی ہمت کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ خاص کر اس پارٹی کےلئے جیسی ہماری پارٹی ہے، جس کی کامیابی بالکل یقینی ہے اور جس نے ہماری زندگی میں ہی، ہماری آنکھوں کے سامنے اتنی زبردست ترقی کی ہے، فوری کامیابی کسی طرح بھی ہمیشہ اور قطعی ضروری نہیں ہے۔ مثال کے طور پر

انٹرنیشنل (٦٦) کو لےلیجئے ۔ کمیون کے بعد اس کی زبردست کامیابی ہوئی ۔ بورژوازی مفلوج ہوکر اس کو انتہائی طاقتور ماننے لگی تھی ۔ اس کے ممبروں کی کثیر تعداد کا یہی خیال تھا کہ یہ ساری باتیں تاابد قائم رہیں‌گی ۔ لیکن ہم اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ بلبلہ پھوٹےگا ۔ ہر طرح کے ناسعقول لوگ انٹرنیشنل سے وابستہ ہوگئے تھے ۔ انٹرنیشنل کے اندر فرقہ‌پرست دیدہ دلیر ہو گئے اور اس امید کے ساتھ انٹرنیشنل کا غلط استعمال کرنے لگے کہ ان کو ذلیل‌ترین اور انتہائی احمقانہ حرکتوں کی اجازت ہوگی ۔ ہم نے اس کی اجازت نہیں دی ۔ یہ اچھی طرح سے جانتے ہوئے کہ بلبلہ کبھی نہ کبھی ضرور پھوٹےگا، ہم نے اس کی فکر کی کہ اس آفت میں تاخیر نہ ہو اور انٹرنیشنل اس سے صاف اور بےداغ ہو ۔ بلبلہ ہیگ میں (٦٧) پھوٹ گیا اور آپ کو معلوم ہے کہ کانگرس کے ممبروں کی اکثریت نااسید ہوکر واپس گئی ۔ پھر بھی تقریباً ان سب نا اسید لوگوں کے جھگڑے جنھوں نے یہ تصور کیا تھا کہ انٹرنیشنل میں ان کو ہمہ‌گیر برادری اور مصالحت ملےگی، ان کے اپنے گھروں میں بمقابلہ ان جھگڑوں کے کہیں زیادہ تلخ تھے جو ہیگ میں ہوئے تھے ۔ اب فرقہ‌پرست جھگڑالو لوگ مصالحت کی تبلیغ کر رہے ہیں اور ہم پر حجتی اور ڈکٹیٹر ہونے کا الزام لگا رہے ہیں ۔ اور اگر ہم ہیگ میں مصالحت کے طریقے سے کام لیتے، اگر ہم نفاق کو پھوٹنے نہ دیتے اور اس کو دبا دیتے تو کیا نتیجہ ہوتا؟ فرقہ‌پرستوں، خصوصاً باکونین کے حامیوں کو اس کےلئے ایک اور سال مل جاتا کہ وہ انٹرنیشنل کے نام سے اور زیادہ حماقتیں کریں اور بدنام‌کن باتیں پھیلائیں ۔ تب سب سے زیادہ ترقی‌یافتہ ملکوں کے مزدور تنفر سے منہ پھیرلیتے ، بلبلہ پھوٹتا نہیں بلکہ کچوکوں سے رفتہ رفتہ بیٹھ جاتا اور آئندہ کانگرس، جہاں بحران پیدا ہونا ضروری تھا، یقیناً انتہائی ذلیل ذاتی جھگڑے کی صورت اختیار کر لیتی کیونکہ اصولوں کی قربانی تو ہیگ میں ہی دی جا چکی ہوتی ۔ تب انٹرنیشنل واقعی پاش پاش ہو جاتی — ’’اتحاد‘‘ کے ذریعے پاش پاش ہو جاتی ۔ اس کے بجائے ہم نے بڑی عزت کے ساتھ ان سڑے گلے عناصر سے چھٹکارا پا لیا ہے ۔ کمیون کے جو ممبر آخری اور فیصلہ‌کن اجلاس میں موجود

تھے ان کا کہنا ہے کہ کمیون کے کسی اجلاس نے ان کو اتنا زیادہ متاثر نہیں کیا جتنا اس ٹریبونل کے اجلاس نے جس نے یورپی پرولتاریہ کے غداروں کے بارے میں فیصلہ کیا تھا۔ دس مہینے تک ہم نے ان غداروں کو اپنی صلاحیتیں جھوٹ، بدنام کن باتوں اور سازشوں پر صرف کرنے دیں اورآج وہ کہاں ہیں؟ انٹرنیشنل کی زبردست اکثریت کے یہ نام‌نہاد نمائندے خود ہی اعلان کر رہے ہیں کہ وہ آئندہ کانگرس میں آنے کی جرائت نہیں رکھتے (اس کے متعلق ایک آرٹیکل میں* زیادہ تفصیلات دی گئی ہیں جو «Volksstaat» میں شائع کرنے کےلئے اس خط کے ساتھ بھیجا جا رہا ہے)۔ اور اگر ہمیں یہ دوبارہ کرنا پڑے تو مجموعی طور پر ہم اسی طرح کرینگے۔ اس میں شک نہیں کہ طریقۂکار کی غلطیاں ہمیشہ ممکن ہیں۔

بہرحال میرے خیال میں لاسال کے پیروؤں کے معقول عناصر وقت آنے پر خودبخود آپ کے ساتھ آجائیں‌گے، اس لئے پھل کو پکنے سے پہلے توڑنا دانش‌مندی کی بات نہ ہوگی جیسا کہ اتحاد کی خواہاں بھیڑ چاہتی ہے۔

مزید برآں، بڑے میاں ہیگل بہت زمانہ ہوا کہہ چکے ہیں کہ کوئی پارٹی اپنے کو توڑکر اور اس نفاق کو برداشت کرکے جاندار ہونے کا ثبوت دیتی ہے (۶۸)۔ پرولتاریہ کی تحریک لازمی طور پر ارتقا کی مختلف منازل سے گذرتی ہے، ہر منزل پر لوگوں کا کچھ حصہ پھنس جاتا ہے اور مزید پیش‌قدمی میں حصہ نہیں لیتا۔ صرف اسی سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ ہر جگہ ''پرولتاریہ کی یکجہتی،، واقعی مختلف پارٹی گروہوں کی صورت میں ہوتی ہے، جو ایک دوسرے سے زندگی موت کے جھگڑے کرتے ہیں۔ یہی صورت رومن سلطنت میں انتہائی جبروتشدد کی حالت میں عیسائی فرقوں کی تھی۔

اسی طرح آپ کو یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ اگر مثال کے طور پر «Neuer Social-Demokrat» کے خریدار بمقابلہ «Volksstaat» کے زیادہ ہیں تو اس کا یہ سبب ہے کہ ہر فرقہ لازمی طور پر کٹر

---

* فریڈرک اینگلس ''انٹرنیشنل میں،،۔ (ایڈیٹر)

ہے اور اس کٹرپن کی وجہ سے، خصوصاً ان علاقوں میں جہاں فرقہ نیا ہے (مثلاً کل جرمن مزدور انجمن شلیزویگ – ہولشٹن میں) وہ اس پارٹی کے مقابلے میں زیادہ فوری کامیابیاں حاصل کرتا ہے جو فرقہ‌وارانہ توھمات سے پاک محض حقیقی تحریک ھی کی نمائندگی کرتی ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ہے کہ کٹرپن دیرپا نہیں ہوتا۔

مجھے اپنا خط ختم کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ ڈاک بند ہونےوالی ہے۔ میں صرف جلدی سے یہ اضافہ کر رہا ہوں کہ مارکس اس وقت تک لاسال سے نہیں نبٹ سکتے (۶۹) جب تک فرانسیسی ترجمہ * نہ ختم ہو جائے جو تقریباً جولائی کے آخر تک ہوگا۔ اس کے بعد ان کو آرام کی قطعی ضرورت ہوگی کیونکہ انھوں نے بہت زیادہ کام کیا ہے...

پہلی بار مختصر طور پر F. Engels «Politischer Vermächtnis Aus unferöffentlichten Briefen» Berlin, نامی کتاب کی شکل میں ۱۹۲۰ء میں شایع ہوا اور روسی زبان میں پورا خط رسالہ ''بالشویک'' کے شمارے ۱ (۱۹۳۲ء) میں چھپا۔

مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

ھمبرگ میں مقیم ولھلم بلوس کے نام مارکس کا خط

لندن،
۱۰ نومبر ۱۸۷۷ء

...''نہ تو میں خفا'' ہوں (جیسا ھائنے کہتے ھیں) اور نہ اینگلس (۷۰)۔ ھم میں سے کوئی مقبولیت کی شمہ بھر پرواہ نہیں کرتا۔ مثلاً اس کی ایک مثال یہ ہے کہ شخصیت‌پرستی سے تنفر کیوجہ سے

* یہاں ذکر مارکس کی کتاب ''سرمایہ'' کی پہلی جلد کا ہے۔ (ایڈیٹر)

یہ میں نے کبھی گوارا نہیں کیا کہ مختلف ملکوں سے آئے ہوئے تعریف کے بہت سے پیغامات کو شایع کراؤں جن کی انٹرنیشنل کے وجود کے دوران مجھ پر بارش ہوئی اور میں نے تو ان کے کبھی جواب بھی نہیں دئے سوائے کبھی کبھی ڈانٹ پھٹکار کے۔ جب اینگلس اور میں خفیہ کمیونسٹ سوسائٹی* میں شامل ہوئے تو ہم نے یہ شرط رکھی کہ ہر ایسی چیز کو منشور (۱۷) سے نکال دیا جائے جو بااختیار لوگوں کے سامنے جھکنے کی ہمت‌افزائی کرتی ہو (بعد کو لاسال نے اس کی مخالف سمت اپنا اثر استعمال کیا)...

پہلی بار رسالہ «Der Wahre Jacob» کے شمارے ۵٦۵ (٦)، ۱۷ مارچ ۱۹۰۸ء میں شایع ہوا۔

مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

ویانا میں مقیم کارل کاؤتسکی کے نام اینگلس کا خط

لندن،
۱۲ ستمبر ۱۸۸۲ء

...آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ انگریز مزدوروں کی نوآبادیاتی پالیسی کے بارے میں کیا رائے ہے۔ دراصل بالکل وہی جو عام طور پر سیاست کے بارے میں ہے، وہی جیسے بورژوازی سوچتی ہے۔ دیکھئے نا یہاں کوئی مزدوروں کی پارٹی نہیں ہے۔ صرف کنزیرویٹیو اور لبرل ریڈیکل پارٹیاں ہیں اور مزدور بڑی خوشی کے ساتھ عالمی منڈی اور نوآبادیوں سے حاصل کئے ہوئے انگریز اجارے‌داری کے ترلقیے میں حصہ لیتے ہیں۔ میری رائے میں حقیقی نوآبادیاں یعنی وہ ملک جن پر یورپی آبادی نے قبضہ جما لیا ہے مثلاً کناڈا، کیپ اور آسٹریلیا آزاد ہو جائیں‌گے۔ دوسری طرف دیسی آبادی والے ملک ہیں جن کو محض ماتحت بنا لیا گیا ہے مثلاً ہندستان، الجزائر اور ہالینڈ، پرتگال اور اسپین کے مقبوضات۔ فاتح پرولتاریہ کو چاہئے کہ عارضی طور پر ان کو

* کمیونسٹ لیگ۔ (ایڈیٹر)

سنبھالے اور جتنی تیزی سے ممکن ہو سکے آزادی کی طرف لے جائے۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ عمل کس طرح ہوگا۔ ہندستان میں شاید، بلکہ یقیناً انقلاب ہوگا اور چونکہ پرولتاریہ اپنی نجات کے دوران کوئی نوآبادیاتی جنگ نہیں کر سکتی اس لئے اس کو اپنے راستے پر چلنے کی اجازت دینا چاہئے۔ اس کے علاوہ یہ واضح ہے کہ یہ سب ہر طرح کی تباہی و بربادی کے بغیر نہ ہوگا۔ لیکن یہ تو سب انقلابوں کا ضروری جز ہے۔ یہی اور کہیں بھی ہو سکتا ہے مثلاً الجزائر اور مصر میں۔ ہمارے لئے یہ یقینی طور پر بہترین بات ہوگی۔ ہمیں اپنے ملک میں بہت کچھ کرنے کو مل جائےگا۔ ایک بار اگر یورپ اور شمالی امریکہ پھر سے منظم ہو جائیں تو وہ ایسی زبردست طاقت اور مثال فراہم کریں‌گے کہ نیم‌ترقی‌یافتہ ملک خودبخود ان کی پیروی کریں‌گے۔ معاشی ضروریات ہی ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرینگی۔ لیکن یہ ممالک سوشلسٹ تنظیم تک پہنچنے سے پہلے کن سماجی اور سیاسی منزلوں سے گذریں‌گے اس کے بارے میں ہم نرے مفروضات ہی پیش کر سکتے ہیں۔ صرف ایک بات یقینی ہے: فاتح پرولتاریہ اپنی فتح کو نقصان پہنچائے بغیر کسی غیرملک پر کوئی رحمت نہیں نازل کر سکتا جن میں کسی طرح بھی نوع بنوع دفاعی جنگوں کا استثنا نہیں ہے...

پہلی بار پورا خط روسی زبان میں ''مارکس اور اینگلس کی دستاویزات،، جلد ۱ (٦)، ۱۹۳۲ء میں شایع ہوا۔

مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

برلن میں مقیم کونراد شمیدت کے نام اینگلس کا خط

لندن،
۵ اگست ۱۸۹۰ء

...میں نے پاؤل بارتھ کی کتاب پر (۷۲) منحوس موریتز ویرتھ کا ریویو ویانا کے «Deutsche Worte» (۷۳) میں پڑھا اور اس تنقید

نے کتاب کے بارے میں میرے ذہن پر ناخوشگوار اثر کیا۔ میں اس کتاب کو دیکھونگا لیکن میں یہ بتادوں کہ اگر ''چھوٹے موریتز،، نے بارتھ کا حوالہ صحیح دیا ہے، جو یہ کہتا ہے کہ وجود کے مادی حالات پر فلسفہ کے انحصار وغیرہ کی واحد مثال جو اس کو مارکس کی ساری تصانیف میں ملی وہ یہ ہے کہ ڈیکارٹ نے جانوروں کے مشین ہونے کا اعلان کیا ہے، تو مجھے اس شخص کی حالت پر افسوس آتا ہے جس نے یہ لکھا ہے۔ اور اگر اس شخص کو ابھی تک یہ پتہ نہیں ہے کہ وجود کے مادی حالات ہی primum agens (ابتدائی سبب) ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نظریاتی شعبے اپنی باری میں مادی حالات پر اثرانداز نہیں ہوتے حالانکہ ان کا اثر ثانوی ہوتا ہے، تو غالباً وہ اس موضوع کو ہی نہیں سمجھا ہے جس پر وہ لکھ رہا ہے۔ بہرحال جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں یہ سب اطلاعات بالواسطہ ہیں اور چھوٹا موریتز خطرناک دوست ہے۔ تاریخ کا ایسا مادی نظریہ رکھنےوالوں کی آجکل کثرت ہے جن کےلئے یہ نظریہ اس بات کا بہانہ بن گیا ہے کہ وہ تاریخ کا مطالعہ نہ کریں۔ اس‌لئے ۱۹ ویں صدی کی آٹھویں دہائی کے آخر کے فرانسیسی ''مارکس‌وادیوں،، پر طنززنی کرتے ہوئے مارکس بھی اسی طرح کہا کرتے تھے ''میں بس اتنا جانتا ہوں کہ میں مارکس‌وادی نہیں ہوں،،۔

آئندہ سماج میں پیداوار کی تقسیم کے بارے میں «Volks-Tribüne» (۷۴) میں ایک بحث بھی ہوئی ہے کہ آیا یہ کام کی مقدار کے مطابق ہوگی یا کسی اور طرح۔ انصاف کے بارے میں کچھ خیالی لفاظی کے برخلاف اس سوال کو بہت ہی ''مادی طور پر،، لیا گیا ہے۔ لیکن یہ کافی عجیب بات ہے کہ کسی کو یہ خیال تک نہیں آیا کہ آخرکار تقسیم کے طریقے کا انحصار لازمی طور سے اس پر ہوتا ہے کہ مال کی کتنی مقدار تقسیم کرنا ہے اور یہ بھی کہ مال کی یہ مقدار لازمی طور پر پیداوار کی ترقی اور سماجی تنظیم کے ساتھ بدلتی ہے اور اس لئے تقسیم کے طریقے کو بھی بدلنا چاہئے۔ تو مطلب یہ ہے کہ تقسیم کا طریقہ بھی بدلتا ہے۔ لیکن بحث میں ہر حصہ لینے والے کے لئے ''سوشلسٹ سماج،، کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو متواتر

بدل رہی ہو اور ترقی کر رہی ہو بلکہ ایک قائم بات ہے جو ہمیشہ کےلئے مقرر ہو چکی ہو اور جہاں اسی لئے تقسیم کے طریقے کو بھی ہمیشہ کےلئے قائم ہونا چاہئے ۔ بہرحال یہی کرنا معقول ہو سکتا ہے کہ (۱) تقسیم کے اس طریقے کو ڈھونڈا جائے جو ابتدا میں استعمال ہوگا اور (۲) مزید ترقی کے عام رجحان کو معلوم کرنے کی کوشش کی جائے ۔ لیکن پوری بحث میں اس کے بارے میں مجھے ایک لفظ بھی نہیں ملتا ۔

عام طور پر جرمنی میں نوجوان مصنفوں کےلئے ''مادی،، کا لفظ محض ایسی بات ہے جس کا ٹھپا ہر چیز پر بغیر مزید مطالعہ کے لگایا جا سکتا ہے یعنی یہ ٹھپہ لگاکر وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ سوال ختم ہو گیا ۔ لیکن ہمارا تاریخ کا نظریہ سب سے پہلے مطالعہ کا رہنما ہے نہ کہ ہیگل کے طرز پر کوئی عمارت کھڑی کرنے کا ذریعہ ۔ ساری تاریخ کا مطالعہ پھر سے کرنا چاہئے، مختلف سماجی نظاموں کے وجود کے حالات کا جائزہ الگ الگ لینا چاہئے قبل اس کے کہ ان سے ایسے سیاسی، قانونی، جمالیاتی، فلسفیانہ اور مذہبی خیالات وغیرہ اخذ کئے جائیں جو ان سے مطابقت رکھتے ہوں ۔ لیکن ابھی تک اس سلسلے میں بہت کم کام ہوا ہے کیونکہ چند ہی لوگ اس کو سنجیدگی سے کر رہے ہیں ۔ اس کام میں ہمیں بہت زیادہ مدد کی ضرورت ہے، یہ میدان بہت زیادہ وسیع ہے اور جو اس میں سنجیدگی سے کام کرے وہ بہت کچھ حاصل کرکے ممتاز بن سکتا ہے ۔ لیکن اس کے بجائے نئی نسل کے بہت سے جرمنوں نے تاریخی مادیت کو ایک فقرہ محض اس لئے بنا رکھا ہے (اور ہر چیز کو فقرے میں بدلا جا سکتا ہے) تاکہ وہ اپنی نسبتاً تھوڑی تاریخی معلومات کو (کیونکہ معاشی تاریخ کا ابھی بچپن ہی ہے) ایک سڈول سسٹم میں جلد از جلد تبدیل کردیں ۔ اس طرح وہ اپنے کو بہت ہی بلندپایہ سمجھنے لگتے ہیں ۔ اس کے بعد ممکن ہے کہ کوئی بارتھ آکر اسی چیز پر حملہ کر دے جو اس کے حلقے میں صرف ایک کھوکھلے فقرے تک گرا دی گئی ہے ۔

بہرحال، یہ سب خودبخود ٹھیک ہو جائیگا ۔ اب ہم جرمنی میں کافی مضبوط ہیں اور بہت کچھ برداشت کر سکتے ہیں ۔ سوشلسٹ

دشمن ھنگامی قانون (۵۷) نے ھماری ایک بہت بڑی خدمت یہ کی کہ ھمیں اس جرمن دانش‌ور کی دخل در اندازی سے چھٹکارا دلا دیا جس پر سوشلزم کا رنگ ھلکا چڑھ چلا تھا۔ اب ھم اتنے مضبوط ھوچکے ھیں کہ ھم اس جرمن دانش‌ور کو بھی برداشت کرلیں گے جو پھر حد سے زیادہ خودپسند ھوگیا ھے۔ آپ نے واقعی بہت کچھ کیا ھے اور آپ نے یہ بھی ضرور دیکھا ھوگا کہ پارٹی کے ساتھ اپنے کو وابستہ کرنےوالے نوجوان ادیبوں میں سے معدودے چند سیاسی معاشیات، سیاسی معاشیات کی تاریخ، تجارت، صنعت، زراعت اور سماجی نظاموں کی تاریخ پڑھنے کی زحمت گوارا کرتے ھیں۔ کتنے ھیں جو ماؤرر کے نام کے سوا اس کے بارے میں اور کچھ جانتے ھیں! یہاں کسی صحافی کی خود بینی سے ھی کام چلا لیا جاتا ھے اور نتائج بھی اسی طرح کے ھوتے ھیں۔ یہ حضرات خیال کرتے ھیں کہ مزدوروں کےلئے سب کچھ ٹھیک ھے۔ کاشکہ یہ حضرات صرف اتنا جانتے کہ مارکس کا یہ خیال تھا کہ ان کی بہترین تصانیف ابھی مزدوروں کےلئے کافی اچھی نہیں ھیں اور کس طرح وہ خیال کرتے تھے کہ بہترین چیز کے سوا مزدوروں کو کوئی اور چیز پیش کرنا جرم ھے!..

پہلی بار پورا خط رسالہ «Sozialistische Monatshefte» کے شمارے ۱۹ — ۱۸ (۱۹۲۰ء) میں شایع ھوا۔ مسورے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

بریسلاول* میں مقیم اوٹو فون بیونگک کے نام اینگلس کا خط

فولک‌اسٹون (ڈوور کے قریب)

۲۱ اگست ۱۸۹۰ء

...آپ کے سوالوں کا جواب میں مختصر اور عام طور سے ھی دے سکتا ھوں ورنہ پہلے ھی سوال کے جواب میں مجھے ایک پورا مقالہ لکھنا پڑ جائیگا۔

---

* آج کل اس شہر کا نام وروتسلاف ھے۔ (ایڈیٹر)

١ - میرے خیال میں وہ سماج جو ''سوشلسٹ سماج،، کہلاتا ھے ایسا نہیں ھے کہ وہ تبدیل نہ کیا جا سکے - تمام دوسرے سماجی ڈھانچوں کی طرح اس پر بھی متواتر بہاؤ اور تبدیلی کا اثرھوتاھے - موجودہ نظام سے اس کا خاص فرق قدرتی طور پر اس پیداوار میں ھے جو پوری قوم کے تمام ذرائع پیداوار کی مشترکہ ملکیت کی بنا پر سنظم کی جاتی ھے - اس تنظیم نو کو کل ھی شروع کر دینا (لیکن اس کو رفتہ رفتہ کرنا) میرے خیال میں بالکل قابل عمل ھے - یہ کہ ھمارے مزدور یہ کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ھیں اس کا ثبوت پیداوار کرنےوالے اور صارفین کے بہت سے کوآپریٹیو اداروں سے ملتا ھے جو، بشرطیکہ ان کو پولیس جان بوجھکر برباد نہ کرے، اپنے انتظام میں بورژوا اسٹاک کمپنیوں کے ٹکر کے ھوتے ھیں اور ان سے کہیں زیادہ ایمانداری سے چلائے جاتے ھیں - میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سیاسی پختگی کے اس شاندار ثبوت کے بعد جو مزدوروں نے ھنگامی قانون کے خلاف اپنی فاتحانہ جدوجہد کے ذریعے پیش کیا ھے آپ جرمنی میں عوام کی جہالت کے بارے میں کیسے کہہ سکتے ھیں - ھمارے نام‌نہاد تعلیم‌یافتہ لوگوں کے خودپسندانہ اور بےمغز وعظ مجھے بڑی رکاوٹ معلوم ھوتے ھیں - ھمارے پاس ابھی تک ماھرین ٹکنیک اور ماھرین زراعت، انجنیروں، کیمیادانوں اور ماھرین طرز تعمیر وغیرہ کی کمی ھے - یہ بات سچ ھے لیکن شدید ضرورت کے وقت ھم بھی ان کو اسی طرح خرید سکتے ھیں جیسے سرمایہ‌دار خریدتے ھیں - اور اگر ان کے درمیان چند غداروں کو لیکر (کیونکہ غدار تو ایسے لوگوں میں ضرور ھوں‌گے) دوسروں کےلئے مثال قائم کرنے کی غرض سے ایسی سزائیں دی جائیں جن کے وہ سزاوار ھیں تو وہ سمجھ جائیں‌گے کہ ھمارے یہاں مزید چوری نہ کرنا ان ھی کے حق میں ھے - لیکن ان ماھرین کے علاوہ جن میں اسکول ٹیچروں کو بھی میں شامل کئے لیتا ھوں، ھم دوسرے ''دانش‌وروں،، کے بغیر اپنا کام بہت اچھی طرح چلا سکتے ھیں - مثلاً صاحبان علم اور طالب‌علموں کا جو ریلا آجکل پارٹی میں آ رہا ھے وہ کافی مضرت‌رساں ھو سکتا ھے اگر ان حضرات کو قابو میں نہ رکھا جائے -

دریائے ایلبے کے مشرقی کنارے پر واقع یونکروں کی جاگیریں بڑی آسانی سے مناسب ٹکنیکی انتظام کے تحت کھیت مزدوروں اور دیہی عملے کے دوسرے لوگوں کو لگان پر دی جا سکتی ھیں جو ان جاگیروں کو مشترکہ طور پر چلائیں گے۔ اگر اس میں ہنگامے ھوں تو وہ یونکر ھی موردالزام ھوں گے جنھوں نے موجودہ اسکولی قانون کی خلاف‌ورزی کرکے لوگوں کو اس حد تک وحشی بنا دیا ھے۔

سب سے بڑی رکاوٹ چھوٹے کاشتکار اور وہ مبرم اور ضرورت سے زیادہ عقلمند دانش‌ور ھیں جو کسی بات کو جتنا ھی کم سمجھتے ھیں اتنا ھی زیادہ یہ دکھاتے ھیں کہ وہ اس کو بہتر سمجھتے ھیں۔

ایک بار عوام میں ھمارے پیروؤں کی تعداد کافی ھو جائے تو بڑی صنعتوں اور بڑے پیمانے کی جاگیردارانہ کاشتکاری کو تیزی کے ساتھ اشتراکی بنایا جا سکتا ھے بشرطیکہ ھمیں سیاسی اقتدار حاصل ھوجائے۔ باقی جلد یا بدیر ھوتا رھے گا اور پھر بڑے پیمانے کی پیداوار کو اپنے ھاتھ میں لیکر ھم صورت حال کے مالک ھونگے۔

آپ نے موزوں شعور کی غیرموجودگی کا ذکر کیا ھے۔ یہ تو ھے لیکن امیر طبقے اور بورژوازی میں سے آنے والے دانش‌وروں کو اس کا گمان بھی نہیں ھے کہ ان کو ابھی مزدوروں سے کتنا کچھ سیکھنا ھے۔

پہلی بار پورا خط روسی زبان میں رسالہ ''سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی تاریخ کے مسائل،، شمارے ۲ (۱۹۶۴ء) میں اور جرمن زبان کے رسالے «Beiträge Zur Geschichte der deutschen Arbeiter-bewegung» شمارے ۲ (۱۹۶۴ء) میں شایع ھوا۔

مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

کنگسبرگ میں مقیم جوزف بلوخ کے نام اینگلس کا خط

لندن،
۲۱ (— ۲۲) ستمبر ۱۸۹۰ء

...تاریخ کے مادی نظرئے کے مطابق تاریخ میں مختتم فیصلہ کرنےوالا عنصر حقیقی زندگی کی پیداوار اور دوبارہ پیداوار ہے۔ اس سے زیادہ نہ مارکس نے اور نہ میں نے کبھی کہا ہے۔ اس لئے اگر کوئی اس خیال کو توڑ مروڑ کر یوں بنا دے کہ معاشی عنصر ہی واحد فیصلہ کن عنصر ہے تو وہ اس بات کو محض ایک بےمعنی، مجرد اور فضول فقرہ بنا دیگا۔ معاشی صورتحال بنیاد ضرور ہے لیکن اوپری ڈھانچے کے مختلف عناصر — طبقاتی جدوجہد کی سیاسی شکلیں اور اس کے نتائج یعنی کامیاب لڑائی وغیرہ کے بعد فاتح طبقے کا قائم کیا ہوا ریاستی نظام وغیرہ، قانونی صورتیں، حتی کہ ان ساری حقیقی لڑائیوں کی عکسی جو شرکا کے دماغ میں تشکیل پائی، سیاسی، قانونی اور فلسفیانہ نظریات، مذہبی خیالات اور ان کا عقائد کے نظام میں مزید ارتقا — یہ ساری باتیں بھی تاریخی جدوجہد کی رو پر اثرانداز ہوتی ہیں اور بہت سی صورتوں میں اس کی شکل کو معین کرنے پر حاوی ہوتی ہیں۔ ان تمام عناصر کا اثر ایک دوسرے پر پڑتا رہتا ہے جس میں معاشی تحریک بےشمار حادثات کے درمیان (یعنی ایسی چیزوں اور واقعات کے درمیان جن کا اندرونی باہمی رابطہ اتنا دور افتادہ یا ثبوت فراہم کرنے کے لئے ایسا ناممکن ہے کہ ہم اس کے وجود کو نہیں کے برابر سمجھتے ہیں) مختتم اور لازمی طور پر حاوی ہوتی ہے۔ ورنہ تاریخ کے کسی دور پر تھیوری کا نفاذ کسی معمولی سوال کو حل کرنے سے بھی زیادہ آسان ہوتا۔

ہم خود اپنی تاریخ بناتے ہیں لیکن سب سے پہلے بہت واضح مفروضات اور حالات کے تحت۔ ان میں معاشی حالات مختتم طور پر فیصلہ کن ہوتے ہیں۔ لیکن سیاسی حالات وغیرہ، یہاں تک کہ ایسی روایات بھی جو انسانی ذہن میں جاگزیں ہوتی ہیں اپنا رول ادا کرتی

ہیں، اگرچہ وہ فیصلہ کن نہیں ہوتیں ۔ پروشیائی ریاست بھی تاریخی وجوہات سے اور آخر میں معاشی وجوہات سے وجود میں آئی اور ترقی‌پذیر ہوئی ۔ لیکن یہ دعوے کرنا محض لفاظی ہے کہ شمالی جرمنی کی بہت سی چھوٹی ریاستوں میں صرف برانڈن‌برگ کو معاشی‌ضرورت کی بنا پر ہی ایک عظیم طاقت ہونے کا موقع ملا کہ وہ شمال اور جنوب کے درمیان معاشی، لسانی اور (مذہبی دور اصلاح (Reformation) کے بعد) مذہبی اختلافات کا مجسمہ بنے اور معاشی ضرورت کے علاوہ اس میں دوسرے عناصر کا کوئی ھاتھ نہ تھا (سب سے پہلے اس واقعہ کا کہ برانڈن‌برگ پروشیا پر اپنی ملکیت کی وجہ سے پولینڈ کے ساتھ اور اس طرح بین‌اقوامی سیاسی تعلقات میں الجھ گیا جو آسٹریا کے شاہی خاندان کے اقتدار کے قیام میں فیصلہ کن ثابت ہوئے) ۔ اس طرح جرمنی کی ہر چھوٹی سابق یا موجودہ ریاست کے وجود کی وضاحت صرف معاشی وضاحت کے ڈھنگ سے کرنے کی کوشش اور جنوبی جرمن زبان میں حروف‌کی تبدیلیوں کے آغاز کو (جس کی وجہ سے سوڈیٹ سلسلۂ کوہ سےٹاؤنوس تک پھیلے پہاڑوں کی جغرافیائی تقسیم جرمنی کے آرپار پھیلی ہوئی ایک سیاسی دیوار کی صورت اختیار کر گئی ہے) معاشی وضاحت کے ذریعے سمجھانے کی کوشش مضحکہ‌خیز ہے ۔

دوسرے، بہرنوع تاریخ اس طرح بنتی ہے کہ آخر نتیجہ ہمیشہ بہت سے لوگوں کی انفرادی مرضیوں کے تصادم سے برآمد ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کی مرضی کی تشکیل زندگی کے بہت سے مخصوص حالات کی بنا پر ہوتی ہے ۔ اس لئے ایک دوسرے کو قطع کرنے والی لاتعداد طاقتیں اور طاقتوں کے خطوط متوازن کے لامتناہی سلسلے ایک نتیجے کے حاصل ہوتے ہیں جو تاریخی واقعہ ہوتا ہے ۔ اس نتیجے کو پھر ایسی واحد طاقت کی پیداوار کی حیثیت سے دیکھا جا سکتا ہے جو مجموعی لحاظ سے غیر شعور اور غیر ارادی طور پر کام کرتی ہے ۔ کیونکہ ایک فرد جو خواھش کرتا ہے اس کی ہر دوسرا فرد مخالفت کرتا ہے اور اس سے جو کچھ برآمد ہوتا ہے وہ کسی کی مرضی کا نتیجہ نہیں ہوتا ۔ اس طرح تاریخ ابھی تک قدرتی عمل کے مطابق چلتی رہی ہے اور لازمی طور پر حرکت کے انھیں قوانین

کی پیروی کرتی ہے۔ لیکن یہ واقعہ کہ افراد کی مرضیاں (جن میں ہر ایک وہی چاہتا ہے جو اس کا جسمانی ڈھانچہ اور خارجی یعنی بالآخر معاشی حالات ــ یا تو اس کے ذاتی حالات یا عام طور پر سماجی حالات کا تقاضہ ہے) وہ نہیں حاصل کر پاتیں جو وہ چاہتی ہیں بلکہ ایک اوسط میں، ایک مشترکہ نتیجہ میں مدغم ہو جاتی ہیں، پھر بھی اس سے یہ نتیجہ نہ اخذ کرنا چاہئے کہ یہ مرضیاں صفر کے برابر ہوتی ہیں بلکہ اس کے برعکس ان میں سے ہر ایک نتیجے کو کچھ نہ کچھ دیتی ہیں اور اس حدتک اس میں شامل ہوتی ہیں۔

مزید برآں میں آپ سے یہ درخواست کرونگا کہ آپ اس نظریے کا مطالعہ اس کے اصلی سرچشموں سے کریں نہ کہ بالواسطہ ــ دراصل یہ زیادہ آسان ہے۔ مارکس نے شاید ہی کوئی ایسی تصنیف کی ہو جس میں اس کا رول نہ ہو۔ خصوصاً ''لوئی بوناپارٹ کی اٹھارویں بروميئر،، اس کے استعمال کی بہترین مثال ہے۔ ''سرمائے،، میں بھی اس کی طرف بہت سے اشارے ہیں۔ اس کے علاوہ کیا میں آپ کی توجہ اپنی تصانیف ''سائنس میں ڈیورنگ کا انقلاب،، اور ''لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے کا خاتمہ،، کی طرف دلا سکتا ہوں جن میں میں نے تاریخی مادیت کو اتنی زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جو میرے علم میں کہیں اور موجود نہیں ہے۔

مارکس اور میں خود اس کے لئے قابل الزام ہیں کہ ہمارے نوجوان لوگ کبھی کبھی معاشی پہلو پر ضرورت سے زیادہ زور دیتے ہیں۔ ہمیں خاص اصول پر اپنے مخالفین کے مقابلے میں زور دینا تھا جو اس سے منکر تھے اور ہم کو ہمیشہ اتنا وقت، جگہ یا موقع نہیں ملا کہ ہم ایک دوسرے پر اثرانداز ہونے والے باقی عناصر کا مناسب جائزہ لے سکتے۔ لیکن جب تاریخ کے کسی دور کو پیش کرنے یعنی اصول کے عملی استعمال کا سوال ہوا تب دوسری بات ہو گئی جہاں کسی غلطی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ بہرحال بدقسمتی سے یہ اکثر ہوتا ہے کہ کسی نئے نظریے کے خاص اصولوں کو سمجھ لینے کے بعد (انہیں بھی ہمیشہ صحیح نہیں سمجھا جاتا) لوگ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ اب ہم پورے عالم ہوگئے اور اسی لمحے سے

بغیر زیادہ بکھیڑا مول لئے، اسے استعمال میں لا سکتے ھیں۔ میں اس الزام سے زیادہ‌تر حالیہ ''مارکس‌وادیوں،، کو بھی بری نہیں مان سکتا کیونکہ یہاں بھی کافی فضولیات کی تخلیق ھوئی ھے...

پہلی بار رسالے «Der Sozialistische Akademiker» کے شمارے ۱۹ (۱۸۹٥ء) میں شایع ھوا۔

رسالے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

برلن میں مقیم کونراد شمیدت کے نام اینگلس کا خط

لندن،
۲۷ اکتوبر ۱۸۹۰ء

محترم شمیدت!

پہلی فرصت کے لمحے آپ کو جواب لکھنے کے لئے استعمال کر رھا ھوں۔ میرے خیال میں «Züricher Post» (۷٦) کی پیش کش قبول کر لینا آپ کےلئے بہت اچھا رھیگا۔ آپ وھاں معاشیات کے بارے میں ھمیشہ بہت کچھ معلومات حاصل کر سکیں‌گے، خصوصاً اگر آپ اس کا خیال رکھیں کہ زوریچ بہرحال زر اور سٹے کا تیسرے درجے کا بازار ھے۔ اس لئے وھاں جو تاثرات ھوتے ھیں وہ دگنے یا تگنے عکس کی وجہ سے کمزور ھو جاتے ھیں یا پھر جان بوجھکر مسخ کر دئے جاتے ھیں۔ لیکن آپ کو پوری مشینری کی عملی معلومات حاصل ھونگی اور آپ لازمی طور پر لندن، نیویارک، پیرس، برلن اور ویانا کے اسٹاک ایکس‌چینج کی رپورٹوں کا مطالعہ کریں‌گے اور اس طرح عالمی بازار اپنے زر اور اسٹاک کے بازار کے روپ میں آپ کے سامنے آجائیگا۔ معاشی، سیاسی اور دوسرے عکس بالکل انسانی آنکھ کے عکس کی طرح ھیں۔ وہ ایک مرتکز لینس سے گذرتے ھیں اور اس لئے سر کے بل کھڑے دکھائی دیتے ھیں۔ صرف اس اعصابی آلے کی جو ان کو دوبارہ سیدھا کرکے ھمارے سامنے پیش کرتا ھے یہاں کمی ھے۔ زر بازار کا آدمی صنعت اور عالمی بازار کی تحریک

کو زر اور اسٹاک کے بازار کے الٹے عکس میں ھی دیکھتا ھے اور اس لئے نتیجه ھی اس کے لئے سبب بن جاتا ھے۔ میں نے اس کو مانچسٹر میں پانچویں دھائی میں ھی دیکھ لیا تھا۔ لندن اسٹاک ایکس‌چینج کی رپورٹیں صنعت کی ترقی کے رخ اور اس کے وقتی اتار چڑھاؤ کو سمجھنے کے لئے بالکل بیکار تھیں کیونکه وھاں کے حضرات ھر چیز کی وضاحت زر بازار کے بحرانوں سے ھی کرتے تھے جو درحقیقت محض پہلی علامتیں ھوا کرتے تھے۔ اس وقت اس بات کو ثابت کرنا تھا که عارضی طور پر ضرورت سے زیادہ پیداوار صنعتی بحرانوں کی جڑ نہیں ھے کیونکه اسمیں ایک اور مطلب بھی تھا جو توڑ مروڑ کے لئے اکساتا تھا۔ اب اس بات کا وجود نہیں رھا، کم‌ازکم ھمارے واسطے ھمیشه کے لئے نہیں رھا۔ پھر بھی یه واقعه ھے که زر بازار کے اپنے بحران ھو سکتے ھیں جن میں صنعت کی براہ راست گڑبڑ کوئی تحتی رول ادا کرتی ھیں یا ان کا کوئی رول نہیں ھوتا۔ یہاں ابھی بہت کچھ ثابت کرنا اور دیکھنا بھالنا ھے خصوصاً پچھلے بیس سال کی تاریخ میں۔

جہاں سماجی پیمانے پر محنت کی تقسیم ھوتی ھے وھاں الگ الگ محنت کے عوامل ایک دوسرے سے آزاد ھو جاتے ھیں۔ بالآخر پیداوار ھی فیصله کن عنصر ھوتی ھے۔ لیکن جیسے ھی مصنوعات کی تجارت خود پیداوار پر منحصر نہیں رھتی وہ اپنی تحریک سے چلنے لگتی ھے جو مجموعی طور پر پیداوار کے تحت ھوتی ھے لیکن خصوصی باتوں میں اور اس عام انحصار کے اندر رہ کر اپنے قوانین کی پیروی کرنے لگتی ھے جو اس نئے عنصر کی نوعیت میں ھی پنہاں ھوتے ھیں۔ اس تحریک کے اپنے الگ مراحل ھوتے ھیں جو خود اپنی باری میں پیداوار کی تحریک پر اثرانداز ھوتے ھیں۔ امریکه کی دریافت کی وجه وہ سونے کا لالچ تھا جو اس سے پہلے پرتگالیوں کو افریقه لے گیا تھا (دیکھئے زیتبیر کی کتاب ''قیمتی دھاتوں کی پیداوار'') کیونکه چودھویں اور پندرھویں صدی میں بہت زیادہ توسیع پاتی ھوئی یورپی صنعت اور اس سے مطابقت رکھنےوالی تجارت اس سے زیادہ تبادلے کے ذرائع کی مقتضی تھی جتنے جرمنی، جو ۱۴۵۰ء سے ۱۵۰۰ء تک بہت

بڑا چاندی مہیا کرنےوالا ملک تھا، فراہم نہیں کر سکتا تھا۔ ١٥٠٠ء اور ١٨٠٠ء کے دوران پرتگال، ہالینڈ اور برطانیہوالوں نے ہندستان میں جو فتوحات کیں انکا مقصد ہندستان سے اپنے یہاں سامان درآمد کرنا تھا۔ کسی نے وہاں کوئی چیز برآمد کرنیکا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر بھی ان دریافتوں اور فتوحات نے جو صرف تجارتی مفادات نے حاصل کی تھیں صنعت پر بہت زبردست اثر ڈالا۔ صرف ان ملکوں میں برآمد کرنے کی ضروریات نے ھی جدید اور بڑے پیمانے کی صنعت قائم کی اور اس کو فروغ دیا۔

یہی صورت زربازار کی بھی ھے۔ جیسے ھی زر کی تجارت اشیا کی تجارت سے الگ ہوتی ھے پیداوار اور اشیا کی تجارت کے عائد کئے ہوئے بعض حالات میں اور ان کی پابندیوں کے اندر اس کا اپنا ارتقا شروع ہو جاتا ھے، اس کی اپنی نوعیت کے معین کئے ہوئے مخصوص قوانین اور علحدہ سراحل قائم ہوتے ھیں۔ اگر اسمیں یہ اضافہ کیا جائے کہ زر کی تجارت زیادہ ترقی کر کے اپنے میں ہنڈیوں کی تجارت کو بھی شامل کر لیتی ھے اور یہ ہنڈیاں نہ صرف سرکاری دستاویزات ہوتی ھیں بلکہ صنعت اور ٹرانسپورٹ کے حصے (share) بھی ان میں شامل ہوتے ھیں اور اس طرح زر کی تجارت پیداوار کے ایک حصے پر براہ‌راست کنٹرول حاصل کر لیتی ھے جبکہ مجموعی طور پر پیداوار ھی تجارت پر حاوی رہتی ھے، تب پیداوار پر زر کی تجارت کا الٹا اثر زیادہ زوردار اور پیچیدہ ہو جاتا ھے۔ زر کی تجارت کرنےوالے ریلوےلائنوں، کانوں، لوھے کے کارخانوں وغیرہ کے مالک ہوتے ھیں۔ ان ذرائع پیداوار کے دو پہلو ہو جاتے ھیں: ان کو کبھی کبھی براہ راست پیداوار کے فائدے کےلئے کام کرنا پڑتا ھے اور کبھی کبھی حصےداروں کے فائدے کےلئے جہاں تک وہ بینکر (روپیہ فراہم کرنےوالے) ہوتے ھیں۔ اس کی نمایاں مثال شمالی امریکی ریلوے سے ملتی ھے جس کے چالو رہنے کا پورا انحصار جے گولڈ یا وانڈیربلٹ وغیرہ کے اسٹاک ایکسچینج کے معاملوں پر ھے جبکہ ریلوے اور ذرائع رسل و رسائل کی حیثیت سے ریلوے کے مفادات سے ان کا کوئی سروکار نہیں رہتا۔ یہاں انگلستان میں بھی ہم نے مختلف ریلوے

کمپنیوں کے درمیان اپنے اپنے علاقوں کی سرحدوں کے بارے میں دسیوں سال تک جھگڑے چلتے دیکھے ہیں، ایسے جھگڑے جن میں خوب پیسہ پھونکا گیا، پیداوار اور رسل و رسائل کے مفاد میں نہیں بلکہ محض رقابت کیوجہ سے، جس کا واحد مقصد عام طور پر حصہ رکھنےوالے زر کے تاجروں کی اسٹاک ایکسچینج کی لین دین میں آسانی پیدا کرنا تھا۔

پیداوار سے مالوں کی تجارت کے تعلق اور ان دونوں کے زر کی تجارت سے تعلق کے بارے میں اپنے نظرئے کی طرف چند اشاروں کے ذریعے میں نے عام طور سے تاریخی مادیت کے بارے میں آپ کے سوالوں کا بنیادی طور پر جواب دے دیا ہے۔ محنت کی تقسیم کے نقطۂ نظر سے اسکو سمجھنا زیادہ آسان ہے۔ سماج کچھ ایسی مشترکہ حرکتیں پیدا کرتا ہے جن کے بغیر اس کا کام نہیں چل سکتا۔ اس مقصد کے لئے جو اشخاص مقرر ہوتے ہیں وہ سماج کے اندر محنت کی تقسیم کی نئی شاخ قائم کر لیتے ہیں۔ اس سے ان کے مخصوص مفادات پیدا ہوتے ہیں جو ان لوگوں کے مفادات سے علحدہ ہوتے ہیں جنھوں نے ان کو اختیارات دئے ہیں۔ وہ مؤخرالذکر کے محتاج نہیں رہتے اور اس طرح ریاست وجود میں آتی ہے۔ اب تمام باتیں اسی طرح چلتی ہیں جیسی جنس کی تجارت میں اور بعد کو زر کی تجارت میں۔ نئی خودمختار طاقت جس کو خاص طور پر پیداوار کی تحریک کی پیروی کرنی پڑتی ہے، اپنی پنہاں نسبتی خودمختاری کی بنا پر (یعنی وہ نسبتی خودمختاری جو ایک بار اس کی طرف منتقل کی جاتی ہے اور اسکو مزید فروغ دیا جاتا ہے) پیداوار کے حالات اور اس کی روش پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ دو نابرابر طاقتوں کا ایک دوسرے پر عمل ہوتا ہے۔ ایک طرف معاشی تحریک ہوتی ہے اور دوسری طرف نئی سیاسی طاقت جو اسکانی خودمختاری حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے اور جو ایک بار قائم ہونے کے بعد خود اپنی تحریک حاصل کرلیتی ہے۔ مجموعی طور پر معاشی تحریک اپنے راستے پر گامزن ہوتی ہے لیکن اسکو اس سیاسی تحریک کے اثرات برداشت کرنے پڑتے ہیں جسے اس نے خود قائم کرکے نسبتی خودمختاری عطا کی ہے۔

معاشی تحریک کو ایک طرف ریاستی اقتدار کی تحریک اور دوسری طرف اس کے ساتھ ھی پیدا ھونےوالی مخالف پارٹی کے اثر کو برداشت کرنا پڑتا ھے۔ جس طرح صنعتی بازار کی تحریک خاص طور سے اور ان شرطوں کے ساتھ جنکے بارے میں بتایا جا چکا ھے، زر بازار میں ظاھر ھوتی ھے اور واقعی الٹی شکل میں، اسی طرح ان طبقوں کے درمیان جدوجہد بھی جن کا ابھی وجود ھے اور جو ایک دوسرے سے لڑتے رھتے ھیں، حکومت اور حزب‌مخالف کی جدوجہد میں ظاھر ھوتی ھے اور اسی طرح الٹی شکل میں، براہ‌راست نہیں بلکه بالواسطه، طبقاتی جدوجہد کی حیثیت سے نہیں بلکه سیاسی اصولوں کے لئے لڑائی کی حیثیت سے اور یه اتنی مسخ صورت میں ھے که ھمیں اس کو پہچاننے میں ھزاروں سال لگ گئے۔

معاشی ترقی پر ریاستی اقتدار کا ردعمل تین طرح کا ھو سکتا ھے۔ اگر وہ معاشی ترقی کی سمت چلتا ھے تو ترقی میں تیزی پیدا ھو جاتی ھے۔ وہ ترقی کی لائن کے خلاف بھی ھو سکتا ھے — اس صورت میں آج کے زمانے میں کسی بھی بڑی قوم میں یه ریاستی اقتدار کسی نه کسی وقت پاش پاش ھو جائےگا۔ یا پھر وہ معاشی ترقی کو معینه لائنوں پر چلنے سے روک کر اس کو دوسرے راستے پر لے جا سکتا ھے۔ یه صورت بالآخر ان پہلی دو صورتوں میں سے کسی پر ختم ھوتی ھے جنکا ذکر اوپر ھو چکا ھے لیکن یه صاف ھے که دوسری اور تیسری صورتوں میں سیاسی اقتدار معاشی ترقی کو بڑا نقصان پہنچا سکتا ھے اور قوت اور مواد کے بہت زیادہ فضول خرچ ھونے کا باعث بن سکتا ھے۔

اسکے علاوہ معاشی ذرائع پر قبضه کرکے ان کی وحشیانه بربادی کی اور بھی صورت ھے جس سے پہلے زمانے میں بعض حالات میں کسی پورے علاقے یا قوم کی معاشی ترقی کے نتائج کی بربادی پوری طور پر کی گئی۔ آجکل ایسی صورت کا اثر عام طور پر الٹا پڑتا ھے خصوصاً بڑی بڑی قوموں پر۔ اکثر مفتوح فاتح کے مقابلے میں معاشی، سیاسی اور اخلاقی طور پر زیادہ فائدے میں رھتا ھے۔

یہی صورت قانون کی ھے۔ جیسے ھی محنت کی نئی تقسیم، جو

پیشہ‌ور قانون‌داں پیدا کرتی ہے، ضروری ہو جاتی ہے، ایک نیا اور خودمختار شعبہ ظہور میں آجاتا ہے جو پیداوار اور تجارت پر اپنے تمام انحصار کے ساتھ ان شعبوں پر اثرانداز ہونے کی مخصوص صلاحیت رکھتا ہے۔ جدید ریاست میں قانون کو نہ صرف عام معاشی حالت کے مطابق اور اس کا اظہار ہونا چاہئے بلکہ اندرونی طور پر مربوط اظہار جو داخلی تضادات کیوجہ سے اپنے کو صفر نہیں بننے دیتا۔ اور اس کو حاصل کرنے میں معاشی حالات کی صحیح عکاسی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ اتنا ہی زیادہ ایسا ہوتا ہے جتنا شاذ و نادر قانونی ضابطہ کسی طبقے کے تسلط کا درشت، قطعی اور خالص اظہار ہوتا ہے کیونکہ یہ ''حق کے نظرئیے،، کے خلاف ہوگا۔ ۱۷۹۲ء — ۹۶ کی انقلابی بورژوازی کا حق کے بارے میں خالص اور معقول تصور اب ضابطۂ نپولین میں بہت پہلوؤں سے ملاوٹ کا نشانہ بن چکا ہے اور پرولتاریہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کیوجہ سے حقوق کا یہ نظریہ، جس حدتک وہ ضابطۂ نپولین میں موجود ہے، متواتر نرم تبدیلیوں کی طرف جھکے گا۔ اس کے باوجود ضابطۂ نپولین ایسی آئینی دستاویز ہے جو دنیا کے ہر حصے میں ہر نئے قانونی ضابطے کے لئے بنیاد کا کام دیتا ہے۔ اس طرح بڑی حدتک ''حق کی ترقی کا راستہ،، صرف اس پر مشتمل ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ان تضادوں کو دور کیا جائے جو معاشی تعلقات کو براہ‌راست قانونی اصولوں میں منتقل کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اور قانون کا ایک ہم آہنگ نظام قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ پھر مزید معاشی ترقی کے اثر اور زور سے اس‌نظام میں متواتر دراڑیں پڑتی ہیں اور وہ مزید تضادات میں مبتلا ہوجاتا ہے (میں اس وقت صرف شہری قانون کی بات کر رہا ہوں)۔

قانونی اصولوں کی حیثیت سے معاشی تعلقات کا عکس بھی لازمی طور پر الٹا ہوتا ہے۔ یہ عمل عکاسی سرگرم‌کار آدمی کے شعور کے بغیر جاری رہتا ہے۔ قانون‌داں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ پہلے سے طےشدہ دعووں کو لیکر چل رہا ہے جبکہ درحقیقت وہ صرف معاشی تعلقات کے عکس ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر چیز اوندھی ہوتی ہے۔ اور مجھے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ یہ اوندھاپن، جب تک

پہچانا نہیں جاتا، ایسی چیز کی تشکیل کرتا ہے جو نظریاتی نقطۂنگاہ کہلاتی ہے — وہ اپنی باری میں معاشی بنیاد پر اثر انداز ہوتا ہے اور کچھ حد تک اس کو تبدیل بھی کر دیتا ہے۔ وراثت کے حق کی بنیاد (یہ فرض کرتے ہوئے کہ خاندان کے ارتقا میں حاصل کی ہوئی منزلیں یکساں رہی ہیں) معاشی ہے۔ پھر بھی مثال کے لئے یہ ثابت کرنا مشکل ہوگا کہ انگلستان میں وصیت کرنےوالے کو قطعی آزادی اور فرانس میں اس پر ہر چھوٹی سی چھوٹی تفصیل میں سخت پابندی کے اسباب معاشی ہیں۔ لیکن دونوں ہی معاشی شعبے پر بڑی حدتک اثرانداز ہوتے ہیں کیونکہ وہ ملکیت کی تقسیم پر اثر ڈالتے ہیں۔

جہاں تک نظریات کے ایسے شعبوں کا سوال ہے جو اب بھی آسمانی خلاؤں میں پنہاں ہیں مثلاً مذہب اور فلسفہ وغیرہ تو ان کے پاس ماقبل تاریخ کا مواد ہے جس کو تاریخی دور نے دریافت کیا اور اپنایا اور جس کو ہمیں اب بکواس کہنا چاہئے۔ قدرت، انسان کی اپنی ہستی، روحوں اور جادو کے طاقتوں وغیرہ کے بارے میں مختلف جھوٹے مفروضات زیادہ‌تر صرف سنفی معنی میں معاشی بنیاد رکھتے ہیں۔ ماقبل تاریخی دور کی نیچی سطح کی معاشی ترقی قدرت کے غلط مفروضات سے اور بھی کم ہو گئی اور کچھ حدتک ان سے مشروط رہی اور حتی کہ ان سے پیدا بھی ہوئی۔ اور اس کے باوجود کہ قدرت کی معلومات حاصل کرنے میں ترقی کی خاص محرک طاقت معاشی ضرورت تھی اور اب اور زیادہ ہوگئی ہے پھر بھی ان ساری ابتدائی زمانے کی فضولیات کےلئے کوشش کرکے معاشی اسباب تلاش کرنا محض بقراطیت ہوگی۔ سائنس کی تاریخ ان فضولیات کو رفتہ رفتہ صاف کرنے یا ان کی جگہ پر تازہ لیکن کچھ کم حماقت‌آمیز باتیں لانے کی تاریخ ہے۔ جو لوگ ان باتوں کی طرف توجہ کرتے ہیں وہ محنت کی تقسیم میں مخصوص شعبوں کے ہوتے ہیں اور اپنے خیال میں وہ کسی آزاد شعبے میں کام کرتے ہیں۔ اور اس حدتک کہ وہ محنت کی سماجی تقسیم کے تحت اپنا آزاد گروپ بناتے ہیں، ان کی تخلیقات، جن میں ان کی غلطیاں بھی شامل ہیں، سماج کے پورے ارتقا پر اثرانداز ہوتی ہیں حتی کہ اس کی معاشی ترقی پر بھی۔ پھر بھی خود ان لوگوں پر معاشی

ارتقا کا اثر غالب رهتا هے۔ مثلاً فلسفے میں اس بات کو بہت آسانی سے بورژوا دور کےلئے سچ ثابت کیا جاسکتا هے۔ هوبس پہلا جدید مادیت‌پرست (۱۸ویں صدی کے لحاظ سے) تھا لیکن وہ ایسے دور میں رهتا تھا اور مطلق العنانی کا حامی تھا جب سارے یورپ میں مطلق العنان شاهی اپنے عروج پر تھی اور انگلستان میں عوام کے خلاف جدوجہد پر اترآئی تھی۔ لوک، مذهب اور سیاست دونوں میں، ۱٦۸۸ء کے طبقاتی سمجھوتے کا پیداوار تھا۔ مذهب فطرت کے انگریز پیرو اور ان کے زیادہ بااصول پیرو فرانسیسی مادیت‌پرست بورژوازی کے سچے فلسفی تھے۔ فرانسیسی تو بورژوا انقلاب کے بھی فلسفی تھے۔ جرمن فلسفے میں کانٹ سے لیکر هیگل تک جرمن تنگ‌نظری کا کبھی اثباتی اور کبھی سنفی طور سے اظہار هوتا هے۔ لیکن محنت کی تقسیم میں واضح شعبے کی حیثیت سے هر دور کا فلسفہ کچھ واضح فکری مواد کو اپناتا هے جو اس کو متقدمین سے ملا هے اور اسی سے وہ اپنا آغاز کرتا هے۔ اور یہی سبب هے کہ معاشی طور پر پسماندہ ملک اب بھی فلسفے میں اگوا کار کا رول ادا کر سکتے هیں جیسا کہ اٹھارهویں صدی میں فرانس نے بمقابلہ انگلستان کے کیا جس کے فلسفے پر فرانسیسیوں نے اپنی بنیاد رکھی اور پھر جرمنی نے ان دونوں کے مقابلے میں ایسا کیا۔ لیکن اس زمانے میں فرانس اور جرمنی میں فلسفے اور ادب کی عام خوشحالی بڑھتی هوئی معاشی ترقی کا نتیجہ تھی۔ میرے خیال سے ان شعبوں میں بھی معاشی ترقی کی مختتم برتری ثابت هو چکی هے لیکن یہ ان حدود کے اندر هی هوتی هے جو معینہ شعبہ خود عائد کرتا هے۔ مثلاً فلسفے میں ان معاشی اثرات کے عمل سے (جو عام طور پر سیاسی روپ وغیرہ میں اثرانداز هوتے هیں) جو متقدمین کے منتقل کئے هوئے موجود فلسفیانہ مواد پر هوتا هے۔ یہاں معیشت کوئی نئی چیز نہیں پیدا کرتی بلکہ اس طریقے کا تعین کرتی هے جس سے اس فکری مواد کو جو موجود هوتا هے تبدیل کرکے مزید فروغ دیا جاتا هے اور یہ بھی زیادہ تر بالواسطہ هوتا هے جب کہ سیاسی، قانونی اور اخلاقی انعکاس هی فلسفہ پر سب سے زیادہ براہ راست اثر ڈالتے هیں۔

میں مذہب کے بارے میں ضروری باتیں فائرباخ سے متعلق کتابچے کے آخری حصے میں* بتا چکا ہوں۔

اس لئے اگر بارتھ یہ سوچتا ہے کہ خود معاشی تحریک پر معاشی تحریک کے سیاسی وغیرہ عکسوں کے ہر جوابی اثر کو ہم نہیں مانتے تو وہ ہوا میں مکہ مار رہا ہے۔ اس کے لئے مارکس کی کتاب ''اٹھارویں برومیئر،، ** کو ہی دیکھنا کافی ہوگا جو تقریباً امتیازی طور پر اس خاص رول کا ذکر کرتی ہے جو سیاسی جدوجہد اور واقعات نے ادا کئے ہیں، یہ سچ ہے کہ اس کو معاشی حالات پر ان کے عام انحصار کے مطابق ہی کیا گیا ہے۔ یا ''سرمائے،، میں اس حصے کو دیکھنا چاہئے جو کام کے دن کے متعلق ہے، مثلاً وہاں جہاں قانون‌سازی جو یقیناً سیاسی اقدام ہے قطعی اثر رکھتی ہے۔ یا بورژوازی کی تاریخ کے حصے کو (۲۴ واں باب)۔ یا یہ دیکھئے کہ ہم پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کے لئے کیوں لڑتے ہیں اگر سیاسی طاقت معاشی لحاظ سے ناکارہ ہے؟ تشدد (یعنی ریاستی اقتدار) بھی تو معاشی طاقت ہی ہے!

ابھی میرے پاس کتاب پر تنقید کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ مجھے پہلے تیسری جلد (''سرمایہ،، کی) چھپوانا ہے اور اس کے علاوہ میں سوچتا ہوں کہ کوئی دوسرا شخص مثلاً برنشٹائن اس کو سر انجام دے سکتے ہیں۔

ان سب حضرات میں جدلیات کا فقدان ہے۔ وہ ہمیشہ کہیں صرف سبب کو اور کہیں صرف نتیجے کو دیکھتے ہیں۔ وہ یہ کبھی نہیں دیکھ پاتے کہ یہ ایک خالی خولی تجرید ہے، کہ ایسے شدید مابعد الطبیعیاتی تضادات حقیقی دنیا میں صرف بحرانوں کے دوران ہی پیدا ہوتے ہیں، کہ ترقی کا پورا عظیم عمل باہمی ردعمل کی شکل میں چلتا رہتا ہے، اگرچہ وہ بہت ہی نابرابر طاقتوں کا ردعمل ہوتا ہے کیونکہ ان میں معاشی تحریک کہیں زیادہ طاقتور، ابتدائی اور فیصلہ کن

---

* اس جلد کے صفحات ۴۴ — ۱۴ دیکھئے۔ (ایڈیٹر)

** ملاحظہ ہو اس سلسلے کا حصۂ اول، صفحات ۲۹۷ — ۱۵۰۔ (ایڈیٹر)

ہوتی ہے، کہ یہاں ہر چیز نسبتی ہے اور کوئی چیز مطلق نہیں ہے۔ جہاں تک ان لوگوں کا سوال ہے تو ان کے لئے جیسے ہیگل کا وجود ہی نہیں تھا...

پہلی بار رسالہ «Sozialistische Monatshefte» کے شمارے ۲۱ — ۲۰ میں ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔

مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

برلن میں مقیم فرانس میرنگ کے نام اینگلس کا خط

لنڈن،

۱۴ جولائی ۱۸۹۳ء

محترم میرنگ صاحب!

''داستان لیسنگ،، بھیجنے کے لئے مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنیکا پہلا موقع آج مل رہا ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ملنے کی محض رسمی رسید بھیج دوں بلکہ میں اس کے سواد کے بارے میں بھی کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس لئے تاخیر ہوئی۔

میں آخر سے شروع کرونگا یعنی ''تاریخی مادیت کے بارے میں،، (۷۷) ضمیمے سے جسمیں آپ نے خاص باتوں کو بہت عمدہ طریقے سے اور اس طرح پیش کیا ہے کہ ہر غیرمتعصب شخص انکا قائل ہوگا۔ اگر اسمیں کوئی قابل‌اعتراض بات ہے تو یہ کہ آپ نے اسمیں مجھے اس سے کہیں زیادہ اونچا کیا ہے، جس کے لائق میں ہوں، چاہے میں اس ہر چیز کا شمار بھی کرلوں جو ہوسکتا ہے کہ وقت کے ساتھ میں خود ڈھونڈھ لیتا لیکن جسے مارکس نے اپنی تیز نگاہی اور وسیع نقطۂنظر کی وجہ سے زیادہ جلدی دریافت کرلیا۔ جب کسی کو خوش‌قسمتی سے چالیس سال تک مارکس جیسے انسان کے ساتھ ملکر کام کرنے کا موقع ملتا ہے تو عام طور پر اس کی زندگی میں اس کے کام کا اعتراف حسب‌توقع نہیں ہوتا۔ اور جب عظیم ہستی کی موت

ہو جاتی ہے تو کم اہمیت‌والے آدمی کی قدرو قیمت آسانی کے ساتھ ضرورت سے زیادہ بڑھ جاتی ہے چاہے وہ اس قابل نہ ہو اور یہی صورت میرے ساتھ یہاں ہوئی۔ تاریخ ان سب باتوں کو آخرکار ٹھیک ٹھاک کردےگی اور اس وقت تک میں ان تمام باتوں سے بےخبر ابدی نیند سو رہا ہوں‌گا۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں صرف ایک ہی بات کی کمی ہے جس پر مارکس اور میں نے بھی اپنی تحریروں میں کافی زور نہیں دیا ہے اور اس کے بارے میں ہم سب برابر کے قصوروار ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ ہم سب نے سب سے پہلے سیاسی، قانونی اور دوسرے نظریاتی تصورات اور ان تصورات کے ذریعہ پیدا ہونےوالے اقدمات کی تشریح پر معاشی واقعات کے پیش نظر ہی خاص زور دیا ہے اور ہمیں ایسا کرنا بھی چاہئے تھا۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے ہم نے مواد کی خاطر ہیئت کے پہلو یعنی ان طریقوں اور ذریعوں کو نظرانداز کر دیا جن سے یہ تصورات وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہمارے مخالفین کو غلطفہمیوں اور توڑمروڑ کا اچھا موقع مل گیا جس کی نمایاں مثال پاؤل بارتھ ہے۔

آئڈیالوجی وہ عمل ہے جس کو کوئی مفکر شعور کے[۹] ساتھ پورا کرتا ہے۔ یہ سچ ہے، لیکن وہ اسکو غلط شعور کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ اصل محرک طاقتیں جو اس کو ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہیں اسکے لئے انجانی رہتی ہیں ورنہ یہ پھر کوئی نظریاتی (آئڈیالوجیکل) عمل نہیں رہتا۔ اس لئے یہ شخص کچھ غلط یا مفروضہ محرک تصور کر لیتا ہے۔ چونکہ یہ عمل‌خیال سے تعلق رکھتا ہے اس لئے وہ اس کی ہیئت اور مواد دونوں خالص خیال سے ہی حاصل کرتا ہے جو یا تو اس کے اپنے یا اس کے متقدمین کے ہوتے ہیں۔ وہ محض خیالی مواد سے کام لیتا ہے، جس کا جائزہ لئے بغیر وہ اس کو خیال کی تخلیق کی حیثیت سے تسلیم کر لیتا ہے اور خیال سے کوئی تعلق نہ رکھنےوالے کسی دوسرے سرچشمے کی تلاش میں دور نہیں جاتا۔ دراصل یہ طریقۂ کار اس کے لئے قدرتی اور آسان بات ہے، کیونکہ اس کے لئے سارا عمل خیال ہی کی پیداوار ہوتی ہے اسی لئے وہ محسوس کرتا ہے

که اس کی بنیاد مختتم طور سے خیال ھی پر ھے۔
اس طرح تاریخی نظریات‌داں (آئڈیالوجسٹ) (یہاں تاریخ کا تعلق ان سیاسی، قانونی، فلسفیانہ، دینی — غرض مختصر طور پر سماج کے تمام شعبوں سے ھے نہ کہ صرف قدرت کے شعبوں سے) سائنس کے ھر شعبے میں وہ مواد رکھتے ھیں جس نے پچھلی نسلوں کے خیالات سے خودبخود اپنی تشکیل کی ھے اور ان یکے بعد دیگرے آنیوالی نسلوں کے دماغ میں اپنے آزاد ارتقا کے راستے جاگزیں ھوا ھے۔ یہ سچ ھے کہ ایک یا دوسرے شعبے کے خارجی واقعات اس ارتقا پر ثانوی اسباب کی حیثیت سے اثر ڈال سکتے ھیں لیکن مسلمہ مفروضہ یہی ھے کہ یہ واقعات خود بھی محض خیال کے عمل کے پھل ھیں اور اس طرح ھم اب بھی خالص خیال کے دائرے میں ھی رھتے ھیں جس نے بظاھر مشکل سے مشکل واقعات کو اپنے میں سمولیا ھے۔
ریاستی آئینوں، قوانین کے نظاموں اور ھر منفرد شعبے میں نظریاتی تصورات کی آزاد تاریخ کا یہ دکھاوا ھی زیادہ‌تر لوگوں کو چکا چوندھ کر دیتا ھے۔ اگر لوتھر اور کالوین سرکاری کیتھولک مذھب کو ''مغلوب،، کرلیتے ھیں یا ھیگل — فیحطے اور کانٹ کو یا روسو اپنے ریپلکن ''سماجی سمجھوتے'' (۷۸) کے ذریعے بالواسطہ آئین کے حامی مونتیسکیو کو ''مغلوب،، کر لیتا ھے تو یہ ایک ایسا عمل ھے جو دینیات، فلسفہ یا سیاسی سائنس کے اندر ھی رھتا ھے، خیال کے ان مخصوص شعبوں کی ترقی میں ایک منزل کی نمائندگی کرتا ھے اور خیال کے حدود سے کبھی باھر نہیں جاتا۔ اور چونکہ اس میں سرمایہ‌دارانہ پیداوار کے ابدی اور قطعی ھونے کے بورژوا دھوکے کا اضافہ ھوا ھے اس لئے اس وقت سے ''فطری حکومت،، کے حامیوں (physiocrats) (۷۹) اور آدم اسمتھ کے ھاتھوں mercantilists کے ''مغلوب،، ھونے کو بھی محض خیال کی ھی فتح سمجھا جاتا ھے۔ اس کو تبدیل شدہ معاشی واقعات کا خیال میں عکس نہیں بلکہ ایسے واقعی حالات کا قطعی اور صحیح ادراک سمجھا جاتا ھے جو ھمیشہ اور ھر جگہ پائے جاتے ھیں۔ درحقیقت اگر رچارڈ شیر دل اور فلپ آگسٹ نے صلیبی جنگوں (۸۰) کے بدلے

آزاد تجارت قائم کی ہوتی تو ہم ۵۰۰ سال کی تکلیفوں اور بیوقوفیوں سے بچ جاتے۔

معاملے کے اس پہلو کو جس کی طرف میں نے صرف سطحی طور پر اشارہ کیا ہے میرے خیال میں ہم ضرورت سے زیادہ نظر انداز کرتے آئے ہیں۔ یہ پرانی بات ہے کہ پہلے پہل ہیئت کو مواد کے لئے نظرانداز کیا جاتا ہے۔ جیساکہ میں کہہ رہا ہوں، میں نے بھی یہی کیا ہے اور غلطی کا یہ احساس ہمیشہ میرے ذہن میں صرف بعد میں آتا ہے۔ اس لئے میں آپ کو کسی طرح ملامت نہیں کر رہا ہوں۔ آپ سے پہلے اس کا قصوروار ہونے کی وجہ سے مجھے یہ حق نہیں پہنچتا۔ نہیں، میں یہ نہیں کروں‌گا۔ پھر بھی مستقبل کے لئے میں آپ کی توجہ اس نکتے کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔

اس سے وابستہ نظریات‌دانوں کا یہ بیہودہ تصور بھی ہے: چونکہ ہم مختلف نظریاتی شعبوں کے آزاد تاریخی ارتقا سے منکر ہیں جو تاریخ میں اپنا رول ادا کرتے ہیں اس لئے ہم تاریخ پر ان کے اثر سے بھی منکر ہیں۔ اس کی بنیاد سبب اور نتیجے کے درمیان بعدالمشرقین ہونے کا فرسودہ غیرجدلیاتی نظریہ ہے اور ان کا باھمی ردعمل ایک سرے سے نظرانداز کیا جاتا ہے۔ یہ حضرات اکثر جان‌بوجھ کر اس کو بھلا دیتے ہیں کہ ایک بار کوئی سیاسی واقعہ کچھ دوسرے قسم کے اسباب کے ذریعہ، جو بالآخر معاشی اسباب ہی ہوتے ہیں، دنیا میں وجود میں آتا ہے، تو وہ اپنے ماحول پر حتیٰ‌کہ ان اسباب پر بھی جنکی وہ پیداوار ہے، اثرانداز ہوتا ہے یا اثرانداز ہو سکتا ہے۔ مثلاً بارتھ نے مذہبی پیشوائی اور مذہب کے بارے میں جو لکھا ہے (آپکا صفحہ ۴۷۵)۔ مجھے یہ دیکھ‌کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اس شخص کو اچھی طرح سمجھ لیا جوکہ حد سے زیادہ فرسودہ ہے۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ اس کو لائپزگ میں تاریخ کا پروفیسر بنا دیا گیا ہے! پہلے وہاں بوڑھا واکسمتھ تھا، ایسا ہی کوڑمغز، پھر بھی دوسری قسم کا آدمی جو واقعات کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔

جہاں تک باقی کا سوال ہے تو میں کتاب کے بارے میں وہی بات دھرا سکتا ہوں جو میں نے مضامین کے لئے کہی تھی جب وہ

«Neue Zeit» میں شایع ہوئے تھے۔ پروشیائی"ریاست کے آغاز کے بارے میں یہ موجودہ تحریروں میں بہترین ہے ۔ دراصل میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایسی واحد اور اچھی پیش‌کش ہے جو زیادہ‌تر معاسلات کے باھمی روابط کو انتہائی تفصیل کے ساتھ صحیح طور سے ابھارتی ہے ۔ صرف افسوس کی بات یہ ہے کہ آپ بسمارک تک پورے مزید ارتقا کو اسمیں شامل نہ کر سکے اور خودبخود یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آپ دوسری بار اس کو کرینگے اور الکٹور فریڈرک ولہلم سے لیکر بوڑھے ولہلم * تک کی ایک مکمل اور مربوط تصویر پیش کرینگے ۔ آپ اپنی ابتدائی تحقیقاتیں کر چکے ھیں جو کم‌ازکم خاص باتوں میں تقریباً تکمیل تک پہنچ چکی ھیں ۔ بہرحال اس کام کو اس خستہ حال پرانی جھونپڑی کے گرنے سے پہلے ھی کرنا ہے ۔ شاھانہ حب وطنی کی داستانوں کو ختم کرنا خواہ اس شاھی کے خاتمے کےلئے زیادہ اھم ابتدائی شرط نہ ھو جو طبقاتی تسلط کو چھپاتی ہے (کیونکہ جرمنی میں خالص بورژوا ریپبلک کے وجود میں آنے سے پہلے ھی واقعات اس سے آگے نکل گئے) لیکن پھر بھی یہ اس مقصد کے لئے ایک انتہائی کارگر ذریعہ بن سکتا ہے ۔

تب آپ کو پروشیا کی مقامی تاریخ کو اس بدحالی کے ایک حصے کی حیثیت سے، جس سے جرمنی گذرا ہے پیش کرنے کے لئے زیادہ آزادی اور غنیمت سوقع ملے گا۔ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جہاں میں کبھی کبھی آپ کے خیال سے کچھ الگ ھو جاتا ھوں، خصوصاً جرمنی کو ٹکڑے ٹکڑے ہونےکی ابتدائی شرطوں کے نظرئیے اور ۱۶ویں صدی کے دوران جرمنی میں بورژوا انقلاب کی ناکاسی کے بارے میں ۔ اگر ممکن ہوا تو جب میں اپنی کتاب ”کسانوں کی جنگ“ کے تاریخی مقدمے پر نظرثانی کرونگا جس کی مجھے آئندہ جاڑوں تک امید ہے، تو میں زیربحث نکات کی تفصیلات میں جاؤنگا، اس لئے نہیں کہ آپ نے جو نکات پیش کئے ھیں وہ غلط ھیں بلکہ میں کچھ اور نکتے ملا کر ان سب کو ذرا مختلف طریقے سے یکجا کرونگا۔

---

* ولہلم اول ۔ (ایڈیٹر)

جرمن تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت (اس کی لگاتار بدحالی کا) میں نے ہمیشہ یہ پایا ہے کہ صرف مطابقت رکھنے والے فرانسیسی ادوار سے ھی اس کا مقابلہ مناسبت کا صحیح تصور پیدا کرتا ہے کیونکہ جو کچھ وھاں ھوتا تھا اس کے براہ‌راست خلاف ھمارے ملک میں ھوتا ہے۔ وھاں جاگیردارانہ ریاست کے منتشر ٹکڑوں سے ٹھیک اس وقت قومی ریاست کی تشکیل کی گئی جب ھم انتہائی زوال کے دور سے گذر رہے تھے۔ وھاں پورے عمل کے دوران نایاب معروضی منطق سے کام لیا گیا اور ھمارے یہاں زیادہ سے زیادہ شدید انتشار پھیلا۔ وھاں، قرون‌وسطی کے دوران، غیرملکی مداخلت کی نمائندگی برطانوی فاتح کرتا ہے جو شمالی فرانس کی قومیت کے خلاف اور پرووینسی قومیت کے حق میں تھی۔ انگلستان کے خلاف لڑائیوں نے ایک طرح سے تیس سالہ جنگ (۸۱) کی صورت اختیار کی جس کا خاتمہ بہرنوع غیرملکی حملہ‌آوروں کے اخراج اور شمال کے ھاتھوں جنوب کی غلامی ھوا۔ پھر مرکزی اقتدار اور ماتحت برگنڈی ڈیوک* کے درمیان جدوجہد چلی۔ ڈیوک کو اپنے غیرملکی مقبوضات کی حمایت حاصل تھی جس کا رول برانڈن‌برگ — پروشیا کے رول کے مطابق ہے۔ لیکن یہ جدوجہد مرکزی اقتدار کی فتح پر ختم ھوئی اور بالآخر قومی ریاست قائم ھو گئی۔ ٹھیک اسی وقت ھمارے ملک میں قومی ریاست بالکل ختم ھو گئی (جہاں تک کہ مقدس سلطنت روما (۸۲) کے اندر ”جرمن سلطنت“ کو قومی ریاست کہا جا سکتا ہے) اور جرمن علاقے میں بڑے پیمانے پر لوٹ مار شروع ھو گئی۔ یہ موازنہ جرمنوں کے لئے بہت ھی توھین‌آمیز ہے اور اسی سبب سے یہ زیادہ سبق دینےوالا بھی ہے۔ چونکہ ھمارے مزدوروں نے پھر جرمنی کو تاریخی تحریک کی صف اول میں لاکر کھڑا کر دیا ہے اس لئے ھمارے واسطے ماضی کی اس توھین کو حلق سے اتارنا آسان ھوگیا ہے۔

جرمنی میں ارتقا کی ایک اور اھم خصوصیت یہ ہے کہ منقسم ریاستوں میں سے کوئی بھی، جنھوں نے آخر میں جرمنی کو اپنے درمیان تقسیم کر لیا تھا، خالص جرمن ریاست نہ تھی۔ دونوں مفتوحہ سلاف

* کارل بہادر۔ (ایڈیٹر)

علاقوں میں آسٹریا — باویریا کی اور برانڈن‌برگ — سیکسون کی نوآبادیاں تھیں اور انھوں نے خود جرمنی کے اندر اقتدار صرف اپنے غیرسلکی، غیرجرمن مقبوضات کی حمایت کے بھروسے پر حاصل کیا۔ آسٹریا نے ہنگری کی حمایت سے (اگر بوہیمیا کا ذکر نہ کیا جائے) اور برانڈن‌برگ نے پروشیا کی حمایت سے۔ مغربی سرحد پر جو سب سے زیادہ خطرے میں تھی ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ شمالی سرحد پر ڈنمارک‌والوں سے جرمنی کی حفاظت خود ڈنمارک‌والوں پر چھوڑ دی گئی اور جنوب میں تو حفاظت کی اتنی کم ضرورت تھی کہ یہاں کے سرحدی پہرے‌دار یعنی سوئستانی اپنے کو جرمنی سے الگ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

لیکن میں طرح طرح کے خارجی معاملات میں بہہ گیا۔ پھر بھی یہ بکواس آپ کے لئے کم از کم یہ ثبوت تو فراہم کریگی کہ آپ کی تصنیف میرے لئے کتنی ولولہ‌انگیز ثابت ہوئی ہے۔

ایک بار پھر دلی شکریہ اور سلام۔

آپ کا ف۔ اینگلس

پہلی بار مختصر طور سے میرنگ کی کتاب «Geschichte des Deutschen Sozialdemokratie» Bd. III, Th. II, Stuttgart, 1898 میں اور روسی زبان میں پورے مسودے کے مطابق مارکس اور اینگلس کی تصنیفات میں شایع ہوا۔

مسودے کے مطابق ترجمہ کیا گیا۔

بریسلاول* میں مقیم بورگئیس کے نام اینگلس کا خط (۸۳)

لندن،

۲۵ جنوری ۱۸۹۴ء

عزیز من!

یہ رہا آپ کے سوالوں کا جواب:

۱۔ معاشی تعلقات کو، جنہیں ہم سماج کی تاریخ کی قطعی بنیاد

* آج کل اس شہر کا نام وروتسلاف ہے۔ (ایڈیٹر)

خیال کرتے ہیں، ہم وہ طور طریقہ سمجھتے ہیں جس سے کسی معین سماج میں لوگ اپنے گذر بسر کے ذرائع پیدا کرتے ہیں اور آپس میں پیداوار کا تبادلہ (جہاں تک کہ محنت کی تقسیم ہوتی ہے) کرتے ہیں۔ اس طرح اس میں پیداوار اور ٹرانسپورٹ کی پوری ٹکنیک آجاتی ہے۔ ہمارے نظرئیے کے مطابق یہ ٹکنیک تبادلے کے طور طریقے کا بھی تعین کرتی ہے اور آگے چل کر پیداوار کی تقسیم کا بھی اور اس کے ساتھ ہی، قبائلی سماج ختم ہونے کے بعد، طبقات کی تقسیم کا اور اسی لئے ملکیت اور غلامی کے تعلقات کا اور ان کے ساتھ ریاست، سیاست اور قانون وغیرہ کا تعین کرتی ہے۔ علاوہ‌بریں معاشی تعلقات میں وہ جغرافیائی بنیاد شامل ہے جس پر یہ تعلقات کارفرما ہوتے ہیں اور معاشی ارتقا کی ابتدائی منازل کی وہ باقیات جو درحقیقت منتقل ہوکر آج تک آئی ہیں اور زیادہ‌تر روایت یا جمود کی وجہ سے زندہ رہ گئی ہیں۔ ان معاشی تعلقات میں خارجی ماحول بھی شامل ہے جو اس طرح کے سماج پر محیط ہے۔

آپ کے خیال کے مطابق، اگر ٹکنیک کا بڑی حد تک انحصار سائنس کی حالت پر ہے تو سائنس کا اس سے کہیں زیادہ انحصار ٹکنیک کی حالت اور ضروریات پر ہے۔ اگر سماج کو کوئی ٹکنیکی ضرورت ہوتی ہے تو وہ سائنس کو دس یونیورسٹیوں سے زیادہ آگے بڑھانے میں مدد دیتی ہے۔ سکون سیالات (hydrostatics) کی پوری سائنس (توری‌چیلی وغیرہ) سولھویں اور سترھویں صدی میں اٹلی کی پہاڑی ندیوں کو قابو میں لانے کی ضرورت سے ہی پیدا ہوئی۔ برقی قوت کے ٹکنیکی استعمال کے بارے میں دریافت کے بعد ہی ہم نے اس کے متعلق ساری معقول باتیں معلوم کی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے جرمنی میں سائنسوں کی تاریخ کے بارے میں اس طرح لکھنے کا رواج ہو گیا جیسے وہ آسمان سے نازل ہوئی ہیں۔

۲۔ ہم معاشی حالات کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ بالآخر تاریخی ارتقا پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ لیکن نسل خود ایک معاشی عنصر ہے۔ بہرنوع یہاں دو نکتوں کو نظرانداز نہ کرنا چاہئے:

(الف) سیاسی، قانونی، فلسفیانہ، مذہبی، ادبی اور فنی ترقی وغیرہ معاشی ترقی پر مبنی ہے۔ لیکن یہ سب ایک دوسرے پر اور ساتھ ہی معاشی بنیاد پر بھی اثرانداز ہوتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ معاشی صورت‌حال ہی واحد سبب ہو اور صرف وہی سرگرم عمل ہو جبکہ اور تمام چیزیں بےاثر ہوں۔ بلکہ یہاں معاشی ضرورت کی بنیاد پر جو بالآخر اپنے کو مؤثر بنا لیتی ہے ان چیزوں کا باہمی ردعمل ہوتا ہے۔ مثلاً ریاست حفاظتی محصولوں، آزاد تجارت، اچھے یا برے مالیاتی نظام کے ذریعے اپنا اثر جماتی ہے۔ حتی کہ جرمن تنگ‌نظروں کی اس سخت بےحسی اور بےبسی نے بھی، جو ۱۶۴۸ء سے لیکر ۱۸۳۰ء تک جرمنی کی معاشی خراب حالی کی پیداوار تھیں اور جنھوں نے پہلے اپنا اظہار تقوی اور پارسائی (۸۴) کی صورت میں کیا اور پھر جذباتیت اور راجوں اور نوابوں کی غلامانہ خوشامد میں، معیشت پر اپنا اثر ڈالا۔ یہ بحالی کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ تھی اور اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلی جب تک کہ انقلابی لڑائیوں اور نپولین کی جنگوں نے اس ناسوری غربت کو انتہائی شدید نہیں بنا دیا۔ چنانچہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ سادہ لوح لوگ تصور کرلیتے ہیں کہ معاشی صورت حال سے کوئی اثر خود بخود برآمد ہوتا ہے۔ نہیں، لوگ اپنی تاریخ خود بناتے ہیں۔ لیکن وہ ایسا کرتے ہیں کسی معینہ ماحول میں، جو ان پر اثرانداز ہوتا ہے اور ان حقیقی تعلقات کی بنیاد پر جو موجود ہوتے ہیں۔ ان حقیقی تعلقات میں معاشی تعلقات (ان پر دوسرے یعنی سیاسی اور نظریاتی تعلقات چاہے جتنا اثرانداز کیوں نہ ہوں) بالآخر فیصلہ کن ہوتے ہیں اور ارتقا میں یہ شہ‌رگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح صرف یہی ارتقا کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

(ب) لوگ اپنی تاریخ خود بناتے ہیں لیکن ابھی تک اجتماعی مرضی اور اجتماعی منصوبے کے مطابق اس کو نہیں کرتے، حتی کہ کسی واضح اور خاص طور پر محدود معینہ سماج میں بھی ایسا نہیں کرتے۔ ان کی خواہشوں میں ٹکراؤ ہوتا ہے اور اسی سبب سے ایسے سارے سماج ضرورت کی بنا پر چلتے ہیں جس کا تکملہ اور ظاہری شکل اتفاق ہوتا ہے۔ یہ ضرورت جو سارے اتفاقات کے بیچ سے اپنا راستہ بناتی

ہے، آخرکار معاشی ضرورت ہی ہوتی ہے ۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں پر عظیم شخصیات کا تذکرہ ضروری ہو جاتا ہے ۔ یہ بات کہ فلاں یا فلاں شخصیت کسی خاص وقت یا خاص ملک میں ابھرتی ہے محض اتفاق کی بات ہے ۔ لیکن اگر اس شخصیت کو الگ کر دیا جائیے تو اس کے مبادل کی مانگ ہوگی اور یہ مبادل، خواہ اچھا ہو یا برا، بہرحال وقت کے ساتھ ڈھونڈھ نکالا جائیگا ۔ فرانسیسی ریپبلک کو جو اپنی لڑائیوں سے خستہ حال ہوچکی تھی ایسے فوجی ڈکٹیٹر کی ضرورت تھی جیسا کہ اتفاق سے کورسیکا کا باشندہ نپولین تھا ۔ لیکن اگر نپولین نہ ہوتا تو اس کی جگہ کوئی اور لیتا ۔ اس بات سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ جس آدمی کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہمیشہ مل جاتا ہے ۔ مثلاً سیزر، آگسٹس اور کروموییل وغیرہ ۔ مارکس نے تاریخ کے مادی نظرئے کی دریافت کی جبکہ تئیری، میئنے اور گیزو اور ۱۸۵۰ء تک سارے انگریز مؤرخ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ اس کی تلاش شروع ہوچکی تھی اور سارگن نے اسی نظرئے کی دریافت کرکے یہ ثابت کردیا کہ اس کے لئے وقت آچکا ہے اور اب اس کو دریافت ہونا ہی ہے ۔

یہی صورت تاریخ کے دوسرے اتفاقات اور ظاہری اتفاقات کی ہے ۔ وہ معینہ شعبہ جس کی تحقیقات ہم کرتے ہیں معاشی شعبے سے جتنا زیادہ دور اور مجرد نظریاتی خیالات سے قریب ہو جاتا ہے، اتنا ہی زیادہ اس کے ارتقا میں ہم اتفاقات پیش آتے ہوئے پائیں گے، اتنا ہی زیادہ اس کے خط میں اتار چڑھاؤ ملیگا ۔ لیکن اگر آپ اس خط کا اوسطی محور مقرر کریں تو آپ دیکھیں گے کہ زیرغور جتنی ہی طویل مدت اور جتنا ہی وسیع میدان ہوگا اتنا ہی زیادہ یہ محور معاشی ترقی کے محور کے متوازی ہوتا جائیگا ۔

جرمنی میں صحیح ادراک کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ صاحبان ادب معاشی تاریخ کو غیرذمہ دارانہ طور پر نظرانداز کر رہے ہیں ۔ تاریخ کے جو خیالات اسکول میں آدمی کے دماغ میں بٹھائے جاتے ہیں ان سے نہ صرف چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہے بلکہ ایسا کرنے کے لئے اور زیادہ ضروری مواد اپنانا اس سے بھی مشکل ہے ۔

مثلاً شاید ھی کوئی ایسا ھو جس نے کم از کم بوڑھے فان گولیخ کو پڑھا ھو جن کا جمع کیا ھوا خشک سواد (۸۵) بھرحال بےشمار سیاسی واقعات کی وضاحت کےلئے بہت کچھ رکھتا ھے۔

باقی باتوں کےلئے، میرے خیال میں مارکس نے ''اٹھارھویں برومیئر،،* میں جو عمدہ مثال پیش کی ھے آپ کے سوالوں کےلئے کافی معلومات کا باعث ھوگی کیونکه یه عملی مثال ھے۔ میں نے بھی اپنے خیال میں زیادہ‌تر نکات پر ''اینٹی ڈیورنگ،، (پہلا حصه، ۹ — ۱۱ باب، دوسرا حصه، ۲ — ۴ باب، تیسرا حصه، پہلا باب اور مقدمے میں) میں اور ''فائرباخ،،** کے آخری حصے میں روشنی ڈالی ھے۔

مہربانی کرکے مندرجۂبالا تحریر کے ھر لفظ پر بہت باریکی سے دھیان نه دیجئے بلکه عام نقطۂنظر کو دھیان میں رکھئے۔ مجھے افسوس ھے که آپ کو جو کچھ میں لکھ رھا ھوں اس کو زیادہ تفصیل سے لکھنے کےلئے وقت نہیں ھے جیسا که اشاعت کےلئے کرنا پڑتا ھے...

پہلی بار رساله «Der Sozialistische Akademiker» کے شمارے ۲۰ (۱۸۹۵ء) میں شایع‌شده۔

رسالے کے مسودے کے مطابق ترجمه کیا گیا۔

---

* اس سلسلے کے حصۂ اول میں صفحات ۲۷۵ — ۱۵۰ دیکھئے۔ (ایڈیٹر)

** اس جلد کے صفحات ۷ — ٦۴ دیکھئے۔ (ایڈیٹر)

تشریحی نوٹ

۱ - فریڈرک اینگلس کی تصنیف ''لوڈویگ فائرباخ اور کلاسیکی جرمن فلسفے کا خاتمہ'' میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مارکسی تصور کائنات کا ارتقا کیسے ہوا اور اس کا بنیادی اصول کیا ہے۔ اس میں باقاعدگی سے جدلیاتی اور تاریخی مادیت کی بنیادی باتیں پیش کی گئی ہیں اور اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ مارکس‌ازم کا اپنے متقدمین فلسفیوں (جن کے نمائندے جرمن کلاسیکی فلسفے کی ممتاز ہستیاں ہیگل اور فائرباخ تھے) کی طرف کیا رویہ تھا۔

اینگلس نے فلسفے کی پوری تاریخ کے دوران اس کی بنیادی خصوصیت یعنی دو کیمپوں — مادیت اور عینیت کے درمیان جدوجہد کی وضاحت کی ہے۔ اینگلس نے یہاں پہلی بار فلسفے کے بنیادی سوال کی کلاسیکی تعریف پیش کی ہے یعنی فکر اور وجود کے تعلق، روح اور قدرت کے تعلق کی۔ فلسفے کے بنیادی سوال کی طرف کسی فلسفی کا رویہ اس بات کا تعین کرتا ہے کہ وہ فلسفے کے ان دونوں کیمپوں میں کس کا پیرو ہے۔

اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ مادیت اور عینیت کو شیروشکر کرکے کسی درمیانی فلسفے (ثنویت یا لاادریت) کی

تخلیق کی کوشش بےسود ہے، اینگلس نے لاادریت کے تمام مظاہر کی تردید کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ ’’اس کی اور تمام دوسرے فلسفیانہ خبطوں کی انتہائی مؤثر تردید عمل سے یعنی تجربے اور صنعت سے ہوتی ہے،، (صفحہ ۲۴) ۔

اینگلس نے اس انقلاب کے نچوڑ کا انکشاف کیا ہے جو مارکس نے فلسفے میں جدلیاتی مادیت کی تشکیل کے ذریعہ کیا ہے ۔ انھوں نے انتہائی تفصیل کے ساتھ تاریخی مادیت کے نچوڑ کا جائزہ لیا ہے جس سے ارتقا کے ان عام قوانین کا انکشاف ہوتا ہے جو انسانی سماج کی تاریخ میں کارفرما ہیں ۔ اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہ تاریخی عمل کی بنیاد معاشی تعلقات ہیں جو سیاسی نظام کے کردار اور ہر قسم اور نوع کے سماجی شعور کا، جس میں مذہب اور فلسفہ بھی شامل ہیں، تعین کرتے ہیں اینگلس نے اس کے ساتھ ہی نظریاتی بالائی ڈھانچوں کے عملی رول، خودمختارانہ طور پر ان کی ترقی کی صلاحیت اور معاشی بنیاد پر ان کے جوابی اثر پر بھی زور دیا ہے ۔

اینگلس کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انھوں نے فلسفیانہ رجحانوں کے درمیان جدوجہد کی ساری تاریخ کے پس‌منظر میں جس سے طبقوں اور پارٹیوں کی جدوجہد کی عکسی ہوتی ہے اس اصول کو ثابت کیا کہ ہر فلسفہ کسی خاص سماجی طبقے اور اس کی پارٹی کے مفادات کا مدافعت کرتا ہے ۔ اینگلس کی یہ تصنیف، فلسفے میں پرولتاری پارٹی کی وفاداری اور پرولتاری بااصولی کا نمونہ ہے ۔ صفحہ ۷

۲ - «Die Neue Zeit» (’’نیا زمانہ،،) — جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا نظریاتی رسالہ جو اشٹوٹگارٹ سے ۱۸۸۳ء سے ۱۹۲۳ء تک نکلتا رہا ۔ ۱۸۹۴ء — ۱۸۸۵ء میں اینگلس کی بعض تصانیف اس میں شایع ہوئیں ۔ صفحہ ۸

۳ - ۳۴ — ۱۸۳۳ء میں ہنریخ ہائنے نے اپنی تصانیف ’’رومانی اسکول،، اور ’’جرمنی میں مذہب اور فلسفے کی تاریخ،، شائع کیں

جن میں انھوں نے یہ خیال پیش کیا کہ جرمن فلسفیانہ انقلاب جس کی منزل عروج ہیگل کا فلسفہ تھا جرمنی میں ہونےوالے جمہوری انقلاب کا پیش‌رو تھا۔ صفحہ ۱۱

۴ - دیکھئے ہیگل کی تصنیف ''فلسفۂ حقوق - پیش لفظ،،- صفحہ ۱۱

۵ - پیئٹازم کے حامی (لاطینی لفظ pietas سے، جس کا مطلب دیندار (pious) ہے) — ۱۷ ویں صدی کے آخر اور ۱۸ ویں صدی کے پہلے نصف میں مغربی یورپ (پہلے جرمنی اور نیڈرلینڈ) کے پروٹسٹنٹوں کی مذہبی — صوفی تحریک کے ممبر - پیئٹازم کوئی خاص فرقہ نہیں تھا بلکہ رجعت‌پرست تحریک تھی جو عقلیت (rationalism) اور روشن خیالی پھیلانےوالے فلسفے کا مخالف تھی - صفحہ ۱۸

۶ - «Deutsche Jahrbücher für Wissenschaft und Kunst» — ''سائنس اور فنون لطیفہ پر سالانہ جرمن رسالہ،، جو نوجوان ہیگلیائیوں کا ادبی اور فلسفیانہ رسالہ تھا اور لائپزگ سے جولائی ۱۸۴۱ء سے جنوری ۱۸۴۳ء تک شایع ہوتا رہا۔ صفحہ ۱۸

۷ - «Rheinische Zeitung für Politik, Handel und Gewerbe» (''سیاست، تجارت اور صنعت کے مسائل پر رائنی اخبار،،) — یہ ایک روزنامہ تھا جو پہلی جنوری ۱۸۴۲ء سے ۳۱ مارچ ۱۸۴۳ء تک کولون سے جرمن زبان میں شائع ہوتا رہا۔ اپریل ۱۸۴۲ء سے مارکس نے اس اخبار میں لکھنا شروع کیا اور اکتوبر میں وہ بھی اس کے مدیروں میں شامل ہو گئے۔ صفحہ ۱۸

۸ - یہاں ذکر اشٹرنر کی کتاب «Der Einzige und sein Eigenthum» (''فرد اور اس کی ملکیت،،) کا ہے، جو ۱۸۴۵ء میں لائپزگ سے شایع ہوئی۔ صفحہ ۱۹

۹ - ''سچا سوشلزم،، — رجعت‌پرست رجحان جو ۱۹ ویں صدی کے پانچویں دہائی میں خاص طور پر پیٹی بورژوا خیالات کے

دانش‌وروں میں رائج تھا ۔ ''سچے سوشلزم،، کی نوعیت کی وضاحت مارکس اور اینگلس نے اپنی تصنیف ''کمیونسٹ پارٹی کے مینی‌فسٹو،، میں کی (دیکھئے اس سلسلے کا حصۂ اول، صفحات ۹۰ — ۴۳) ۔ صفحہ ۲۰

۱۰ - علم‌الٰہیات (Scholasticism) — قرون‌وسطی کا وہ مذہبی فلسفہ، جس نے انتہائی مجرد بحثوں اور مفروضوں سے سروکار رکھا اور زندگی کی ٹھوس حقیقتوں سے بالکل بے‌تعلق رہا ۔ اس نام نہاد فلسفے نے منطقی الٹ پھیر سے کام لے کر کلیسائی عقیدوں کو گویا فلسفیانہ بنیاد مہیا کر دی ۔ صفحہ ۲۲

۱۱ - یہاں سیارہ نیپچون کا ذکر ہے جس کی دریافت ۱۸۴۶ء میں جرمن ماہرفلکیات گالے نے کی ۔ صفحہ ۲۴

۱۲ - فلسفۂ لاادریت (Agnosticism) (یونانی لفظ agnostos سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں لاعلمی، یا جیسے عربوں نے لاادری کہا) — یہ عینیت کا نظریہ ہے جس کا کہنا ہے کہ انسانی عقل اس درجہ تک محدود ہے کہ حواس خمسہ سے ماورا کسی چیز کے علم تک نہیں پہنچ سکتی ہے ۔ لاادریت مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئی : ایک قسم کے حامی موجودات عالم کا مادی وجود تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ نہیں مانتے کہ ہم ان کی حقیقت کی گہرائی میں اتر سکتے ہیں ۔ دوسرے مکتب کا کہنا ہے کہ انسان یہ صحیح طور پر جان ہی نہیں سکتا کہ اس کے احساس کے ماورا عالم کا وجود ہے بھی یا نہیں — اس لئے کائنات کے مادی وجود سے انکار کیا جاتا ہے ۔ صفحہ ۲۴

۱۳ - یہاں ذکر ۱۸ ویں صدی کا ہے ۔ صفحہ ۲۷

۱۴ - ۱۸ویں صدی کی کیمیا میں یہ نظریہ رائج تھا کہ جسموں کے اندر ایک خاص قسم کا آتش گیر مادہ phlogiston پہلے سے موجود ہوتا ہے اور آگ پکڑنے کے وقت وہ نکل پڑتا ہے ۔ ممتاز فرانسیسی عالم کیمیا لاووآزئے نے اس تصور کی غلطی پکڑی ۔

اس نے بتایا که جب کوئی چیز معین حرارتی ماحول میں آکسیجن سے ملتی ھے تو اس کے اثر سے آگ لگ جاتی ھے، جسے جلنے کا عمل کہتے ھیں۔ صفحه ۲۷

۱۵ - مذھب‌فطرت (Deism) — یه فلسفیانه مذھبی نظریه که خداوندعالم خالق کائنات ھے، لیکن تخلیق کے بعد دنیا اپنے اندرونی نظام کے مطابق چلتی رھتی ھے۔ صفحه ۳۲

۱۶ - سادووا کا معرکه ۳ جولائی ۱۸۶۶ء کو آسٹریا اور پروشیا کے درمیان ھوا جس میں پروشیا کی فتح ھوئی۔ ''سادووا کا اسکول ماسٹر،، — جرمن بورژوا صحافیوں کے اس فقرے کا مطلب یه ھے که گویا پروشیا کی فتح اس کی تعلیم‌عامه کے نظام کی برتری کی وجه سے ھوئی۔ صفحه ۴۱

۱۷ - یہاں جرمنی کے ۴۹ — ۱۸۴۸ء کے بورژوا جمہوری انقلاب سے مراد ھے۔ صفحه ۴۴

۱۸ - تجدیدشاھی ۱۸۱۴ء سے ۱۸۳۰ء تک — فرانس میں بوربوں شاھی خاندان کے اختیارات کا دوسرا دور۔ بوربوں گھرانے کی رجعت‌پرست حکومت امیروں اور پادریوں کے مفادات کی نمائنده تھی۔ ۱۸۳۰ء کے انقلاب نے اس کا خاتمه کردیا۔ صفحه ۵۴

۱۹ - یہاں اینگلس نے ضابطۂ شہری (Code Civil) کے جو حوالے دئیے ھیں ان کا مقصد صرف ۱۸۰۴ء کے ضابطۂ نپولین (Code Napoleon) کی طرف نہیں بلکه بورژوا قوانین کے پورے نظام کی طرف اشاره کرنا ھے۔ یه پانچ ضابطے تھے: ضابطۂ شہری، دیوانی، کاروباری، فوجداری اور جرائم، جو نپولین‌اول کے عہد ۱۸۱۰ء — ۱۸۰۴ء میں نافذ کئیے گئے تھے۔ نپولین نے جرمنی کے جن مغربی اور جنوب مغربی حصوں پر قبضه کیا تھا وھاں ان پر عملدرآمد ھوتا تھا۔ بعد میں ۱۸۱۵ء میں جب یه علاقه پروشیا میں ملا لیا گیا تب بھی کچھ عرصے تک ان ضابطوں کا عمل دخل باقی رھا۔ صفحه ۵۷

۲۰ - Renaissance (ریناساں ، یا نشاۃ ثانیہ) — مغربی اور وسطی یورپ کے کئی ملکوں میں تہذیبی اور نظریاتی ترقیوں کا زمانہ جو سرمایہ‌داری تعلقات رونما ہونے کا نتیجہ تھا۔ یہ زمانہ ۱۵ویں صدی کے نصف آخر اور ۱۶ویں صدی میں پھیلا ہوا ہے۔ اس زمانے کی خصوصیت یہ ہے کہ علوم و فنون میں جان پڑ گئی، یونان قدیم اور روسۃ الکبری کی تہذیب کا ذوق و شوق پھر بیدار ہوا (اسی از سر نو زندگی سے اس دور کا یہ نام پڑا)۔ اس دور کی خصوصیات معلوم کرنے کےلئے اینگلس کی تصنیف ''فطرت کی جدلیات،، کا تعارف پڑھنا چاہئے (منتخب تصانیف، جلد دوم -). صفحہ ۵۸

۲۱ - نیکائیا کی کونسل — یہ سلطنت روما کے عیسائی بشپوں کی عالمی کونسل تھی جو ۳۲۵ء میں شہنشاہ کونستانتین اول نے شہر نیکائیا (ایشیائے کوچک) میں منعقد کی تھی۔ اس کونسل نے ''عقائد کی نشانی،، کے نام سے تمام عیسائیوں کےلئے لازمی عقائد مرتب کئے۔ صفحہ ۶۰

۲۲ - آلبیگینی (یہ نام شہر آلبی سے لیا گیا ہے) — ایک مذہبی فرقہ کے ممبر تھے اور بارھویں اور تیرھویں صدی میں جنوبی فرانس اور شمالی اٹلی میں کافی سرگرم‌عمل رہے۔ اس فرقے نے کیتھولکوں کے بھڑکیلے مذہبی رسوم اور کلیسائی حکومت کے خلاف تحریک کی رھنمائی کی اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف شہری سوداگروں اور کاریگروں کے احتجاج کا مذہبی شکل میں اظہار کیا۔ صفحہ ۶۰

۲۳ - ۱۴۷۷ء اور ۱۵۵۵ء کے درمیان ہالینڈ مقدس رومن سلطنت کا حصہ تھا (دیکھئے نوٹ نمبر ۸۲)۔ جب اس سلطنت کا شیرازہ بکھرا تو ہالینڈ پر اسپین نے قبضہ جما لیا۔ ۱۶ویں صدی کے بورژوا انقلاب کے آخر میں ہالینڈ نے خود کو ہسپانوی حکومت سے نجات دلائی اور وہ آزاد بورژوا ریپبلک بن گیا۔ صفحہ ۶۱

۲۴ - یہاں انگلستان میں ۱٦۸۸ء کے انقلاب کا ذکر ہے - جسکو انگریز بورژوا سورخین نے ''شاندار انقلاب'' کا نام دیا ہے - حکومت کا تختہ الٹ کر جیمس دوم کو برطرف اور اسٹوارٹ شاہی خاندان کو بے دخل کیا گیا - اسی انقلاب نے آئینی بادشاہت قائم کی (۱٦۸۹ء) اور ولیم آف اورینج کو تخت و تاج ملا - یہ ایک طرح کا سمجھوتہ تھا جاگیردار اشرافیہ اور بڑی بورژوازی کے درمیان - صفحہ ٦۲

۲۵ - ۱٦۸۵ء میں کالوین کے پیروؤں (هیوگےناٹس) پر جبر و تشدد کے دوران جو سترھویں صدی کی تیسری دھائی میں اپنے شباب پر تھا شاہ لوئی چھاردھم نے نانٹ کا وہ فرمان منسوخ کر دیا جو ۱۵۹۸ء میں جاری کیا گیا تھا - اس فرمان کے ذریعہ هیوگےناٹس کو عقیدے اور مذھبی رسوم کی آزادی کی ضمانت دی گئی تھی - اس فرمان کی منسوخی کی وجہ سے ہزاروں هیوگےناٹس نے فرانس سے ھجرت کی - صفحہ ٦۲

۲٦ - ۱۸۷۰ — ۷۱ء کی فرانسیسی پروشیائی جنگ میں فرانس مفتوح ھوا اور جرمن سلطنت ظہور میں آئی لیکن آسٹریا اس میں شامل نہ تھا، اسی لئے اس کو ''کوچک جرمن سلطنت'' کا نام دیا گیا - صفحہ ٦۳

۲۷ - اینگلس کی تصنیف ''فرانس اور جرمنی میں کسانوں کا سوال'' زرعی سوال پر بہت ھی اھم مارکسی دستاویز ہے - اینگلس کی اس تصنیف کا فوری سبب فولمار اور دوسرے موقع پرستوں کی یہ کوشش تھی کہ وہ جرمن سوشل ڈیموکریٹوں کی ۱۸۹۴ء کی فرینکفرٹ کانگرس میں زرعی پروگرام کے مسودے پر بحث مباحثے سے غلط فائدہ اٹھا کر امیر کسانوں کے رفتہ رفتہ سوشلزم میں تبدیل ھونے کا مارکس‌ازم‌دشمن ''نظریہ'' رائج کر سکیں - اینگلس نے اس کو ان غلطیوں کی تصحیح کےلئے بھی لکھا جو فرانسیسی سوشلسٹوں نے کی تھیں اور مارکس‌ازم سے ہٹ کر اپنے اس زرعی پروگرام میں جو ۱۸۹۲ء میں انھوں نے مارسیلز میں منظور کیا تھا اور جس کا تکملہ نانٹ میں ۱۸۹۴ء میں کیا گیا تھا، موقع پرستوں کو چھوٹ دی تھی -

نکتہ‌چینی کے ساتھ ساتھ اینگلس نے اس تصنیف میں کسانوں کے مختلف گروپوں کے تعلق سے پرولتاری پالیسی کے انقلابی اصول پر روشنی ڈالی اور مزدور طبقے اور محنت‌کش کسانوں کے درمیان اتحاد کے خیال کی وضاحت کی۔ صفحہ ٦٥

۲۸ - یہاں ۲ دسمبر ۱۸۵۲ء سے ۴ نومبر ۱۸۷۰ء تک کے زمانے کا ذکر ہے جس کا تعلق شہنشاہ نپولین سوم کے دور حکومت سے تھا۔ صفحہ ٦٦

۲۹ - مارسیلز میں فرانسیسی مزدور پارٹی کی دسویں کانگرس ۲۴ سے ۲۸ ستمبر ۱۸۹۲ء تک ہوئی۔ اس نے پارٹی کی صورت حال، یوم مئی منانے، ۱۸۹۳ء میں زوریچ کی بین‌الاقوامی سوشلسٹ مزدور کانگرس اور آنےوالے پارلیمانی انتخابات میں شرکت وغیرہ کے سوالوں پر غور کیا۔

کانگرس کے ایجنڈے میں دیہات میں پارٹی کے کام کے مسئلے کو بڑی اہمیت دی گئی کیونکہ پورے ملک میں کسانوں کی تحریک تیزی سے بڑھی تھی اور پارٹی یہ چاہتی تھی کہ وہ پارلیمانی انتخابات میں کسانوں کی حمایت حاصل کرے۔ کانگرس نے جو زرعی پروگرام منظور کیا اس میں اس نے دیہی مزدوروں اور چھوٹے کسانوں کے مفاد میں کئی ٹھوس مانگیں رکھیں۔ بہرحال یہ پروگرام بعض پہلوؤں سے سوشلزم کے اصولوں سے ہٹا ہوا تھا اور اس میں پیٹی‌بورژوا یوٹوپیائی رجحان اور دیہی آبادی کے امیر پرتوں کو کچھ رعایتیں دی گئی تھیں۔ یہ غلطیاں جو موقع‌پرست اثرات کا اظہار کرتی تھیں اس پروگرام کی تمہید اور ضمیموں میں اور زیادہ سامنے آ گئیں جو نانٹ کی کانگرس میں منظور کئے گئے۔ صفحہ ۷۰

۳۰ - یہاں مراد ہے جائداد غیرمنقولہ کے رہن کے رواج سے۔ صفحہ ۸۳

۳۱ - «Sozialdemocrat» (''سوشل ڈیموکریٹ،،) — جرمنی کی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا ھفتەوار جو برلن سے ۹۵ — ۱۸۹۴ء میں نکلتا تھا۔

لافارگ کی رپورٹ ''کسانوں کی جائداد اور معاشی ترقی،، جس کا ذکر اینگلس نے کیا ھے اسی ھفتەوار کے ضمیمے میں ۱۸ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو شایع ھوئی تھی۔ صفحہ ۸۸

۳۲ - یونکر — محدود معنوں میں اس لفظ کا مطلب ھے مشرقی پروشیا کے صاحب جائداد شرفا، عام طور سے یہ لفظ جرمن زمینداروں کے طبقے کے لئے استعمال ھوتا ھے۔ صفحہ ۹۱

۳۳ - ''پروشیائی قوم کی جرمن سلطنت،، کے بارے میں کہہ کر اینگلس قرون وسطی کی جرمن قوم کی مقدس سلطنت روما کا ذکر کرتے ھیں اور اسی بات پر زور دیتے ھیں کہ جرمنی کے اتحاد یعنی ۱۸۷۱ء میں فرانس پر فتح کے نتیجے میں جرمن سلطنت کی تشکیل پروشیا کی بالا دستی سے ھوئی اور ساتھ ھی تمام جرمن علاقوں پر پروشیائی اثر ڈالا گیا۔ صفحہ ۹۲

۳۴ - کارل مارکس کی کتاب ''فرانس میں طبقاتی جدوجہد ۱۸۴۸ء — ۱۸۵۰ء،، کا جو تعارف اینگلس نے لکھا تھا وہ اس کتاب کے علحدہ پمفلٹ کی حیثیت سے برلن میں ۱۸۹۵ء والی اشاعت کے لئے لکھا گیا تھا۔

مارکس کی تصنیف میں ۴۹ — ۱۸۴۸ء کے انقلاب کا جو تجزیہ اور سبق پیش کئے گئے تھے ان کی زبردست اھمیت پر روشنی ڈالتے ھوئے اینگلس نے اپنے تعارف کے زیادہ تر حصے میں اس تجربے کی تعمیم پر زور دیا ھے جو پرولتاریہ کی مزید طبقاتی جدوجہد میں، خصوصاً جرمنی میں حاصل ھوا تھا۔ اینگلس نے اس بات پر زور دیا کہ پرولتاریہ کو سوشلسٹ انقلاب کے لئے تیار کرنے کی غرض سے تمام قانونی ذرائع ضرور استعمال کرنا چاھئے، جمہوریت کی جدوجہد کو سوشلسٹ انقلاب

کی جدوجہد سے متحد کرنا چاہئے اور پہلے فریضے کو دوسرے کے تحت لانا چاہئے۔ اس تعارف میں اینگلس نے ایک بار پھر اس بنیادی مارکسی اصول کا ثبوت دیا کہ جدوجہد کے طریقے اور شکلیں ٹھوس تاریخی حالات پر منحصر ہوتی ہیں اور یہ کہ پرولتاریہ کو انقلابی جدوجہد کی پرامن شکلوں کی جگہ غیرپرامن شکلیں لازمی طور پر اختیار کرنا چاہئے جب حکمراں رجعت‌پرست طبقے تشدد پر اتر آئیں۔

اس تعارف کے شایع ہونے کے وقت جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے بورڈ نے اینگلس سے اصرار کیا کہ وہ اس کے سخت انقلابی لہجے کو نرم کرکے زیادہ محتاط شکل میں پیش کریں۔ اینگلس نے پارٹی کے قیادت کی ڈھل‌سل پوزیشن اور اس کوشش پر سخت نکتہ‌چینی کی کہ ''قطعی طور پر قانونی ڈھانچے کے اندر رہ‌کر کام کیا جائے،،۔ بہرحال بورڈ کے دباؤ سے اینگلس نے مجبور ہوکر پروف میں سے بعض حصے نکال دئے اور بعض تشریحات میں تبدیلی کر دی۔ (موجودہ ایڈیشن میں ان تبدیلیوں اور تحریفوں کا ذکر حاشیوں میں کیا گیا ہے۔ جو پروف اور اصلی نسخہ ہمیں دستیاب ہوئی ہیں ان کے ذریعہ اصل مسودہ تیار کرنا ممکن ہو گیا ہے۔)

ساتھ ہی اس مختصر تعارف کا سہارا لیکر سوشل ڈیموکریسی کے کچھ لیڈروں نے یہ کوشش کی کہ اینگلس کو اس طرح پیش کریں کہ گویا وہ اس بات کے حامی ہیں کہ مزدور طبقہ ہر حالت میں اقتدار کو صرف پرامن طریقے سے حاصل کرے، کہ وہ ''ہر قیمت پر قانونی طریقوں،، کے حامی ہیں۔ اس سے ناراض ہوکر اینگلس نے اس بات پر اصرار کیا کہ ان کا مکمل تعارف رسالے «Die Neue Zeit» میں شایع کر دیا جائے۔ لیکن اس کو اس رسالے میں بھی ان ہی تخفیفوں کے ساتھ شایع کیا گیا جن کےلئے مصنف کو مندرجۂبالا اشاعت میں مجبور کیا گیا تھا۔ بہرحال اس صورت میں بھی تعارف کا کردار انقلابی رہا۔

اینگلس کے تعارف کا مکمل مسودہ پہلی بار سوویت یونین

میں ''فرانس میں طبقاتی جدوجہد ۱۸۴۸ء — ۱۸۵۰ء'' کے ۱۹۳۰ء کے ایڈیشن میں شایع کیا گیا۔ صفحہ ۹۴

۳۵ - «Neue Rheinische Zeitung. Organ der Demokratie» (''نیا رائنی اخبار ۔ ڈیموکریسی کا ترجمان'') — جرمن زبان کا روزنامہ تھا جو کولون شہر سے مارکس کی زیرادارت پہلی جون ۱۸۴۸ء سے ۱۹ مئی ۱۸۴۹ء تک نکلتا رہا ۔ اس کی ادارت میں مارکس کے ساتھ اینگلس بھی شریک تھے ۔ صفحہ ۹۴

۳۶ - «Neue Rheinische Zeitung. Politisch-ökonomische Revue» (''نیا رائنی اخبار، سیاسی معاشی تبصرہ'') — یہ رسالہ کمیونسٹ لیگ کے خیالات کا ترجمان تھا ۔ مارکس اور اینگلس نے اس کی داغ بیل ڈالی تھی ۔ دسمبر ۱۸۴۹ء سے صرف ایک سال تک نکلا اور کل ملاکر چھہ شمارے شائع ہوئے ۔ صفحہ ۹۶

۳۷ - دوسری دسمبر ۱۸۵۱ء کو فرانس میں لوئی بوناپارٹ اور اس کے حواری انقلابی حکومت کا تختہ الٹنے میں کامیاب ہو گئے ۔ صفحہ ۹۷

۳۸ - یہاں ان سرکاری امدادی رقوم کا حوالہ دیا گیا ہے جن کو اینگلس طنزیہ ہمبوگ کے قریب سیکسن‌والڈ کی جاگیر سے منسوب کرتے ہیں جو شہنشاہ ولہلم اول نے بسمارک کو عطا کی تھی ۔ صفحہ ۹۸

۳۹ - In partibus infidelium — (لفظی طور پر اس کے معنی ہیں ''کافروں کے ملک میں'') یہ ان کیتھولک بشپوں کے خطاب میں اضافہ تھا جو غیرعیسائی ملکوں میں بشپوں کے برائے نام عہدوں پر مقرر کئے جاتے تھے ۔ اس فقرے کو مارکس اور اینگلس نے اکثر اپنی تحریروں میں ان مہاجر حکومتوں کے لئے استعمال کیا ہے جو غیرملکوں میں اس کا لحاظ کئے بغیر بنائی گئیں کہ کسی ملک کی صورت حال کیا ہے ۔ صفحہ ۹۹

۴۰ - یہاں جائز وارث والوں اور اورلین والوں کا ذکر ہے۔ ''جائزوارث والے،، (Legitimists) اس بوربوں خاندان کی بادشاہت کے حمایتی تھے جو ۱۸۳۰ء میں بےدخل کی گئی اور جب تک رہی اوپر کے جاگیرداروں کا دم بھرتی رہی۔ پھر اورلین خاندان کی حکومت (۱۸۳۰ء - ۱۸۴۸ء) قائم ہو گئی جس کا تکیہ تھا اوپر کے مالیاتی شرفا اور بڑی حیثیت کی بورژوازی پر۔ ان کا زور توڑنے کے لئے جائزوارث والوں کے ایک حصے نے سماجی حقوق کی لفاظی سے کام لیا اور بڑے سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ کے مقابلے میں محنت کرنے والوں کے طرفدار بن کر کھڑے ہو گئے۔

اورلین والے - یعنی اورلین گھرانے کے حمایتی۔ اورلین - بوربوں شاہی خاندان کی ایک نوجوان شاخ تھی۔ جولائی ۱۸۳۰ء کے انقلاب نے اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا اور ۱۸۴۸ء کے انقلاب نے اسے چھین لیا۔ یہ لوگ مالیاتی شرفا اور اوپر کی بورژوازی کے حامی تھے۔ صفحہ ۱۰۳

۴۱ - نپولین سوم کے دور حکومت میں فرانس نے کرائمیا کی جنگ (۱۸۵۴ء - ۵۵) میں حصہ لیا، اٹلی کو اپنے قبضے میں لینے کے لئے آسٹریا سے لڑائی لڑی (۱۸۵۹ء)، برطانیہ کے ساتھ چین کے خلاف لڑائیوں میں حصہ لیا (۱۸۵۶ء - ۵۸ اور ۱۸۶۰ء)، ہندچین کی فتح کا آغاز کیا (۱۸۶۰ء - ۶۱)، شام (۱۸۶۰ء - ۱۸۶۱ء) اور میکسیکو (۱۸۶۲ء - ۶۷) کےلئے مسلح مداخلت منظم کی اور ۱۸۷۰ء - ۷۱ میں پروشیا کے خلاف جنگ کی۔ صفحہ ۱۰۳

۴۲ - اینگلس نے جو اصطلاح استعمال کی ہے وہ لوئی نپولین والے دوسری سلطنت (۱۸۵۲ء - ۱۸۷۰ء) کے حکمراں حلقوں کی خارجہ پالیسی کے اصولوں کا اظہار کرتی ہے۔ نام نہاد ''قومیت کا اصول،، بڑی طاقتوں کے حکمراں طبقے اپنے فتوحات کے منصوبوں اور

غیرممالک پر حملوں کےلئے بطور نظریاتی نقاب استعمال کرتے تھے۔ اس کا قومی خودارادیت کے حق کو ماننے سے دور کا واسطہ نہ تھا اور اس کو قومی نفرت کی آگ بھڑکانے کےلئے اور قومی تحریکوں خصوصاً اقلیتوں کی تحریکوں کو انقلاب‌دشمن پالیسیوں کا ذریعہ بنانے کےلئے، اقتدار کے حصول کے لئے آپس میں کش‌مکش کرنےوالی طاقتیں استعمال کرتی تھیں۔ صفحہ ۱۰۴

۴۳۔ آسٹریا اور پروشیا کی ۱۸۶۶ء والی جنگ پروشیا کی فتح پر تمام ہوئی اور یوں ان دونوں ملکوں کی پرانی رسہ‌کشی کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ پروشیا کی بالا دستی میں جرمنی کی متحد ہو جانے کی راہ ہموار ہو گئی۔ کئی جرمن ریاستوں نے اس جنگ میں آسٹریا کا ساتھ دیا اور پروشیا کی طرفداری اٹلی نے کی۔ پراگ میں جو امن کا عہدنامہ طے پایا اس کے مطابق آسٹریا نے شلیزویگ اور ہولشٹن سے پروشیا کے حق میں دست برداری لکھ دی، تھوڑا بہت تاوان ادا کرنا اپنے ذمے لیا اور وینس کا مقام اطالوی سلطنت کے حوالے کر دیا۔ ویانا کانگرس کے فیصلے کے مطابق ۱۸۱۵ء میں جو ''جرمن کنفڈریشن'' بنی تھی اور جس میں تیس جرمن ریاستیں ملائی گئی تھیں، اسے منسوخ کرکے یہ طے پایا کہ شمالی جرمن یونین بنائی جائے جو پروشیا کے اقتدار اعلا کے تحت رہے۔ آسٹریا اس یونین سے الگ رہا۔ جنگ کے نتیجے میں پروشیا نے ہنوویر کی سلطنت، ہیسے کاسیل کا انتخابی حلقہ، نساؤ کا نوابی علاقہ اور فرینکفرٹ آن میئن کا آزاد شہر بھی اپنے اندر ضم کر لیا۔

جنگ میں آسٹریا کی تباہ کن شکست سے، اور قومی آزادی کی بڑھتی ہوئی تحریک سے ایسا سیاسی بحران امنڈ آیا کہ ان حالات میں ملک کے رجعت پرست حلقوں کو ایک طرف تو ہنگری سے معاملہ کرنا پڑا کہ ایک مشترکہ آسٹریائی ہنگیرین سلطنت قائم کریں، اور دوسری طرف انہیں بورژوازی کو کئی سیاسی رعایتیں دینی پڑیں۔ ۱۸۶۷ء کے نئی آئین نے رائخ‌سرات کے

نمائندہ ادارے کو زیادہ وسیع اختیارات دے دئیے، وزیروں کی ذمہ‌داریاں طے کردیں، فوجی تربیت تمام شہریوں پر لازم کرکے لام‌بندی کا حکم عام کر دیا اور نظم و نسق کو مرکزی بنا دیا۔ حکومت میں اشرافیہ کے نمائندوں کے علاوہ آزاد خیال بورژوازی کے لوگ بھی شریک ہو گئے۔ صفحہ ۱۰۴

۴۴ - ۱۸۷۱ء کا پیرس کمیون — یہ مزدور طبقے کی انقلابی حکومت تھی جو ۲۸ مارچ سے ۲۸ مئی ۱۸۷۱ء تک قائم رہی۔ عام طور سے پیرس کمیون کا مطلب یہی لیا جاتا ہے کہ ۱۸ مارچ ۱۸۷۱ء کا پرولتاری انقلاب اور اس کے فوراً بعد قائم ہونےوالی پرولتاری آمریت کا زمانہ۔ ''فرانس میں خانہ جنگی،، اسی پیرس کمیون کی تاریخ سے بحث کرتی ہے اور اس کے خاص خاص نکتوں پر تفصیل سے روشنی ڈالتی ہے (ملاحظہ ہو اس مجموعے کا حصۂ دوم، صفحات ۱۲۲ — ۲۳۱)۔ صفحہ ۱۰۴

۴۵ - اس ہنگامے کے بارے میں جس نے ۱۸ مارچ ۱۸۷۱ء کی بغاوت برپا کر دی ''فرانس میں خانہ‌جنگی،، دیکھئیے جو اسی مجموعے میں شامل ہے (حصۂ دوم، صفحہ ۱۷۷)۔ صفحہ ۱۰۴

۴۶ - یہاں ذکر ان پانچ ارب فرانک تاوان جنگ کا ہے جو فرانس ۱۰ مئی ۱۸۷۱ء کے فرینکفرٹ آن‌مینٔ کے معاہدۂ امن کے مطابق جرمنی کو ادا کرنے پر مجبور ہوا۔ صفحہ ۱۰۶

۴۷ - سوشلسٹ دشمن ہنگامی قانون (The Exceptional Law or the Anti-Socialist Law) جرمنی میں ۲۱ اکتوبر ۱۸۷۸ء کو جاری کیا گیا تھا۔ اس کے مطابق سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کی تمام شاخیں، عام مزدور انجمنیں، مزدوروں کے اخبارات وغیرہ خلاف قانون قرار دئیے گئے۔ اشتراکی خیالات کی کتابوں، رسالوں کو بحق سرکار ضبط کر لینے کا حکم نافذ ہوا اور سوشل ڈیموکریٹوں پر زیادتیاں کی گئیں۔ عام مزدور تحریک

کے دباؤ سے یہ قانون پہلی اکتوبر ۱۸۹۰ء کو منسوخ کر دیا گیا۔ صفحہ ۱۰۶

۴۸۔ بسمارک نے ۱۸۶۶ء میں شمالی جرمنی کی رائخ‌ستاگ کے انتخاب اور ۱۸۷۱ء میں جرمن سلطنت کے اتحاد کے واسطے رائخ‌ستاگ کے انتخابات کےلئے عام حق رائے دھندگی رائج کیا۔ صفحہ ۱۰۷

۴۹۔ یہاں اینگلس نے فرانسیسی مزدور پارٹی کے پروگرام کے اس نظریاتی پیش‌لفظ سے حوالہ دیا ہے جو مارکس نے لکھا تھا۔ یہ پروگرام پارٹی کی ھاور کی کانگرس میں ۱۸۸۰ء میں منظور کیا گیا۔ صفحہ ۱۰۷

۵۰۔ ۴ ستمبر ۱۸۷۰ء کو پیرس میں جب یہ خبر پہنچی کہ میدان میں فرانسیسی فوج کو-شکست ہوئی تو عوام نے انقلاب کردیا جو سلطنت ثانی کی حکومت کے خاتمے اور ریپبلک کے اعلان کا باعث بنا۔ یہ ریپبلک قومی دفاع کی بورژوا حکومت کی سربراھی میں قائم کی گئی۔

۳۱ اکتوبر ۱۸۷۰ء کو یہ معلوم کرکے کہ قومی دفاع کی بورژوا حکومت پروشیا سے صلح کی بات‌چیت کرنےوالی ھے، پیرس کے مزدوروں اور نیشنل گارڈ کے انقلابی حصے نے بغاوت کردی۔ انھوں نے ٹاؤن ھال پر قبضہ کرکے انقلابی اقتدار کا ادارہ — تحفظ عامہ کی کمیٹی بلانکی کی قیادت میں قائم کرلی۔ مزدوروں کے دباؤ سے قومی دفاع کی حکومت کو استعفا دینے اور یکم نومبر کو کمیون کے انتخابات کرانے کا وعدہ کرنا پڑا۔ بہرحال پیرس کی انقلابی طاقتیں کافی منظم نہ تھیں اور بغاوت کے رھنماؤں کے درمیان اتفاق نہ تھا یعنی بلانکی کے پیروؤں اور پیٹی‌بورژوا جیکوبی ڈیموکریٹوں میں۔ حکومت نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور نیشنل گارڈ کی وفادار بٹالینوں کی مدد سے ٹاؤن ھال پر دوبارہ قبضہ کرکے پھر اپنا اقتدار مضبوط کرلیا۔ صفحہ ۱۱۳

۵۱ - واگرام کی لڑائی ۶ - ۵ جولائی ۱۸۰۹ء کو ہوئی جس میں نپولین اول کی قیادت میں فرانسیسی فوج نے آسٹریا کے آرچ ڈیوک چارلس کی فوج کو شکست دی۔ صفحہ ۱۱۳

۵۲ - واٹرلو (بلجیم) کی جنگ انگریزی محاورے میں آخری شکست کے ہم‌معنی ہے۔ اینگلو ڈچ فوجوں نے ویلنگٹن کی کمان میں اور پروشیائی فوج نے بلوخر کی کمان میں ۱۸ جون ۱۸۱۵ء کو نپولین‌اول کو آخری شکست دی اور ۳ دن بعد اس سے دست برداری لکھوا لی۔ صفحہ ۱۱۳

۵۳ - یہاں اینگلس نے اس طویل لڑائی کا حوالہ دیا ہے جو میکلین‌برگ - شویرین اور میکلین‌برگ - استریلیتس کے ڈیوکوں کی حکومت اور امیروں کے درمیان ہوتی رہی اور جس کا خاتمہ ۱۷۵۵ء میں روستوک کے آئینی معاہدے پر ہوا۔ اس معاہدے کے مطابق امیروں کی آزادی، موروثی حقوق اور مراعات کی تصدیق کی گئی اور لیندتاگ میں ان کی سربراہی کو مضبوط کر دیا گیا، ان کی آدھی زمینوں کو محصول سے آزاد کردیا گیا، تجارت اور دستکاری پر ٹیکس کی مقدار مقرر کی گئی اور ریاستی اخراجات میں ان کے حصے کی طرف بھی توجہ کی گئی۔ صفحہ ۱۱۵

۵۴ - ۵ دسمبر ۱۸۹۴ء کو جرمنی کے رائخ‌ستاگ میں ایک نیا سوشلسٹ دشمن مسودہ قانون پیش کیا گیا لیکن رائخ‌ستاگ نے ۱۱ مئی ۱۸۹۵ء کو یہ مسودہ قانون مسترد کر دیا۔ صفحہ ۱۲۰

۵۵ - یہاں ''سیاست اور سیاسی معاشیات کی تنقید،، کا ذکر ہے جس کا مارکس نے لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ صفحہ ۱۳۶

۵۶ - پیرس کے نیشنل گارڈ کی مرکزی کمیٹی فروری ۱۸۷۱ء میں بنائی گئی تھی۔ فرانسیسی پروشیائی جنگ (۱۸۷۰ - ۷۱ء) کے دوران شہر پیرس کے محاصرے کی حالت میں نیشنل گارڈ میں جمہوری خیالات رکھنےوالے کثیر تعداد عوام شامل ہو گئے۔ مرکزی کمیٹی نے ۱۸ مارچ ۱۸۷۱ء کی بغاوت کی رہنمائی کی اور ۲۸

مارچ کو پیرس کمیون کے قیام تک تاریخ کی پہلی پرولتاری حکومت کی حیثیت سے کام کرتی رہی۔ صفحہ ۱۳۸

۵۷ - یہاں ہیکس تھاسن کی کتاب «Über den Ursprung und die Grundlagen den Verfassung in den ehemals slavischen Ländern Deutschlands im allgemeinen und des Herzogthums Pomern im besonderen» (جرمنی کے سابق سلاف علاقوں میں عموماً اور پومیرانیا کے ڈیوک کے ایسے علاقے میں خصوصاً برادری والے نظام کا آغاز اور بنیاد) کا ذکر ہے جو برلن سے ۱۸۴۲ء میں شایع ہوئی۔ صفحہ ۱۳۸

۵۸ - ۱۳ جون ۱۸۴۹ء کو پیرس میں مونٹین (پہاڑی) نامی پیٹی بورژوا پارٹی نے اس کے خلاف ایک پرامن احتجاجی مظاہرہ کیا کہ اٹلی میں انقلاب کو دبانے کےلئے فرانسیسی سپاہی بھیجے جا رہے تھے۔ اس مظاہرے کو فوجیوں نے منتشر کر دیا۔ مونٹین کے بہت سے لیڈر جلاوطن کر دئے گئے یا فرانس چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ صفحہ ۱۳۹

۵۹ - Mutualists (نظریۂ احتیاج باھمی کے حامی) — ۱۸۶۰ء میں پرودھوں کے حامی اپنے آپ کو اسی نام سے پکارتے تھے، کیونکہ انھوں نے باھمی امداد (کوآپریٹیو اور باھمی امدادی سوسائٹیاں وغیرہ) منظم کرکے محنت کشوں کو نجات دلانے کا ایک پیٹی بورژوا اصلاحی منصوبہ تیار کیا تھا۔ صفحہ ۱۴۱

۶۰ - سوشل ڈیموکریسی کا اتحاد (L'Alliance de la Démocratie Socialiste) — یہ جماعت ۱۸۶۸ء میں باکونین نے جنیوا میں قائم کی تھی۔ اس کے پروگرام میں صاف اعلان کیا گیا تھا کہ ہم تمام طبقوں کی مساوات اور ریاست کے خاتمے کے حق میں ھیں۔ اس ''الائینس،، کے ممبر اس بات کو ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ مزدور طبقہ سیاسی جدوجہد میں حصہ لے۔ ''الائینس،، کے چھوٹی بورژوازیوالے نراجی (انارکسٹ) پروگرام کو اٹلی، سوئٹزرلینڈ، اسپین اور دوسرے ملکوں کے ان علاقوں سے تائید

نصیب ہوئی جہاں صنعت کی سطح پست تھی۔ ۱۸۶۹ء میں اس جماعت نے پہلی انٹرنیشنل کی جنرل کونسل سے اپیل کی کہ وہ اسے اپنے اندر شامل کرلے۔ انٹرنیشنل‌والوں نے اس شرط پر ''الائینس،، کی الگ الگ شاخوں کا داخلہ منظور کیا کہ وہ خود کو علاحدہ جماعت کی حیثیت سے توڑ کر شامل ہوں۔ تاہم جب انٹرنیشنل سے وہ منسلک ہو چکے تب بھی ''الائینس'' کے ممبروں نے انٹرنیشنل ورکنگ مینز ایسوسی‌ایشن کے اندر اپنی خفیہ تنظیم باقی رکھی اور ان کے لیڈر کی حیثیت سے باکونین نے جنرل کونسل پر نکتہ‌چینی اور حملوں کا ایک طومار باندھ دیا۔ پیرس کمیون کا ٹوٹنا تھا کہ یہ مہم اور تیز کر دی۔ باکونین اور اس کے ماننے‌والوں نے پرولتاری ڈکٹیٹرشپ کے نظریے کو قطعی رد کرکے یہ کہنا شروع کیا کہ مزدور طبقے کی ایک الگ سیاسی پارٹی بنانے کے کوئی معنی نہیں جب پارٹی جمہوری مرکزیت کے اصولوں پر قائم کی گئی ہو۔ آخر جب پہلی انٹرنیشنل کی کانگرس ستمبر ۱۸۷۲ء میں ہیگ میں منعقد ہوئی تو زبردست اکثریت کے ساتھ ''الائینس،، کے لیڈروں — باکونین اور گیلیوم کو انٹرنیشنل سے خارج کر دیا گیا۔ صفحہ ۱۴۲

۶۱ - یہاں حوالہ پہلی انٹرنیشنل کی لندن کانفرنس کی قراردادوں کا ہے جو ۱۷ — ۲۳ ستمبر ۱۸۷۱ء کو ہوئی تھی۔ یہ قراردادیں ''نیشنل کونسلوں کے نام دینے وغیرہ،، (قرارداد نمبر ۲، دفعات ۱، ۲، ۳)، ''مزدور طبقے کے سیاسی اقدام،، (قرارداد نمبر ۹)، ''سوشل ڈیموکریسی کا اتحاد،، (قرارداد نمبر ۱۶) اور ''سوئٹزرلینڈ کے فرانسیسی زبان بولنے‌والے حصے میں پھوٹ،، (قرارداد نمبر ۱۷) کے بارے میں تھیں۔ صفحہ ۱۴۳

۶۲ - «Der Volksstaat» (''عوامی ریاست،،) — اس اخبار کا نام ہے جو جرمن سوشل ڈیموکریسی (آئزی‌ناخ‌والوں کی پارٹی) کا ترجمان تھا اور لائپزگ سے و۔ لیبکنیخت کی زیرادارت میں

۱۸۶۶ء — ۱۸۶۹ء تک نکلتا رہا۔ آگست بیبل اس کے مینجر تھے۔ مارکس اور اینگلس بھی اس اخبار کے قلمی معاون تھے۔ ۱۸۶۹ء تک «Demokratisches Wochenblatt» کے نام سے شایع ہوتا رہا۔ صفحہ ۱۴۴

۶۳ - «Neuer Social-Demokrat» — یہ جرمن اخبار ۷۱ — ۱۸۷۱ء کے دوران برلن سے شایع ہوتا تھا اور کل جرمن مزدور انجمن کا ترجمان تھا جس کی قیادت لاسال کرتا تھا۔ اس اخبار نے پہلی انٹرنیشنل کی مارکسی قیادت اور جرمن سوشل ڈیموکریٹک لیبر (مزدور) پارٹی کی مخالفت کی اور وہ باکونین کے پیرووٴں اور مزدوروں کی تحریک میں پرولتاری مخالف رجحانات رکھنےوالے دوسرے نمائندوں کی حمایت کرتا رہا۔ صفحہ ۱۴۴

۶۴ - کل جرمن مزدور انجمن — جرمن مزدوروں کی یہ سیاسی تنظیم ۱۸۶۳ء میں لاسال کی سرگرم شرکت سے بنی تھی۔ یہ انجمن ۱۸۷۵ء تک قائم رہی۔ پھر گوتھا کانگرس میں لاسال کے حامیوں اور آئزیناخ والوں (اس پارٹی کے سربراہ لیبکنیخت اور بیبل تھے) نے مل کر جرمنی کے سوشلسٹ مزدوروں کی پارٹی بنا لی۔ صفحہ ۱۴۵

۶۵ - آئزیناخ کے مقام پر جرمنی، آسٹریا اور سوئٹزرلینڈ کے سوشل ڈیموکریٹوں کی کانگرس ۱۸۶۹ء میں ۷ سے ۹ اگست تک ہوئی تھی۔ وهیں جرمن سوشل ڈیموکریٹک ورکرز پارٹی کا قیام عمل میں آیا اور شریک ہونےوالوں کو آئزیناخ والے کہا جانے لگا۔ اس کانگرس میں جو پروگرام منظور ہوا وہ بڑی حد تک پہلی انٹرنیشنل کے پیش کئے ہوئے اصولوں سے مطابقت رکھتا تھا۔ صفحہ ۱۴۶

۶۶ - انٹرنیشنل ورکنگ مینز ایسوسی‌ایشن (پہلی انٹرنیشنل) — یہ پرولتاریوں کی پہلی بین اقوامی جماعت تھی جس کے رہنما مارکس

اور اینگلس تھے (۱۸۲۰ء — ۱۸۹۵ء) ۔ اس جماعت نے بڑے بڑے سرمایہ‌دار ملکوں کے ترقی‌یافتہ مزدوروں میں سائنسی سوشلزم کے خیالات پھیلائے اور (لینن کے الفاظ میں) ''محنت‌کشوں کی بین اقوامی انجمن کی بنیاد ڈالی تاکہ سرمائے پر انقلابی حملے کی تیاری کی جائے،، ۔ اگر اس انٹرنیشنل کا تفصیلی بیان دیکھنا ہو تو ملاحظہ کیجئے اینگلس کا وہ دیباچہ جو انہوں نے ''کمیونسٹ پارٹی کے مینی‌فسٹو،، کے جرمن ایڈیشن ۱۸۹۰ء میں لکھا ہے اور مارکس کا وہ خط، جو انہوں نے ۲۳ نومبر ۱۸۷۱ء کو بولٹے کے نام بھیجا تھا (یہ تحریریں پہلی اور چوتھی جلدوں میں شامل ہیں) ۔ صفحہ ۱۳۷

۶۷ ۔ انٹرنیشنل ورکنگ مینز ایسوسی‌ایشن کی کانگرس ہیگ میں ۱۸۷۲ء میں ۲ اور ۷ ستمبر کے درمیان ہوئی تھی ۔ اس کانگرس میں پندرہ قومی پارٹیوں (ملکوں) کی طرف سے ۶۵ ڈیلی‌گیٹ شریک ہوئے تھے ۔ مارکس اور اینگلس نے کانگرس کی تمام کارروائیوں میں رہنمائی کا فرض انجام دیا تھا ۔ یہ دونوں رہنما اور ان کے حامی جو برسوں سے اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ مزدور طبقے کی تحریک سے پیٹی بورژوا لوگوں کی تنگ‌نظری یا فرقہ‌بندی کی ہر شکل کو دور کر دیں، اس کانگرس میں یہ کوشش اپنے انجام کو پہنچی ۔ نراجیوں کی تفرقہ پسندی کی حرکتوں سے بیزاری کا اظہار کرکے، ان کے لیڈروں کو انٹرنیشنل سے نکال دیا گیا ۔ ہیگ میں ہونےوالی اس کانگرس نے یہ راہ ہموار کردی کہ مختلف ملکوں میں مزدور طبقے کی آزاد سیاسی پارٹیاں وجود میں آئیں اور آزاد حیثیت سے اپنا کام کریں ۔ صفحہ ۱۳۷

۶۸ ۔ دیکھئے ہیگل کی کتاب ''روح کی مظہریات،، میں ''تعلیم کی حقیقت،، کا پیراگراف ۔ صفحہ ۱۳۸

۶۹ - ۳؍ ۱۸۷۲ء میں لیبکنیخت اور ہیپنر نے کئی بار مارکس سے درخواست کی کہ وہ «Volksstaat» کےلئے کوئی پمفلٹ یا مضمون لکھ‌کر لاسال کے نظریات پر تنقید کریں۔ صفحہ۱۴۹

۷۰ - ۱۸۷۷ء میں گوتھا کانگرس میں ڈیورنگ کے حاسیوں کے حملوں کے سلسلے میں بلوس نے ایک خط (۳۰ اکتوبر — ۶ نومبر ۱۸۷۷ء) کے ذریعہ مارکس سے یہ دریافت کیا کہ آیا مارکس اور اینگلس جرمنی کے پارٹی کے رفیقوں سے ناراض ھیں۔ اس واقعہ کے پیش‌نظر کہ جرمن مزدور مارکس اور اینگلس کی تحریروں کی طرف پہلے سے کہیں زیادہ توجہ دے رہے ھیں بلوس نے لکھا کہ سوشل ڈیموکریٹوں کے ایجی‌ٹیشن کے بدولت مارکس اور اینگلس اتنے مقبول ھوگئے ھیں جس کا وہ تصور نہیں کرسکتے۔ صفحہ ۱۴۹

۷۱ - یہاں حوالہ صاحبان انصاف کی لیگ (League of Just) کے منشور کا دیا گیا ھے۔ مارکس اور اینگلس نے اس منشور کی تشکیل میں لیگ کی پہلی کانگرس کے دوران جون ۱۸۴۷ء میں کافی سرگرمی سے شرکت کی۔ لیگ کی برادریوں میں اس پر بحث مباحثہ ھوا اور پھر دوسری کانگرس میں اس پر دوبارہ غور کرکے ۸ دسمبر ۱۸۴۷ء کو اسے منظور کر لیا گیا۔ صفحہ ۱۵۰

۷۲ - یہاں ذکر بارتھ کی کتاب «Die Geschichtsphilosophie Hegels und Hegelianer bis auf Marx und Hartmann» (مارکس اور ہارٹ‌مان تک ھیگل اور اس کے پیروؤں کا فلسفۂ تاریخ) جو لائپزگ سے ۱۸۹۰ء میں شایع ھوئی۔ صفحہ ۱۵۱

۷۳ - «Deutsche Worte» (''جرمن لفظ'')— آسٹریائی معاشی اور سماجی سیاسی رسالہ جو ویانا سے ۱۸۸۱ء اور ۱۹۰۴ء کے درمیان شایع ھوتا رہا۔

ویرتھ کا مضمون ''موجودہ جرمنی میں ہیگل کی بےعزتی اور اخراج،، اسی رسالے کے ۱۸۹۰ء کے پانچویں شمارے میں چھپا۔ صفحہ ۱۵۱

۷۴۔ «Berliner Volkstribüne» (''برلن کی عوامی تقریرگاہ،،) — یہ سوشل ڈیموکریٹوں کا ھفتہوار اخبار تھا جو نیم نراجی گروہ ''نوجوان،، سے قریب تھا اور ۱۸۸۷ء سے ۱۸۹۲ء تک شایع ہوتا رہا۔

''ہر شخص کےلئے اس کی محنت کی پوری پیداوار،،— اس زیربحث مضمون کےلئے مواد ۱۴ جون اور ۱۲ جولائی ۱۸۹۰ء کے دوران اسی اخبار میں شایع کیا گیا۔ صفحہ ۱۵۲

۷۵۔ دیکھئے نوٹ نمبر ۴۷۔ صفحہ ۱۵۴

۷۶۔ «Züricher Post» (''زوریچ کی ڈاک،،) — جمہوری رجحان کا سوئس روزنامہ، ۱۸۷۹ء سے ۱۹۳۶ء تک شائع ہوتا رہا۔ صفحہ ۱۶۰

۷۷۔ فرانس‌میرنگ کا مضمون ''تاریخی مادیت کے بارے میں،، ۱۸۹۳ء میں اس کی کتاب ''داستان لیسنگ،، کے ضمیمے کے طور پر شایع ہوا۔ صفحہ ۱۶۹

۷۸۔ روسو کے اس نظریے کے مطابق جو انھوں نے اپنی مشہور تصنیف '' سماجی سمجھوتے ،، میں پیش کیا ھے ابتدائی سماج میں لوگ قدرتی حالات میں رہتے تھے اور سب برابر تھے۔ نجی ملکیت کے ظہور اور مالی نابرابری کی ترقی لوگوں کو قدرتی حالات سے مدنی حالات تک اور ایسی ریاست کے قیام تک لائی جس کا انحصار سماجی سمجھوتوں پر تھا۔ بعد میں سیاسی نابرابری کے ارتقا کیوجہ سے سماجی معاھدے ٹوٹے اور ایک نیا اور حقوق سے محروم حالت پیدا ھوئی۔ روسو نے یہ دلیل پیش کی کہ اس مظہر کا خاتمہ ایسی معقول ریاست کرسکتی ھے جس کی بنیاد نئے معاھدہ عمرانی پر ھو۔ صفحہ ۱۷۱

۷۹ - Mercantilism (سوداگریت) — معاشی نظریات کا یہ نظام ابتدائی افزائش زر کے دور میں رائج تھا - اس نظام کے نظریہ‌داں جو تجارتی سرمائے کے نمائندے تھے قومی دولت کا مطلب دولت جمع کرنا سمجھتے تھے اور غیرملکی تجارت کو اس کا واحد ذریعہ جانتے تھے - سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں mercantilism نے مطلق العنان ریاستوں کی معاشی پالیسیوں پر بڑا اثر ڈالا - Physiocrats — فرانس میں اٹھارویں صدی کے وسط میں بورژوا سیاسی معاشیات میں یہ ایک رجحان چلا تھا - اس رجحان کے حامی بڑی سختی سے اس بات کے حق میں تھے کہ بڑے پیمانے پر سرمایہ‌دارانہ زراعت ہونی چاہئے، بعض طبقوں کو جو خاص حقوق حاصل ہیں، ان کا خاتمہ اور حفاظتی محصولات کا خاتمہ ہونا چاہئے - ان لوگوں کو جاگیرداری نظام کے خاتمے کی ضرورت کا پورا احساس تھا لیکن پرامن اصلاحات کے ذریعے اس طرح یہ عمل کرنا چاہتے تھے جس سے حکمراں طبقے اور مطلق العنانی کو کوئی نقصان نہ پہنچے - فزیوکریٹوں کے فلسفیانہ خیالات تقریباً ویسے ہی تھے جیسے اٹھارویں صدی کے فرانسیسی روشن خیال اهل علم کے - اس صدی کے آخر میں جب انقلاب فرانس برپا ہوا تو ان لوگوں کی تجویز کی ہوئی اکثر معاشی اصلاحات کو عملی جامہ پہنایا گیا - صفحہ ۱۷۱

۸۰ - صلیبی جنگوں کا یہ اشارہ ہے اس طرف جب گیارھویں سے تیرھویں صدی تک مغربی یورپ کے بڑے بڑے والیان ریاست نے، جنگجو سرداروں نے اور اطالیہ کے تجارتی شہروں نے مشرق پر غلبہ قائم کرنے کے لئے فوجی چڑھائی کی تھی اور مذہبی غرض یہ بتائی تھی کہ یروشلم اور دوسرے مقدس مقامات کو مسلمانوں سے چھین لیا جائے - ان صلیبی جنگوں کی پشت پر کیتھولک چرچ کا اور کلیسائی نظام کا ہاتھ تھا، اسی نے جنگوں کے حق میں فتوی دیا اور کوشش کی کہ دنیا بھر کو اپنے زیر اقتدار لایا جائے - جنگجو سرداروں نے ان لڑائیوں کےلئے تن من

لگایا اور وہ کسان جو جاگیرداروں کے جوئے سے آزادی کے طلبگار تھے، وہ بھی ان جنگوں میں شریک ہوگئے۔ یہ لوگ جن جن ملکوں سے گزرے وہاں انہوں نے مسلمان اور مسیحی آبادیوں پر قتل وغارت کا بازار گرم کیا۔ ان کے غاصبانہ حملے کا نشانہ صرف وہ مسلم حکومتیں ہی نہیں بنیں جو شام (سیریا)، فلسطین، مصر اور تیونس میں قائم تھیں بلکہ بازنطین کی مسیحی سلطنت بھی زد میں آئی۔ بحیرۂروم کے مشرق میں جہاں جہاں انہوں نے فتح کے جھنڈے گاڑے وہ زیادہ عرصے نہیں لہرائے اور مسلمانوں نے انہیں وہاں سے بےدخل کر دیا۔ صفحہ ۱۷۱

۸۱ - تیس‌ساله جنگ (۱۶۱۸ء — ۱۶۴۸ء) — کل یورپی جنگ جس کی جڑ پروٹیسٹنٹوں اور کیتھولکوں کا جھگڑا تھا۔ یہ لڑائی خاص طور پر جرمنی میں لڑی گئی اور وہ غیر ملکوں کی لوٹ کھسوٹ اور جنگی قبضوں کا شکار بنا۔ ۱۸۴۸ء میں ویسٹ‌فالیائی معاہدۂامن ہونے کے ساتھ اس جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔ معاہدے نے جرمنی کے سیاسی طور پر غیرمتحد ہونے پر مہر لگا دی۔ صفحہ ۱۷۴

۸۲ - یہاں مراد ہے جرمن قوم کی مقدس سلطنت روما جس کی بنیاد ۹۶۲ عیسوی میں رکھی گئی تھی اور جرمن علاقوں کے علاوہ اٹلی کا بھی کچھ حصہ اس میں شامل تھا۔ بعد میں فرانس کے کچھ علاقے، بوہیمیا، آسٹریا، نیدرلینڈ، سوئٹزلینڈ اور دوسرے ملک کے بھی اسی میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ سلطنت کوئی مرکزیت والی ریاست نہیں تھی۔ یہ چند رجواڑوں کی اور آزاد شہروں کی ملی جلی اور ڈھیلی ڈھالی یونین تھی جو سلطنت کے صرف اختیاراعلے کو تسلیم کرتے تھے۔ یہ ۹۶۲ء سے ۱۸۰۶ء تک قائم رہی۔ آخر جب فرانس کے مقابلے میں جرمنی کو شکست ہوئی تو ہیپس‌برگ مقدس سلطنت روما کے شہنشاہ کا خطاب چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔ صفحہ ۱۷۴

۸۳ - یه خط پہلے کسی مکتوب الیه کے ذکر کے بغیر رساله «Der sozialistische Akademiker» کے شمارے ۲۰، ۱۸۹۵ء میں اشٹارکین بورگ نے شائع کرایا - اس کا نتیجه یه ہوا که بعد کے ایڈیشنوں میں اسی کو غلطی سے مکتوب الیه سمجھا گیا - صفحه ۱۷۵

۸۴ - تقوی اور پارسائی — یہاں پیٹٹازم کا ذکر ہے جس کے بارے میں دیکھئے نوٹ نمبر ۵۰ - صفحه ۱۷۵

۸۵ - یہاں بہت سی جلدوں پر مشتمل گولیخ کی تصنیف «Geschichtliche Darstellung des Handels, der Gewerbe und des Ackerbaus der bedeutendsten handeltreibenden Staaten unserer Zeit» (ہمارے زمانے کی انتہائی اہم تجارتی ریاستوں کی تجارت، صنعت اور زراعت کا تاریخی احوال) جو ۱۸۳۰ء اور ۱۸۴۵ء کے درمیان شایع ہوئی - صفحه ۱۷۹

— الف —

آپین (Appian) (پہلی صدی عیسوی کے آخر سے دوسری صدی عیسوی کے چھٹے عشرے تک) — قدیم روسی تاریخ داں ۔ صفحہ ۵۸

اسمتھ (Smith) ، آدم (۱۷۲۳ ء سے ۱۷۹۰ ء تک) — مشہور انگریز ماہرمعاشیات جس نے بورژوا کلاسیکی سیاسی معاشیات کی بنیاد ڈالنے میں کار نمایاں انجام دیا ۔ صفحات ۱۲۶ ، ۱۷۱

اشتوم (Stumm) ، کارل (۱۸۳۶ ء سے ۱۹۰۱ ء تک) — ایک بڑا جرمن صنعت‌کار ، قدامت‌پرست ، مزدور تحریک کا شدید دشمن ، صفحہ ۹۱

اشٹارکے (Starke) ، کارل نکولائی (۱۸۵۸ ء سے ۱۹۲۶ ء تک) — ڈنمارک کا بورژوا فلسفی اور ماہر عمرانیات ۔ صفحات ۸ ، ۱۰ ، ۲۵ ، ۳۰ — ۳۳ ، ۳۹ — ۳۸

اشٹراؤس (Strauss) ، ڈیوڈ فریڈرک (۱۸۰۸ ء سے ۱۸۷۴ ء تک) — جرمن فلسفی اور اخبارنویس ، بائیں‌بازو کے ہیگل‌والوں میں ایک نمایاں شخصیت ۔ ۱۸۶۶ ء کے بعد نیشنل لبرل ۔ صفحات ۲۰ — ۱۸ ، ۴۳

اشٹرنر (Stirner) ، ماکس (یہ شمیدت کسپار کا قلمی نام ہے) (۱۸۰۶ ء سے ۱۸۵۶ ء تک) — جرمن فلسفی ، بورژوا انفرادیت پرستی اور انارکزم کا ایک نظریہ‌داں ۔ صفحات ۱۹ ، ۴۳

آگسٹس (Augustus) (۶۳ ق - م - سے ۱۴ عیسوی تک)— پہلا رومی شہنشاہ - صفحہ ۱۷۸

آنینکوف، پ- و - (۱۸۱۲ ء سے ۱۸۸۷ ء تک) — روسی اعتدال پسند زمین‌دار ، ادیب - صفحہ ۱۲۱

ایم تھرن (Im Thurn)، فرڈنینڈ (۱۸۵۲ ء سے ۱۹۳۲ ء تک)— برطانوی نوآبادیوں میں افسر ، سیاح اور علم انسانیات کا ماہر- صفحہ ۲۱

اینگلس (Engels)، فریڈرک (۱۸۲۰ ء سے ۱۸۹۵ ء تک) - صفحات ۹ — ۷ ، ۶۵ ، ۹۳ ، ۹۴ ، ۱۴۴ ، ۱۵۱ — ۱۴۸ ، ۱۵۷ ، ۱۶۰ ، ۱۶۹ ، ۱۷۵

— ب —

بارتھ (Barth)، پاؤل (۱۸۵۸ ء سے ۱۹۲۲ ء تک)— جرمن بورژوا فلسفی اور ماہرعمرانیات، لائپزگ یونیورسٹی کا استاد - صفحات ۱۵۱ ، ۱۵۲ ، ۱۵۳ ، ۱۶۸ ، ۱۷۰ ، ۱۷۲

بارو (Barrot)، اودی‌لوں (۱۷۹۱ ء سے ۱۸۷۳ ء تک)— فرانس کا ایک بورژوا پولٹکل لیڈر - فروری ۱۸۴۸ ء تک یہ شخص خاندانی بادشاہت‌والوں کے آزاد خیال حزب مخالف کا سربراہ تھا - دسمبر ۱۸۴۸ ء سے اکتوبر ۱۸۴۹ ء تک وزیراعظم کا عہدہ سنبھالے رہا - اس کی وزارت کو ضابطہ پارٹی کی تائید حاصل تھی - صفحہ ۱۱۷

باکونین، م - ا- (۱۸۱۴ ء سے ۱۸۷۶ ء تک) — روسی ڈیموکریٹ، مضمون نگار، ۱۸۴۹ ء — ۱۸۴۸ ء کے انقلاب جرمنی میں شریک ہونےوالا - انارکزم یا نراج کا ایک مشہور نظریہ‌ساز - پہلی انٹرنیشنل میں ممبر کی حیثیت سے شریک ہوا تو مارکس‌ازم کا جانی دشمن نکلا - جب ہیگ میں ۱۸۷۲ ء کی کانگرس ہوئی تو اسے تفرقہ‌پردازی کے الزام میں انٹرنیشنل کی ممبری سے خارج کر دیا گیا - صفحات ۱۹ ، ۴۳ ، ۱۴۲ ، ۱۴۶

باؤیر (Bauer) ، برونو (۱۸۰۹ ء سے ۱۸۸۲ ء تک) — جرمن آئڈیلسٹ فلسفی ، ہیگل کے نوجوان پرستاروں میں اس کا نام نمایاں ہے ، بورژوائی ریڈیکل تھا ، ۱۸۶۶ ء کے بعد قومی آزاد خیالوں میں مل گیا ۔ صفحات ۲۰ — ۱۹ ، ۴۳

برنشٹائن (Bernstein) ، ایڈوارڈ (۱۸۵۰ ء سے ۱۹۳۲ ء تک) — جرمن سوشل ڈیموکریٹ ، مضمون‌نگار ، اخبار «Sozialdemokrat» کا ایڈیٹر (۱۸۹۰ ء — ۱۸۸۱ ء) تھا ۔ ۱۸۸۹ ء اور ۱۸۹۸ ء کے بین‌اقوامی سوشلسٹ مزدور کانگرسوں میں ھوا ۔ اینگلس کی موت کے بعد مارکس‌ازم میں ترمیم اور اصلاح کرنے کی کوششیں کرتا رہا ۔ صفحہ ۱۶۸

بسمارک (Bismarck) ، اوٹو (۱۸۱۵ ء سے ۱۸۹۸ ء تک) — جرمن پرنس ۔ ریاستی معاملات میں نمایاں ، پروشیا اور جرمنی کی طرف سے غیرملکی تعلقات میں سرگرم ۔ پروشیا کے تعلقہ‌داروں کا نمائندہ جو وھاں ۱۸۶۲ ء سے ۱۸۷۱ ء تک منسٹر پریسیڈنٹ تھا ۔ بعد میں ۱۸۷۱ ء سے ۱۸۹۰ ء تک جرمن سلطنت کا رائخ‌چانسلر (صدر) رہا ۔ صفحات ۹۹ ، ۱۰۴ ، ۱۰۷ ، ۱۱۹ — ۱۱۸ ، ۱۷۳

بلوخ ((Bloch)) ، جوزف — رسالے «Sozialistische Monatshefte» کا ایڈیٹر ۔ صفحہ ۱۵۷

بلوس (Blos) ، ولہلم (۱۸۴۹ ء سے ۱۹۲۷ ء تک) — جرمن سوشل ڈیموکریٹ ، صحافی اور مؤرخ ۔ ۱۸۷۴ ء — ۱۸۷۲ ء کے دوران اخبار «Volksstaat» کا ایک ایڈیٹر ، رائخ‌ستاگ کا ممبر ، پہلی عالمی جنگ کے دوران سوشل شاوینیسٹ (قوم پرست) ۔ صفحہ ۱۴۹

بوخنر (Büchner) ، لڈوگ (۱۸۲۴ ء سے ۱۸۹۹ ء تک) — جرمن بورژوا فلسفی اور ماہر عضویات ، گھٹیا مدیت‌پرست ۔ صفحہ ۲۷

بوربون (Bourbons) — فرانس کا شاہی خاندان جو ۱۵۸۹ ء سے ۱۷۹۲ ء تک ، پھر ۱۵ — ۱۸۱۴ ء میں اور پھر ۱۸۱۵ ء سے ۱۸۳۰ ء تک حکمراں رہا ۔ صفحہ ۴۵

بورگئیس (Borgius) ، و ۔ صفحہ ۱۷۵

بولٹے (Bolte) ، فریڈرک — امریکہ میں مزدور تحریک کا نمایاں کارکن جو قوم کا جرمن تھا ۔ انٹرنیشنل کی شمالی امریکی شاخوں کے فیڈرل کونسل کا سکریٹری (۱۸۷۲ ء) ، انٹرنیشنل کی جنرل کونسل کا ممبر (۱۸۷۲ ء — ۱۸۷۴ ء) ، ۱۸۷۴ ء میں جنرل کونسل سے نکال دیا گیا ۔ صفحہ ۱۳۰

بوگوسلافسکی ، البرٹ (۱۸۳۴ ء سے ۱۹۰۵ ء تک) — جرمن جنرل اور جنگی افسانہ‌نگار ۔ صفحات ۱۱۵ ، ۱۱۸

بوناپارٹ — دیکھئے نپولین سوم ۔

بیبل (Bebel) ، آگسٹ (۱۸۴۰ ء سے ۱۹۱۳ ء تک) — بین‌اقوامی اور جرمن مزدور تحریک کا ایک اہم لیڈر ۔ ۱۸۶۷ ء سے وہ جرمن ورکرز ایسوسی‌ایشن کا رہنما ، پہلی انٹرنیشنل کا ممبر اور ۱۸۶۷ ء سے جرمن پارلیمنٹ کا ممبر رہا ۔ جرمن سوشل ڈیموکریسی کے بانیوں میں شمار ہوتا ہے ۔ مارکس اور اینگلس کا دوست اور رفیق‌کار ۔ دوسری انٹرنیشنل میں بھی سرگرم رہا ۔ صفحات ۱۰۷ ، ۱۴۳

بیرتھلو (Berthlot) ، پیئر ایژین مارسلین (۱۸۲۷ ء سے ۱۹۰۷ ء تک) — مشہور فرانسیسی کیمیاداں ، بورژوا سیاستداں ۔ صفحہ ۳۰

یونگک (Boenigk) ، اوٹو فون — جرمن سماجی کارکن ، بریسلاول یونیورسٹی میں سوشلزم کا لکچرر ۔ صفحہ ۱۵۴

بیئل (Bayle) ، پیئر (۱۶۴۷ ء سے ۱۷۰۶ ء تک) — فرانسیسی تشکیک‌پسند فلسفی ۔ صفحہ ۶۲

— پ —

پرودھون (Proudhon) ، پیئر ژوزف (۱۸۰۹ ء سے ۱۸۶۵ ء تک) — مشہور فرانسیسی ماہر معاشیات و عمرانیات ، مضمون‌نگار ۔

چھوٹی بورژوازی کا نظریہ‌ساز ۔ انارکزم یا نراج کا نظریہ تیار کرنے‌والوں میں وہ بھی تھا ۔ صفحات ۴۳، ۱۳۶ — ۱۲۱

— ت —

توری‌چیلی (Torricelli) ، ایوانجیلستا (۱۶۰۸ ء سے ۱۶۴۷ ء تک) — اطالیہ کا زبردست ماہر طبیعیات و ریاضی ۔ صفحہ ۱۷۶

تیئر (Thiers) ، ادولف (۱۷۹۷ ء سے ۱۸۷۷ ء تک) — فرانس کا بورژوا مؤرخ اور ریاستی معاملات میں سرگرم، ۵۱ — ۱۸۴۹ ء میں قانون‌ساز اسمبلی کا ممبر ۔ اورلین‌والوں کا حامی، ۷۳ — ۱۸۷۱ ء میں رپبلک کا صدر رہا ۔ پیرس کمیون کو خون میں ڈبونے‌والا ۔ صفحات ۵۴، ۱۰۴، ۱۳۸

تئیری (Thierry) ، اوگیوستین (۱۷۹۵ ء سے ۱۸۵۶ ء تک)— فرانسیسی لبرل بورژوا مؤرخ ۔ صفحات ۵۴، ۱۷۸

— ج —

جووینال (Juvenal) ، دیسیم جونی جووینال (پیدائش تقریباً ۶۰ عیسوی — انتقال ۱۲۷ ء کے بعد) — مشہور رومی طنزیہ‌نگار ۔ صفحہ ۱۱۸

— د —

دیتس‌گین (Dietzgen) ، ایوسیف (۱۸۲۸ ء سے ۱۸۸۸ ء تک) — چمڑا کمانے‌والا مزدور، جرمن سوشل ڈیموکریٹ، فلسفی، خود سے مادی جدلیات کی طرف مائل ہوا ۔ صفحہ ۴۶

دیدرو (Diderot)، دینی(۱۷۱۳ء سے ۱۷۸۴ء تک) — فرانسیسی مادیت پسند فلسفی، اٹھارھویں صدی کے فرانسیسی انقلابی بورژوا طبقے کا نظریہ‌ساز ۔ انسائیکلوپڈسٹوں کا رھنما ۔ صفحہ ۳۲

— ڈ —

ڈارون (Darwin)، چارلس (۱۸۰۹ء سے ۱۸۸۲ء تک) — شہرۂآفاق انگریز سائنس‌داں، جس نے ارتقائے وجود کے نظریے کی بنیاد رکھی۔ صفحات ۲۹، ۳۸

ڈایوکلیشین (Diocletian) (تقریباً ۲۴۵ء سے ۳۱۳ء تک) — رومی شہنشاہ (۲۸۴ء سے ۳۰۵ء تک)۔ صفحہ ۱۱۹

ڈیکارٹ (Descartes)، رینے (۱۵۹۶ء سے ۱۶۵۰ء تک) — فرانس کا ثنویت‌پسند (dualist) فلسفی، ماہر علم ریاضی و طبیعیات۔ صفحات ۲۵، ۲۷، ۱۵۲

— ر —

رچارڈ اول شیردل (Richard I) (۱۱۵۷ء سے ۱۱۹۰ء تک) — انگریز بادشاہ (۱۱۸۹ء سے ۱۱۹۹ء تک)۔ صفحہ ۱۲۱

روبس‌پیری (Robespierre)، میکسی‌میلین (۱۷۵۸ء سے ۱۷۹۴ء تک) — اٹھارویں صدی کے آخر میں انقلاب فرانس کی زبردست شخصیت۔ جیکوبی گروہ کا لیڈر، ۹۴—۱۷۹۳ء میں انقلابی حکومت کا سربراہ۔ صفحہ ۳۶

روسو (Rousseau)، ژاں ژاک (۱۷۱۲ء سے ۱۷۷۸ء تک) — فرانس کا مشہور روشن‌خیال، جمہوریت‌پسند، مذہب فطرت (Deism *) رکھنے‌والا فلسفی، اور عملی اصلاحات میں سرگرم حصہ لینے‌والا، چھوٹی بورژوازی کا نظریہ‌ساز۔ صفحات ۳۲، ۱۷۱

رینان (Renan)، ارنسٹ (۱۸۲۳ء سے ۱۸۹۲ء تک) — فرانسیسی ماہرلسانیات، عیسائیت کا مؤرخ، عینی فلسفی۔ صفحہ ۴۳

---

* Deism — یہ فلسفیانہ مذہبی عقیدہ کہ خداوند عالم خالق کائنات ہے، لیکن تخلیق کے بعد دنیا اپنے اندرونی نظام کے مطابق چلتی رہتی ہے۔

ریوسلر (Rössler)، کونستانتین (۱۸۲۰ ء سے ۱۸۹۶ ء تک) — جرمن اخبار نویس، برلن کے سرکاری ادبی بیورو کے رہنما کی حیثیت سے (۱۸۷۷ ء سے ۱۸۹۲ ء تک) بسمارک کی پالیسی کی حمایت کرتا تھا۔ صفحہ ۱۱۸

— ز —

زیتبیر (Soetbeer)، گیورگ ادولف (۱۸۱۴ ء سے ۱۸۹۲ ء تک) — جرمن بورژوا ماہرمعاشیات اور ماہراعداد و شمار۔ صفحہ ۱۶۱

— س —

سیزر (Caesar)، گائی جولیس سیزر (زمانہ اندازاً ۱۰۰ سے ۴۴ ق-م- تک)- روم کا شہرۂآفاق سپہ‌سالار اور سیاسی رہنما۔ صفحہ ۱۷۸

— ش —

شمیدت (Schmidt)، کونراد (۱۸۶۳ ء سے ۱۹۳۲ ء تک) — جرمن ماہرمعاشیات اور فلسفی، اس نے کئی ایسی کتابیں لکھیں جو ترمیم‌پرستی کے نظریاتی سرچشمے کی حیثیت رکھتی تھیں۔ صفحہ ۱۶۰

شویئتسر (Schweitzer)، ایوھان باپتست (۱۸۳۳ ء سے ۱۸۷۵ ء تک) — جرمنی میں لاسال‌ازم کی ایک نمایاں شخصیت، کل جرمن مزدور یونین کا صدر (۱۸۶۷ء سے ۱۸۷۱ء تک)، پہلی انٹرنیشنل میں جرمن مزدوروں کے شامل ہونے میں رکاوٹ ڈالتا تھا، سوشل ڈیموکریٹک مزدور پارٹی کی مخالفت کرتا تھا۔ پروشیائی حکومت سے اس کا تعلق فاش ہونے کے بعد ۱۸۷۲ ء میں یونین سے نکال دیا گیا۔ صفحہ ۱۳۱

شیلر (Schiller)، فریڈرک (۱۷۵۹ ء سے ۱۸۰۵ ء تک) — عظیم جرمن مصنف۔ صفحہ ۳۱

ـ ف ـ

فائرباخ (Feurbach)، لوڈویگ (۱۸۰۴ء سے ۱۸۷۲ء تک) — مارکس سے پہلے تک وہی سب سے بڑا مادیت‌پسند جرمن فلسفی تھا۔ صفحات ۱۰ — ۷، ۲۱ — ۲۰، ۲۶ — ۲۴، ۳۰ — ۲۹، ۴۳ — ۳۲، ۱۵۹، ۱۷۹، ۱۵۹، ۱۷۹

فریڈرک ولہلم (Frederick William) (۱۶۲۰ء سے ۱۶۸۸ء تک) — براانڈن‌برگ کا الکٹور (۱۶۴۰ء سے ۱۶۸۸ء تک)۔ صفحہ ۱۷۳

فریڈرک دوم (Frederick II) (فریڈرک عظیم) (۱۷۱۲ء سے ۱۷۸۶ء تک) — پروشیا کا شہنشاہ (۱۷۴۰ء سے ۱۷۸۶ء تک)۔ صفحات ۹۲، ۱۱۳

فریڈرک ولہلم سوم (Frederick William III) (۱۷۷۰ء سے ۱۸۴۰ء تک) — پروشیا کا بادشاہ (۱۷۹۷ء سے ۱۸۴۰ء تک)۔ صفحات ۱۱، ۱۵

فریڈرک ولہلم چہارم (Frederick William IV) (۱۷۹۵ء سے ۱۸۶۱ء تک) — پروشیا کا شہنشاہ (۱۸۴۰ء سے ۱۸۶۱ء تک)۔ صفحہ ۱۸

فیخطے (Fichte)، یوہان گوتلب (۱۷۶۲ء سے ۱۸۱۴ء تک) — جرمن کلاسکی فلسفے میں نمایاں شخصیت، عینیت‌پرست۔ صفحہ ۱۷۱

فورئیے (Fourier)، شارل (۱۷۷۲ء سے ۱۸۳۷ء تک) — فرانس کا زبردست یوٹوپیائی (قیاسی) سوشلسٹ۔ صفحات ۱۲۲، ۱۳۵

فوگٹ (Vogt)، کارل (۱۸۱۷ء سے ۱۸۹۵ء تک) — جرمن نیچرلسٹ، گھٹیا مادیت‌پسند، پیٹی‌بورژوا جمہوریت پسند۔ ۱۸۴۸ — ۴۹ء کے انقلاب جرمنی میں شریک ہوا۔ ۱۸۵۰ء کے برسوں میں جب تارک وطن تھا لوئی بوناپارٹ کا خفیہ زرخرید ایجنٹ ہو گیا۔ صفحات ۲۷، ۱۳۸

— ک —

کارل بہادر (۱۴۳۳ ء سے ۱۴۷۷ ء تک) — برگنڈی کا ڈیوک (۱۴۶۷ء سے ۱۴۷۷ ء تک) ۔ صفحہ ۱۷۴

کالوین (Calvin) ، ژاں (۱۵۰۹ ء سے ۱۵۶۴ ء تک) — اصلاح دین کی تحریک کا مشہور رہنما ، جس نے مسیحی مذہب میں پروٹسٹنٹ‌ازم کے ایک الگ رجحان ''کالوین‌ازم'' کی بنیاد رکھی ۔ یہ رجحان سرمایہ جمع ہونے کے ابتدائی مرحلے میں بورژوا مفاد کا ترجمان تھا ۔ صفحات ۶۱ ، ۶۲ ، ۱۷۱

کانٹ (Kant) ، ایمانوئیل (۱۷۲۴ ء سے ۱۸۰۴ ء تک) — کلاسیکی جرمن فلسفے کا بانی مبانی ۔ عینیت‌پرست فلسفی ۔ صفحات ۱۳ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۲۸ ، ۳۱ ، ۴۲ ، ۱۶۷ ، ۱۷۱

کانیتز (Kanitz) ، هانس ولہلم الکساندر ، کونٹ (۱۸۴۱ ء سے ۱۹۱۳ ء تک) — جرمن سیاستداں ، کونزرویٹیف پارٹی کا ایک لیڈر ، پروشیائی لینڈتاگ اور جرمن رائخ‌ستاگ کا مندوب ۔ صفحہ ۷۷

کاؤتسکی (Kautsky) ، کارل (۱۸۵۴ ء سے ۱۹۳۸ ء تک) — جرمن سوشل ڈیموکریسی اور دوسری انٹرنیشنل کا ایک لیڈر ۔ پہلے مارکس‌وادی تھا ، بعد میں مارکس‌ازم سے غداری کرکے مزدور تحریک کےلئے ایک انتہائی خطرناک رجحان ، مزدور تحریک میں موقع پرست رجحان — مرکزیت‌پرستی (کاؤتسکی‌ازم) کا نظریہ‌داں بن گیا ۔ صفحہ ۱۰۰

کروپ (Krupp) ، فریڈرک الفرید (۱۸۵۴ ء سے ۱۹۰۲ ء تک) — جرمنی میں دھات‌ساز جنگی کنسرن کا مالک ۔ صفحہ ۹۱

کروموپل (Cromwell) ، اولیور (۱۵۹۹ ء سے ۱۶۵۸ ء تک) — سترھویں صدی کے انگلینڈ میں جب بورژوائی انقلاب اٹھا تو کروموپل نے بورژوازی اور منصب داروں سے نئے نئے بورژوا بننےوالے طبقے کی رهنمائی کی ۔ ۱۶۵۳ ء سے آخر دم تک وہ انگلینڈ ، اسکاٹ‌لینڈ اور آئرلینڈ کا لارڈ پروٹکٹر بنا رہا ۔ صفحہ ۱۲۸

کوپ (Kopp) ، هیرمن فرانس مورتس (۱۸۱۷ ء سے ۱۸۹۲ ء تک) — جرمن سائنس‌داں ، علم کیمیا کا ماہر ۔ صفحہ ۳۵

کوپرنیکس (Copernicus) ، نکولائی (۱۴۷۳ ء سے ۱۵۴۳ ء تک) — پولینڈ کا عظیم الشان ماہر فلکیات ، دنیا میں سورج کے گرد ستاروں کی حرکت کا نظریہ (Heliocentrik System) اسی نے دیا ۔ صفحہ ۲۴

کوگیلمان (Kugelmann) ، لوڈویک (۱۸۳۰ ء سے ۱۹۰۲ ء تک) — جرمن ڈاکٹر ۔ ۱۸۴۹ ء — ۱۸۴۸ ء کے جرمن انقلاب میں حصہ لیا اور پہلی انٹرنیشنل کا ممبر تھا ۔ مارکس کا دوست تھا ۔ صفحات ۱۳۷ ، ۱۳۹ ، ۱۴۰

کونستانتین اول (Constantine) (تقریباً ۲۷۴ ء سے ۳۳۷ ء تک) — رومی شہنشاہ (۳۰۶ ء سے ۳۳۷ ء تک) ۔ صفحہ ۱۲۰

کیولیر (Köller) ، ارنسٹ ماتیاس (۱۸۴۱ء سے ۱۹۲۸ء تک) — جرمنی کا رجعت‌پرست سیاست‌داں ، رائخ‌ستاگ کا مندوب (۱۸۸۱ ء سے ۱۸۸۸ ء تک) ، پروشیا کا وزیر خارجہ (۱۸۹۴ ء سے ۱۸۹۵ ء تک) ، اس نے سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے خلاف ظلم و تشدد کی پالیسی چلائی ۔ صفحہ ۱۲۰

— گ —

گالے (Galle) ، یوهان گوتفرید (۱۸۱۲ ء سے ۱۹۱۰ ء تک) — جرمن ماہر فلکیات ، جس نے لےورئے کے حسابات کی مدد سے ۱۸۴۶ ء میں ستارہ نیپچیون دریافت کیا ۔ صفحہ ۲۴

گراخي (Gracchi) ، یہ دو بھائی تھے : ایک گائی سمپرونی (۱۵۳ سے ۱۲۱ ق ۔ م ۔ تک) ، دوسرا تبیری سمپرونی (۱۶۳ سے ۱۳۳ ق ۔ م ۔ تک) — روم قدیم کی دو ہردل عزیز شخصیتیں ، جنھوں نے ایسے زراعتی قانون بنوانے کے لئے انتہائی کوشش کی جن میں کسانوں کا فائدہ ہو ۔ صفحہ ۱۱۸

گرون (Grün)، کارل (۱۸۱۷ ء سے ۱۸۸۷ ء تک) — جرمنی کا چھوٹی بورژوازی والا صاحب قلم، ۱۸۴۰ ء کے چار پانچ سال بعد وہ ''سچے سوشلزم،، کے اہم نمائندوں میں شمار ہونے لگا تھا۔ صفحہ ۲۰

گفن (Giffen)، رابرٹ (۱۸۳۷ ء سے ۱۹۱۰ ء تک) — انگریز بورژوا ماہر معاشیات اور ماہر علم اعداد و شمار۔ صفحہ ۸۰

گلیڈسٹن (Gladstone)، ولیم ایوارٹ (۱۸۰۹ ء سے ۱۸۹۸ ء تک) — مشہور انگریز مدبر۔ ۱۹ ویں صدی کے دوسرے آدھے میں لبرل پارٹی کا لیڈر رہا۔ ۱۸۵۲ ء سے ۱۸۶۶ ء تک دوبار وزیر مالیات اور پھر ۱۸۶۸ ء سے ۱۸۹۴ ء تک وقفوں سے چار بار وزیر اعظم رہا۔ صفحہ ۱۴۴

گولڈ (Gould)، جیے (۱۸۳۶ ء سے ۱۸۹۲ ء تک) — امریکی کروڑپتی، ریلوے مالک اور سرمایہ کار۔ صفحہ ۱۶۲

گولیخ (Gülich)، گوستاف (۱۷۹۱ ء سے ۱۸۴۷ ء تک) — جرمن بورژوا ماہرمعاشیات اور مؤرخ، قومی معیشت کی تاریخ پر کئی کتابوں کا مصنف۔ صفحہ ۱۷۹

گوئیٹے (Goethe)، یوگان والف‌گانگ (۱۷۴۹ ء سے ۱۸۳۲ ء تک) — جرمن زبان کا عظیم شاعر، ادیب اور مفکر۔ صفحات ۱۶، ۲۸

گیزو (Guizot)، فرانسوا پیئر ہیوم (۱۷۸۷ ء سے ۱۸۷۴ ء تک) — فرانس کا بورژوائی مؤرخ اور ریاستی معاملات میں ممتاز۔ ۱۸۴۰ء سے ۱۸۴۸ ء تک فرانس کی اندرونی اور بیرونی سیاست کے تار اسی کے ہاتھ میں رہے۔ صفحات ۵۴، ۱۷۸

— ل —

لاسال (Lassalle)، فرڈنینڈ (۱۸۲۵ ء سے ۱۸۶۴ ء تک) — جرمن چھوٹی بورژوازی کا آدمی، مضمون‌نگار اور وکیل۔ رائن صوبے میں ۴۹ — ۱۸۴۸ ء کی جمہوری تحریک میں شریک ہوا۔ ۱۸۶۰ ء

کے بعدوالے برسوں میں مزدور تحریک سے مل گیا۔ ۱۸٦۳ ء میں
"کل جرمن مزدور انجمن" کی بنیاد ڈالنے والوں میں سے تھا۔ پروشیا
کے سائے میں جرمنی کو ملاکر ایک ملک کرنے کی تحریک کا
حامی جس نے جرمن مزدور تحریک میں موقع پرستی کی ٹیڑھ پیدا
کر دی۔ صفحات ۱۰۷، ۱۳۱، ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۵۰

لافارگ (Lafargue)، پول (۱۸۴۲ ء سے ۱۹۱۱ ء تک) — فرانسیسی
اور بین اقوامی مزدور تحریک کی ایک ممتاز شخصیت، فرانسیسی
مزدور پارٹی کے بانیوں میں سے ایک، مارکس ازم کا ایک نمایاں
پھیلانے والا، مارکس اور اینگلس کا شاگرد اور رفیق کار۔ صفحات
۸۸، ۱۳۷

لافارگ (Lafargue)، لاؤرا (۱۸۴۵ ء سے ۱۹۱۱ ء تک) — فرانس
کی مزدور تحریک کی سرگرم لیڈر۔ پول لافارگ کی بیوی اور کارل
مارکس کی بیٹی۔ صفحہ ۱۳۷

لوتھر (Luther)، مارٹن (۱۴۸۳ ء سے ۱۵۴٦ ء تک) — اصلاح دین کی
تحریک کا زبردست علمبردار جس نے جرمنی میں پروٹسٹنٹ فرقے کی
(لوتھریں خیالات کی) بنیاد رکھی۔ جرمن شہری رئیسوں کا
نظریہ‌ساز۔ صفحات ٦۱، ۱۷۱

لوک (Locke)، ژاں (۱٦۳۲ ء سے ۱۷۰۴ ء تک) — ثنویت کا ماننے والا
مشہور انگریز فلسفی جس نے فلسفے میں حسیت کو اہم قرار
دیا۔ صفحہ ۱٦۷

لوئی چہاردهم (Louis)، (۱٦۳۸ ء سے ۱۷۱۵ ء تک) — ۱٦۴۳ ء
سے آخر دم تک فرانس کا بادشاہ رہا۔ صفحہ ٦۲

لوئی بوناپارٹ — دیکھئے نپولین سوم۔

لوئی نپولین — دیکھئے نپولین سوم۔

لیبکنیخت (Liebknecht)، ولہلم (۱۸۲٦ ء سے ۱۹۰۰ ء تک)۔
جرمنی کی اور بین اقوامی مزدور تحریک کا ممتاز رہنما۔ ۱۸۴۸ ء
۴۹ — کے انقلاب میں شریک۔ کمیونسٹ لیگ اور پہلی

انٹرنیشنل کا ممبر - جرمنی کی سوشل ڈیموکریسی کے بانیوں اور لیڈروں میں شمار ہوتا ہے - مارکس اور اینگلس کا دوست بھی تھا اور ان کے کام کو آگے بڑھانےوالا بھی - صفحات ۱۳۸ ، ۱۴۴

لےورئیے (Leverrier) ، اوربین ژان ژوزیف (۱۸۱۱ ء سے ۱۸۷۷ ء تک) — نمایاں فرانسیسی ماہر فلکیات اور ریاضی داں - صفحہ ۲۴

— م —

مارکس (Marx) ، کارل (۱۸۱۸ ء سے ۱۸۸۳ ء تک) - صفحات ۷—۹ ، ۲۰ ، ۴۳—۴۴ ، ۹۱ ، ۹۴—۹۸ ، ۱۰۲ ، ۱۰۳ ، ۱۰۵ ، ۱۲۱ ، ۱۳۶ ، ۱۳۷ ، ۱۳۹—۱۴۱ ، ۱۴۴ ، ۱۴۹ ، ۱۵۲ ، ۱۵۴ ، ۱۵۷ ، ۱۵۹ ، ۱۶۸ ، ۱۶۹ ، ۱۷۰ ، ۱۷۸—۱۷۹

مارگن (Morgan) ، لوئیس ہنری (۱۸۱۸ ء سے ۱۸۸۱ ء تک) — امریکہ کا مشہور عالم ، مؤرخ ، جس‌نے ابتدائی سماج کی تحقیق کی ہے ، بےترتیب مادیت کا قائل - صفحہ ۱۷۸

ماورر (Maurer) ، گیورگ لوڈویگ (۱۷۹۰ ء سے ۱۸۷۲ ء تک) — جرمنی کا ایک مشہور بورژوا مؤرخ - اس نے قدیم اور وسطی زمانے کے جرمنی میں سماجی نظام کی تحقیق کی ہے - صفحہ ۱۵۴

مونتیسکیو (Montesquieu) ، شارل (۱۶۸۹ ء سے ۱۷۵۵ ء تک) — فرانس کا نمایاں بورژوا سماجیات کا ماہر ، معاشیات کا عالم اور ادیب ، ۱۸ ویں صدی میں بورژوا روشن‌خیالی پھیلانےوالا - آئینی بادشاہی کے حق میں نظریہ‌ساز - صفحہ ۱۷۱

مولیشوٹ (Moleschott) ، یاکوب (۱۸۲۲ ء سے ۱۸۹۳ ء تک) — بورژوا فلسفی اور ماہر عضویات ، گھٹیا مادیت کا نمائندہ - جرمنی ، سوئٹزرلینڈ اور اٹلی کے یونی‌ورسٹیوں کا پروفیسر - صفحات ۲۶ ، ۲۷

میرنگ (Mehring) ، فرانس (۱۸۴۶ ء سے ۱۹۱۹ ء تک) — جرمنی کی مزدور تحریک کا ممتاز کارکن ، مؤرخ اور صحافی ۔ ۱۹ ویں صدی کے نوویں عشرے میں مارکس کا پیرو ہوگیا ۔ اس نے جرمنی اور جرمن سوشل ڈیموکریسی کی تاریخ پر کئی کتابیں لکھیں ۔ مارکس کی سوانح عمری لکھنے والا ۔ رسالے «Neue Zeit» کا مدیر ۔ جرمن سوشل ڈیموکریسی کے بائیں بازو کا ایک لیڈر اور نظریہ داں ۔ جرمنی کی کمیونسٹ پارٹی کے قیام میں نمایاں رول ادا کیا ۔ صفحہ ۱۶۹

میک موھن (Mac Mahon) ، ماری ایدم ، پاتریس موریس (۱۸۰۸ ء سے ۱۸۹۳ ء تک) — فرانس کا رجعت پرست فوجی اور سیاست داں ، بوناپارٹ کا حامی ۔ پیرس کمیون کو غارت کرنے والوں میں وہ بھی شریک تھا ۔ بعد میں ۷۹ — ۱۸۷۳ ء کے زمانے میں فرانس کی تیسری ریپبلک کی صدارت سنبھالی ۔ صفحہ ۱۰۵

مینئے (Mignet) ، فرانسوا اوگیوست مارکی (۱۷۹۶ ء سے ۱۸۸۴ ء تک) — فرانسیسی اعتدال پسند بورژوا مؤرخ جس نے بورژوا سماج کی تشکیل میں طبقاتی جدوجہد کی اہمیت کو سمجھنے لگا ۔ صفحات ۵۴ ، ۱۷۸

میولبیرگر (Mülberger) ، آرتھر (۱۸۴۷ ء سے ۱۹۰۷ ء تک) — جرمن پیٹی بورژوا اخبارنویس ، پرودھوں کا پیروی ، پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ۔ صفحہ ۱۳۶

میئسنیر (Meissner) ، اوٹو کارل (۱۸۱۹ ء سے ۱۹۰۲ ء تک) — همبرگ کا ناشر ، اس نے ”سرمایہ“ کے علاوہ مارکس اور اینگلس کی کئی اور تصانیف شائع کیں ۔ صفحات ۴۶ ، ۹۷

— ن —

نپولین اول (Napoleon) ، بوناپارٹ (۱۷۶۹ ء سے ۱۸۲۱ ء تک) — فرانسیسی سپہ سالار جو ۱۸۰۴ء سے ۱۸۱۴ء تک اور پھر ۱۸۱۵ء میں فرانس کا شہنشاہ رہا ۔ صفحات ۳۴ ، ۶۶ ، ۱۶۵

نپولین سوم (Napoleon) ، لوئی نپولین بوناپارٹ (۱۸۰۸ ء سے ۱۸۷۳ ء تک) — نپولین اول کا بھتیجا ۔ ۱۸۴۸ — ۵۱ ء میں دوسری رپبلک کا صدر تھا ۔ پھر ۱۸۵۲ ء سے ۱۸۷۰ ء تک فرانس کا شہنشاہ بنا رہا ۔ صفحات ۹۷ ، ۱۰۳ ، ۱۰۴ ، ۱۳۸ ، ۱۵۹ ، ۱۷۸

نکولائی دوم (۱۸۶۸ ء سے ۱۹۱۸ ء تک) — روسی شہنشاہ (۱۸۹۴ ء سے ۱۹۱۷ ء تک) ۔ صفحہ ۱۱۵

— و —

واکسمتھ (Wachsmuth) ، ارنسٹ ولہلم گوتلب (۱۷۸۴ ء سے ۱۸۶۶ ء تک) — جرمن بورژوا مؤرخ ۔ لیپزگ میں پروفیسر تھا ۔ قدیم زمانے کے حالات اور یورپ کی تاریخ پر کئی کتابیں لکھیں ۔ صفحہ ۱۷۲

والتیئر (Voltaire) ، فرانسوا ماری (اصل خاندانی نام آروے) (۱۶۹۴ ء سے ۱۷۷۸ ء تک) — نمایاں فرانسیسی روشن خیال ، مذہب فطرت کا فلسفی ، طنزیہ کتابوں کا مصنف ، مؤرخ ۔ صفحات ۳۲ ، ۶۲

وانڈیربلٹ (Vanderbilts) — امریکی مالیاتی اور صنعتی کروڑپتیوں کا خاندان ۔ صفحہ ۱۶۲

ولہلم اول (Wilhelm) (۱۷۹۷ ء سے ۱۸۸۸ ء تک) — پروشیا کا پرنس اور بادشاہ (۱۸۶۱ — ۱۸۸۸ ء) ، جرمن شہنشاہ (۱۸۷۱ ء — ۱۸۸۸ ء) ۔ صفحات ۱۰۴ ، ۱۷۳

ویرتھ (Wirth) ، موریتز (پیدائش ۱۸۴۹ ء — انتقال ۱۹۱۶ ء کے بعد) — جرمن اخبارنویس ، ماہرمعاشیات ۔ صفحہ ۱۵۱

ویڈیمیئر (Weydemeyer) ، ایوسیف (۱۸۱۸ ء سے ۱۸۶۶ ء تک) — جرمن اور امریکی مزدور تحریک کا نمایاں کارکن ۔ مارکس اور

اینگلس کا دوست اور همخیال۔ ''کمیونسٹوں کی یونین'' کا ممبر تھا۔ جرمنی میں ۱۸۴۸ — ۴۹ ء کے انقلاب میں شرکت کی اور انقلاب کی شکست کے بعد انتقال وطن کرکے امریکہ چلا گیا جہاں شمالیوں کی طرف سے خانہ جنگی میں حصہ لیا۔ صفحہ ۱۳۶

— ہ —

ہائنے (Heine)، ہینرخ (۱۷۹۷ ء سے ۱۸۵۶ ء تک) — جرمنی کا عظیم انقلابی شاعر۔ صفحات ۱۱، ۱۴۹

ہوبس (Hobbes)، تھومس (۱۵۸۸ ء سے ۱۶۷۹ ء تک) — ممتاز انگریز فلسفی۔ میکانیکی مادیت‌پسندی کا نمائندہ۔ صفحہ ۲۵

ہیپنر (Hepner)، ادولف (۱۸۴۶ ء سے ۱۹۲۳ ء تک) — جرمن سوشل ڈیموکریٹ، اخبار «Volksstaat» کا ایک ایڈیٹر، انٹرنیشنل کی ہیگ کانگرس کا مندوب (۱۸۷۲ ء)، بعد میں سوشل شاوینیسٹ ہو گیا۔ صفحہ ۱۴۴

ہیکس‌تھاسن (Haxthausen)، اگوسٹ (۱۷۹۲ ء سے ۱۸۶۶ ء تک) — پروشیا کا ایک عہدہ‌دار اور ادیب۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ روس کی کاشتکاری میں قدیم زمانے کے مشترکہ ملکیت کے نظام کے آثار ابھی تک باقی ہیں۔ صفحہ ۱۳۸

ہیگل (Hegel)، گیورگ ولہلم فریڈرک (۱۷۷۰ ء سے ۱۸۳۱ ء تک) — کلاسیکی جرمن فلسفے کی سب سے قداور شخصیت، معروضی آئڈیلسٹ۔ صفحات ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۳ — ۱۸، ۲۱، ۲۳ — ۲۵، ۲۸، ۳۱، ۳۸ — ۳۷، ۴۷ — ۴۴، ۵۰، ۵۲، ۵۵، ۱۲۲، ۱۴۸، ۱۵۳، ۱۶۷، ۱۷۱

ہیوم (Hume) ، ڈیوڈ (۱۷۱۱ ء سے ۱۷۷۶ ء تک) — انگریز عینیت پرست فلسفی ، لاادریت پرست ، بورژوا مؤرخ اور ماہر معاشیات۔ صفحہ ۲۴

— ی —

یورک (Jork) ، تھیودور (انتقال ۱۸۷۵ ء) — جرمن مزدور تحریک کا نمایاں کارکن ، لاسال کا پیرو ، ۱۸۷۴ ء — ۱۸۷۱ ء کے دوران جرمنی کی سوشل ڈیموکریٹک مزدور پارٹی کا سکریٹری۔ صفحہ ۱۴۴

پڑھنے والوں سے

دارالاشاعت ترقی آپ کا بہت شکر گذار ہوگا اگر آپ ہمیں اس کتاب کے ترجمے، ڈیزائن اور طباعت کے بارے میں اپنی رائے لکھیں۔ اس کے علاوہ بھی اگر آپ کوئی مشورہ دے سکیں تو ہم ممنون ہوں گے۔

ہمارا پتہ: زوبوفسکی بلوار - نمبر ۲۱،
ماسکو، سوویت یونین

21, Zubovsky Boulevard, Moscow, USSR